حیاتِ حضرت مختار

ابوالعارف سلیم شاہجہانپوری

حیاتِ

حضرتِ مختار

سوانح حیات و منظوم کلام

حضرت حافظ سیّد مختار احمد صاحب مختارؔ شاہجہانپوری

یکے از رفقائے حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود

ابوالعارف سلیمؔ شاہجہانپوری

برائے احمدی حضرات

مولف ______ ابوالعارف سلیم شاہجہانپوری

سالِ اشاعت ______ ۱۹۹۷ء

سرورق ______ ابوالعارف

کمپوزنگ وخطاطی ______ کمپیوٹرائٹ کراچی
خالد محمود اعوان

ناشر ______ ابوالعارف

مطبع ______ رنگین آرٹ پریس

تعداد ______ ایک ہزار

قیمت (اندرونِ پاکستان) ______ دوسو روپیہ (-/۲۰۰)

بیرونی ممالک سے ______ تین پاؤنڈ اسٹرلنگ یا
۵۔ امریکن ڈالر

ملنے کا پتہ

R-۳۰/۱۵ دستگیر سوسائٹی - فیڈرل بی ایریا - کراچی پاکستان

نوٹ: اس کتاب کی اشاعت کی منظوری نظارت اشاعت سے
بحوالہ چٹھی نمبر ۱۶۷ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۹۴ء مل چکی ہے

انتساب

میں اپنی اس سوانحی کوشش کو جو حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود (---) کے ایک دیرینہ رفیق و خادم سلسلہ احمدیہ استاذی المحترم حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری (غفرلہ، ونور اللہ مرقدہ) کے سوانح حیات و منظوم کلام پر مشتمل ہے، حضرت استاذی المحترم کے اُن ہزار ہا مداحین اور ان سے اخوت، مودت اور قلبی محبت کا رشتہ رکھنے والے اکابرین جماعت کے اسمائے گرامی کے ساتھ منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جو بذات خود حضرت سلطان القلم کے انفاس قدسیہ اور الہامی دعاؤں کی برکت سے علم و معرفت میں کمال حاصل کر کے، اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رو سے سب کے منہ بند کر رہے، اور ہر شعبہ ء زندگی میں اپنی علمی برتری کا سکہ بٹھا کر آسمان شہرت و عظمت پر، ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے شفیق و محترم استاد اور اُن سے قلبی لگاؤ رکھنے والوں کی مغفرت فرمائے اور سب کو حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود کی معیت میں اعلیٰ مقام قرب سے نوازے۔

خاکسار

ابولعارف سلیم شاہجہانپوری

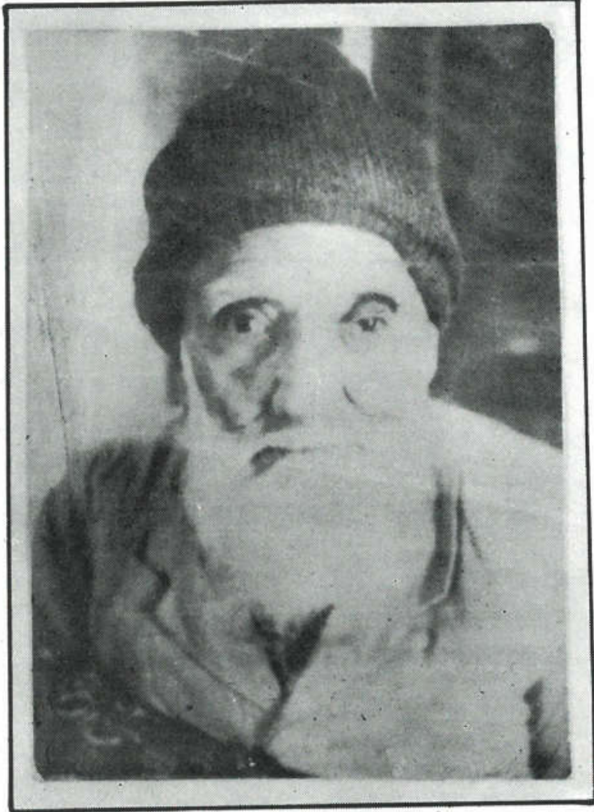
بلابدھی ہوئی اے

قدرت ثانیہ کے چوتھے مظہر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کا حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری کی دعوت الی اللہ کے بارے میں اظہار خیال

(حضور ایدہ اللہ تعالیٰ ان دنوں صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے عہدہ پر فائز تھے۔ مولف)

"حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوریؓ کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو آپ کا شوق تبلیغ تھا۔ تبلیغ آپ کا اوڑھنا بچھونا' اور کھانا پینا ہوچکی تھی اور وا قعتہ "نہ کہ محاورۃ" آپ تبلیغ سے قوت پاتے تھے۔ ایک مرتبہ مجھے حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی تو وہ کسی دوست سے پہلے روز کے ایک واقعہ کے متعلق استفسار فرما رہے تھے چنانچہ میرے حاضر ہونے پر مجھے بھی اس گفتگو میں شامل فرمالیا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک روز پہلے جب یہی دوست جن سے حضرت حافظ صاحب کی گفتگو ہو رہی تھی، ضلع جھنگ کے ایک بڑے زمیندار کو حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں ملاقات کے لئے لے کر حاضر ہوئے تو حضرت حافظ صاحب پر ضعف کا شدید حملہ تھا اور لمبی بات تو کجا ہونٹ ہلانے میں بھی دقت محسوس کرتے تھے۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ ان کو لانے کا مقصد تبلیغ ہے تو رفتہ رفتہ کوشش کر کے بعض مسائل پر کچھ کہنا شروع کیا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا حضرت حافظ صاحب کی توانائی بڑھتی گئی یہاں تک کہ خدا کے فضل سے اٹھ کر بیٹھ گئے اور مختلف کتابیں نکلوا کر اصل حوالہ جات بھی دکھانے شروع کئے اور تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹہ تک مسلسل بڑے جوش سے ان کو تبلیغ کرتے رہے۔ بالآخر جب وہ دوست مودبانہ رخصت لے کر جانے لگے تو نکلتے ہوئے دروازے پر ایک ایسا تبصرہ کیا جسے حافظ صاحب نے بھی سن لیا وہ تبصرہ یہ تھا کہ "بلابدھی ہوئی اے"۔ میرے پہنچنے پر حضرت حافظ صاحب اسی بارہ میں استفسار فرما رہے تھے' کہ آخر اس نے مجھے "بلا" کیوں کہا؟ میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی۔ نیز فرمایا کہ "بدھی" کا مطلب مجھے سمجھ نہیں آیا۔ چنانچہ اس پر خاکسار نے عرض کیا کہ اس سے بہتر الفاظ میں پنجابی زبان میں وہ آپ کو خراج تحسین پیش نہیں کر سکتا تھا۔ صرف بلا کہنے پر ہی اس نے اکتفا نہیں کی بلکہ "بلابدھی" کہہ کر تو پنجابی زبان میں بلاغت کی انتہا کردی کہ یہ کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ بہت عظیم الشان طاقتوں کا مالک ہے جس کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

اس قسم کے بے شمار واقعات دوستوں کے علم میں ہوں گے کہ حضرت حافظ صاحب نے نہایت نقاہت و ضعف کی حالت میں جب بھی کسی تبلیغی موضوع پر گفتگو شروع فرمائی' رفتہ رفتہ تبلیغی جوش کی وجہ سے ایسے صحتمند نظر آنے لگے گویا کبھی بیمار ہی نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی روح کو غریق رحمت فرمائے۔ اور اعلیٰ علیین میں اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود (ـــــــــ) کے قدموں تک رسائی عنایت فرمائے۔"



حضرت حافظ سیّد مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری

فہرست مضامین

عرض حال

استاذی المحترم حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری (نور اللہ مرقدہ) کی سوانح حیات مرتب کرنے کا خیال ابتداء" میرے ذہن میں نہیں تھا اور اگر خیال کرتا بھی تو اپنی علمی بے بضاعتی کے سبب اس اہم سوانحی کارنامے کو انجام دینے کا حوصلہ کہاں سے لاتا۔ یہ تو خدا بھلا کرے برادرم مکرم و محترم جناب ملک صلاح الدین صاحب مولف "اصحاب احمد" قادیان کا جن کی دردمندانہ تحریک اور حوصلہ افزائی نے اس اہم اور ضروری فریضے کی انجام دہی کی طرف اس ناچیز کو مائل کیا۔ ان کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے:-

"حضرت حافظ صاحب حضرت اقدس مسیح موعود (---) کے اولین رفقاء میں ایک منفرد علمی مقام کے حامل تھے اور میں "اصحاب احمد" کی ایک جلد ان کے سوانح حیات اور سیرت پر ترتیب دینا چاہتا تھا لیکن باوجود کوشش مجھے کافی مواد میسانہ ہو سکا کیونکہ حضرت حافظ صاحب کے ان حالات سے تو سینکڑوں اصحاب واقف ہیں جب وہ شاہجہانپور سے ترک سکونت کر کے قادیان آ گئے تھے اور تقسیم ملک کے بعد یہیں سے لاہور اور پھر ربوہ چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ لیکن ان کی ابتدائی زندگی کے متعلق بہت کم لوگوں کو معلوم ہے اور جن کو معلوم ہے وہ بھی سنی سنائی باتوں کو بنیاد بناتے ہیں، لیکن آپ (سید محمد میاں۔ مولف) نے تو بچپن ہی سے حضرت حافظ صاحب کے متبنّٰی بیٹے کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے کی سعادت حاصل کی اور ان کے شاہجہانپور سے قادیان ہجرت کرنے تک ان سے تربیت حاصل کرتے رہے، آپ سے زیادہ اور کون ان کے خاندانی حالات اور ابتدائی مشاغل کے بارے میں صحیح معلومات فراہم کر سکتا ہے۔ لہٰذا آپ اس اہم اور ضروری فریضے کی بجا آوری کے لئے کمر ہمت باندھیں اور اپنے ذہن و حافظہ کی مدد سے ان کے سوانح حیات مرتب کر ڈالیں۔" (الفاظ میرے ہیں لیکن ملک صاحب کا مفہوم یہی تھا۔)

اس سے کچھ عرصہ قبل حضرت حافظ صاحب کے حقیقی بھانجے سید محمد ہاشم بخاری (مولوی فاضل) بھی ربوہ میں اس کار عظیم کی طرف توجہ دلا چکے تھے۔ انہوں نے دوران ملاقات ربوہ خاکسار کو ان الفاظ میں توجہ دلائی:۔

"محمد میاں! حضرت ماموں جان کے حالات سے جتنا تم واقف ہو' کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ تم نے ابتدائے عمر ہی سے ماموں جان کے زیر سایہ تربیت پائی اور میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تم ہی ان کے بیٹے اور حقیقی جانشین ہو۔ تم ماموں جان کی سیرت کے ہر پہلو سے واقفیت رکھتے ہو اور عینی شاہد ہو لہٰذا میری خواہش ہے کہ اس کام کو جس قدر جلد ممکن ہو کر ڈالو۔" (الفاظ میرے ہیں لیکن ان کا مفہوم یہی تھا۔)

اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ربوہ میں برادرم سید ہاشم بخاری کے توجہ دلانے پر میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب کسی نہ کسی طرح اس کام کو سرانجام دینا ہے۔ میں ربوہ سے نواب شاہ واپس آیا (جہاں شاہجہان پور سے ہجرت کر کے مستقلا" آباد ہو گیا تھا) تو کسی ذاتی کام کے سلسلہ میں کراچی آنا ہوا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہاں برادرم حافظ عبدالجمیل صاحب' جو حضرت حافظ صاحب کے شاگرد رشید ہیں ہجرت کے بعد سے سکونت پذیر ہیں۔ پس ان کے مکان واقع پاپوش نگر پہنچا اور ان سے ملاقات کے دوران یہ درخواست کی کہ وہ حضرت حافظ صاحب کے متعلق جو کچھ جانتے ہیں مجھے بھی اس سے آگاہی بخشیں۔ وہ فورا" تیار ہو گئے اور میں نے ان کا انٹرویو لے لیا اور ان سے دستخط کرا لئے۔ یہ انٹرویو بڑا مفید اور کار آمد ثابت ہوا۔ برادرم حافظ عبدالجمیل صاحب نے حضرت حافظ صاحب سے قرآن شریف سبقا" سبقا" پڑھا تھا اور حفظ کیا تھا۔ وہ بھی خاکسار کی طرح حضرت حافظ صاحب کے شاگردان خاص میں شامل تھے اور ان کے خاندانی حالات سے واقف اور بعض اہم واقعات کے چشم دید گواہ تھے۔ اگر میں نے ان کی زندگی میں یہ انٹرویو نہ لے لیا ہوتا تو حافظ صاحب کے

خاندانی حالات کے متعلق میری معلومات تشنہ رہ جاتیں۔ اللہ تعالیٰ برادرم مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام قرب سے نوازے۔

پھر ایسا ہوا کہ ۱۹۹۱ء میں ایک حادثہ کے نتیجہ میں زخمی ہو کر اپنے بیٹے سید خالد جمیل کے پاس بغرض علاج معالجہ کراچی آیا اور کئی ماہ تک یہاں قیام پذیر رہ کر علاج کراتا رہا۔ اسی دوران صاحبزادے میاں وسیم احمد صاحب قادیان سے کراچی تشریف لائے مکرم و محترم احمد مختار صاحب مرحوم نے جو اس وقت امیر جماعت کراچی تھے' میاں صاحب کو تمام جماعت کراچی کی طرف سے عصرانہ دیا۔ اس دعوت میں جناب امیر صاحب (مرحوم) نے اس خاکسار کو بھی بطور خاص شمولیت کی دعوت دی تھی جو اس ناچیز کے لئے بڑا اعزاز تھا۔ اس شام گیسٹ ہاؤس کا خوبصورت لان کراچی کے احمدی احباب سے بھرا ہوا بڑا پر رونق اور پروقار نظر آ رہا تھا۔ صاحبزادے صاحب جناب امیر صاحب (مرحوم) کے ساتھ کرسی پر تشریف فرما تھے۔ یہ خاکسار دیگر احباب جماعت کے ساتھ ذرا فاصلہ پر بیٹھا تھا۔ صاحبزادے صاحب کی نگاہ اچانک مجھ پر پڑ گئی۔ انہوں نے جناب احمد مختار صاحب (مرحوم) سے فرمایا کہ سید صاحب (یہ خاکسار) کو بلوائیں۔ ایک احمدی دوست میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ساتھ صاحبزادے صاحب کے پاس لے گئے۔ میں نے صاحبزادے صاحب کو سلام عرض کیا اور پاس والی خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ صاحبزادے صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کا حضرت حافظ صاحب سے کیا رشتہ تھا۔ میں نے عرض کیا کہ میرے والد سید محمد علی میاں کا انتقال میری صغر سنی ہی میں ہو گیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت حافظ صاحب نے ہم دونوں بھائیوں (خاکسار اور میرے چھوٹے بھائی سید احمد میاں) کو اپنی کفالت میں لے لیا اور مجھے اپنا متبنّٰی بیٹا بنا لیا۔ یہ شاید ۱۹۲۴ء کی بات ہے۔ اس وقت سے لے کر حضرت حافظ صاحب کے قادیان ہجرت کر جانے تک میں ان کی زیر تربیت رہا اور بیٹوں کی طرح ان کی

خدمات کی سعادت حاصل کرتا رہا۔ صاحبزادے صاحب نے میرا جواب سماعت فرمانے کے بعد فرمایا کہ 'پھر آپ نے ان کی سوانح حیات کے سلسلے میں کچھ کام کیا؟ اتفاق سے وہ مسودہ میرے بیگ میں موجود تھا جو حضرت حافظ صاحب کے سوانح حیات پر مشتمل تھا اور میں اسے اس خیال سے اپنے ساتھ لے گیا تھا کہ اگر موقع ملا تو امیر صاحب کراچی کو دکھلاؤں گا اور اس کی اشاعت کے لئے تعاون کی درخواست کروں گا۔ میں نے صاحبزادے صاحب سے عرض کیا کہ خاکسار نے تو اپنا فریضہ انجام دے دیا ہے اب جناب امیر صاحب کے تعاون کا محتاج ہوں۔ صاحبزادے صاحب نے میرا جواب سن کر امیر صاحب کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا تو امیر صاحب نے خاکسار سے فرمایا کہ کسی روز مسودہ لے کر میرے پاس آجائیں تو فیصلہ کریں گے۔ اس کے بعد کی داستان طویل ہے جس کا تحریر کرنا یہاں مناسب نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ جناب امیر صاحب اپنی گوناگوں مصروفیات اور طویل اور مہلک بیماری کے سبب اس طرف توجہ نہ دے سکے اور مسودہ انہیں کے پاس رہا۔

حضرت حافظ صاحب کی وفات کے بعد بہت سے احباب نے جو ان کے حالات سے واقف اور ان کی سیرت کے کسی نہ کسی پہلو سے متاثر تھے سلسلہ کے موخر اخبارات و رسائل میں مضامین شائع کرائے جن کا سلسلہ آج تک جاری ہے احمدی شعراء نے بھی منظوم خراج عقیدت پیش کیا خاکسار ان تمام اخبارات و رسائل کو حسب عادت محفوظ کرتا چلا آرہا ہے۔ ان مضامین نے بھی بہت سی ایسی معلومات فراہم کیں جن سے میں بھی لاعلم تھا۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم مضمون مکرم و محترم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ کا ہے جو حضرت حافظ صاحب کے قدیمی اور مخلص دوست تھے اور جنھوں نے ۱۹۳۵ء میں پورا ایک مہینہ حضرت حافظ صاحب کے ساتھ بیت الاحمدیہ شاہجہانپور کے مقدمہ کے سلسلے میں گزارا تھا۔ بعد ازاں یہ قربت اتنی مستحکم ثابت ہوئی کہ ہر سال جلسہ سالانہ

قادیان سے واپسی پر حضرت حافظ صاحب کپور تھلہ ضرور جاتے تھے اور حضرت شیخ صاحب کے پاس ہفتہ عشرہ قیام کے بعد شاہجہان پور کا رخ کرتے۔ پھر تقسیم ملک کے بعد جب حضرت حافظ صاحب جودہامل بلڈنگ لاہور میں مقیم تھے تو شیخ صاحب (جو تقسیم برصغیر کے بعد ہجرت کر کے فیصل آباد میں سکونت پذیر ہوگئے تھے) جب بھی مقدمات کی پیروی کے سلسلہ میں لاہور آتے تو لازماً" تھوڑا وقت نکال کر حافظ صاحب سے ملاقات ضرور کرتے۔ انہوں نے حضرت حافظ صاحب' کے متعلق جو مضمون لکھا ہے وہ بہت ہی اہم اور معلوماتی ہے اس لئے میں نے اس کو "یادِ دوست" کے عنوان سے شامل کتاب کرلیا ہے۔ بقیہ احباب جن کے مضامین سے میں نے استفادہ کیا' ان میں سرفہرست شیخ محمد ضیاء الحق صاحب چوہدری (لاہور اب امریکہ) ہیں جو قادیان اور جودہامل بلڈنگ لاہور میں حضرت حافظ صاحب کے بہت قریب رہے۔ بعد ازاں ربوہ میں بھی عقیدتمندانہ ملاقاتوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ ان کی بعض روایات بڑی اہم اور چونکا دینے والی ہیں۔ ان کے علاوہ میرے محبت پرور بھائی سید محمد الیاس ناصر دہلوی ہیں جو دوران قیام لاہور حضرت حافظ صاحب کے بہت قریب رہے اور قریباً" روزانہ ان کی خدمت میں حاضری دینے اور ان کی مجالس علمی و ادبی میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کرتے رہے۔ اور انہیں کی کوشش اور دعاؤں سے انکی والدہ ماجدہ حضرت حافظ صاحب' کی دعوت الی اللہ کے نتیجہ میں حلقہ بگوش احمدیت ہونے کی سعادت حاصل کر سکیں۔ برادر موصوف نے کئی حیرت انگیز واقعات سے آگاہی بخشی جن میں یہ انکشاف بھی شامل تھا کہ حضرت حافظ صاحب نے شادی کیوں نہیں کی ان کی والدہ کے استفسار پر حضرت حافظ صاحب نے اس بارے میں جو جواب دیا وہ اسی کتاب کے باب نہم (تتمہ) میں شامل ہے۔ ان دو احباب کے علاوہ میں نے جن احمدی احباب کے مضامین اور مکاتیب سے استفادہ کیا ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:۔

(۱) مکرم سید ہاشم بخاری صاحب مولوی فاضل (حضرت حافظ صاحب کے ہمشیر زادے)

(۲) مکرم مولوی عبدالمنان صاحب شاہد مربی سلسلہ احمدیہ

(۳) مکرم مولانا لطف الرحمٰن محمود صاحب مربی سلسلہ احمدیہ

(۴) مکرم چوہدری علی محمد صاحب بی۔اے بی ٹی

(۵) مکرم پروفیسر ناصر احمد صاحب پرویز پروازی پی ایچ ڈی

(۶) مکرم چوہدری عبدالواحد صاحب نائب ناظر اصلاح وارشاد

(۷) مکرم ملک محمود احمد صاحب وکیل التبشیر۔ ربوہ

(۸) مکرم ملک محمد نسیم احمد صاحب جوئیہ بی۔اے' ایل ایل بی ایڈووکیٹ' ڈیرہ غازی خاں

(۹) مکرم خواجہ عبدالمومن صاحب گولبازار ربوہ (حال ناروے)

(۱۰) مکرم بابو نذیر احمد صاحب امرتسری

(۱۱) مکرم سید مسعود احمد صاحب ربوہ ودیگر حضرات

ان گرامی قدر احباب کے علاوہ بھی جن احباب نے زبانی یا بذریعہ تحریر حضرت حافظ صاحب کے متعلق معلومات فراہم کیں میں ان تمام احباب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کیونکہ تعاون کے بغیر یہ کتاب نامکمل رہ جاتی حضرت حافظ صاحب کی ایک سو دس سالہ زندگی میں آخر دم تک ہزاروں احمدی وغیر احمدی اصحاب کو ان سے ملنے کا موقع میسر آیا اور وہ سب حضرت حافظ صاحب کی سیرت کے کسی نہ کسی پہلو سے متاثر ہوئے لیکن ان سب کے تاثرات کا احاطہ کرنا مولف کتاب ہذا کے بس کی بات نہیں لہٰذا جو کچھ دسترس میں تھا' احباب جماعت کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور قارئین کتاب سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر حضرت حافظ صاحب کے بارے میں انہیں کوئی بات معلوم ہو تو ازراہ کرم مولف کتاب ہذا کو اس سے ضرور آگاہی بخشیں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں ضروری معلومات کو شامل کرلیا جائے۔

جہاں تک مولف کتاب ہذا کے ذاتی اور خاندانی حالات کا تعلق ہے' تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ میرا تعلق قصبہ گلاؤ ٹھی ضلع بلند شہر (انڈیا) کے ایک سید خاندان سے ہے۔ میرے والد سید محمد علی میاں محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔ وہ تبادلہ کے سلسلے میں شاہجہانپور آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ انہوں نے ۱۹۲۴ء میں شاہجہان پور میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہیں۔

میرے مشفق والد آل سادات کی بہت سی خوبیوں کے وارث تھے۔ وہ ایک انتہائی منکسر المزاج' شریف الطبع اور مرنجان مرنج طبیعت کے مالک تھے۔ اپنے بچوں سے شفقت آمیز اور محبت بھر سلوک کرنے والے ایک رحمدل باپ تھے۔ شاہجہانپور میں دوران ملازمت ان کی ملاقات کسی موقع پر حضرت حافظ صاحب سے ہوگئی۔ حضرت حافظ صاحب کی مقناطیسی شخصیت کا ان پر ایسا اثر ہوا کہ اکثر اوقات وہ حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ حضرت حافظ صاحب نے حسب عادت دعوت الی اللہ کا فریضہ ادا کرتے ہوئے ان کو حضرت امام مہدی کے ظہور کی خبر دی۔ دو چار ہی ملاقاتوں میں میرے والد پر احمدیت کی حقانیت ثابت ہوگئی اور وہ حلقہ بگوش احمدیت ہوگئے۔ والد صاحب محکمہ پولیس سے ریٹائر ہوئے اور یہ خبر گلاؤ ٹھی میں ان کے عزیزوں میں پہنچی تو ان ایک بھانجے جو میرٹھ میں وکالت کرتے تھے شاہجہان پور آئے اور والد صاحب کو گلاؤ ٹھی چلنے پر راضی کرلیا۔ چونکہ وہ سارے خاندان کو ہمیشہ کے لئے گلاؤ ٹھی لے جا رہے تھے لہٰذا گھر کا سارا سامان نیلامی کے لئے ایک کباڑیے کے ٹھکانے پر پہنچا دیا گیا۔ حضرت حافظ صاحب کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے مخلص دوست حاجی عبدالقدیر صاحب کو والد صاحب کے پاس بھیجا۔ حاجی صاحب والد صاحب کو اپنے ساتھ لے کر حافظ صاحب کے پاس پہنچے تو دونوں بزرگوں نے والد صاحب کو تمام نشیب و فراز سمجھائے اور انہیں اپنے وطن واپس ہونے کے ارادے سے باز رکھنے میں کامیاب ہوگئے۔ حاجی صاحب نے ان کو اپنی فرم "احمدی اینڈ کو" میں ملازمت کی پیشکش کی جو والد صاحب نے بالآخر منظور کرلی اور تادم

مرگ وہاں خدمات انجام دیتے رہے اور اس طرح ہمارے آبائی وطن واپسی کا راستہ ہمیشہ کے لئے مسدود ہو گیا۔ جو سامان نیلام ہونے کے لئے کباڑیئے کے پاس بھیجا گیا تھا وہ واپس آگیا اور والد صاحب کے بھانجے جو بڑی امیدیں لے کر شاہجہان پور آئے تھے بے نیل و مرام واپس چلے گئے۔

اگر ہم لوگ گلاؤٹھی چلے گئے ہوتے تو شاید دنیوی آسائشوں کے دروازے ہم پر کھل جاتے لیکن شاہجہان پور رہ کر جو دینی، اخلاقی، علمی و ادبی فوائد ہمیں خصوصاً" مجھے حاصل ہوئے اس سے میں بالکل محروم رہ جاتا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ جو والد صاحب نے حضرت حافظ صاحب اور حاجی عبدالقدیر صاحب کے سمجھانے پر اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ فالحمدللہ۔ پھر یہ نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیوی نعمتوں سے محروم رکھا ہو۔ اس نے تو اپنے افضال کی بارش اس طرح برسائی کہ ہم سب شرابور ہو گئے اللہ تعالیٰ نے مجھے نیک اور سعادتمند اولاد سے بھی نوازا جو سب اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ عہدوں پر فائز اور اپنی خدمات باحسن وجوہ انجام دے رہے ہیں۔

میرے بڑے بیٹے سید خالد جمیل بی۔ ای الیکٹریکل کے ای ایس سی کراچی میں جنرل مینجر کے عہدہ پر فائز ہیں۔ خدا نے ان کو پانچ بیٹوں سے نوزا ہے مجھلے بیٹے راشد میاں سید نے کیلی فورنیا یونیورسٹی سے .M.S کا امتحان پاس کیا اور امریکہ کی ریاست سیری ٹوز میں سول انجینئر (P.W.D.) کے عہدہ پر فائز ہیں اور امریکہ کی شہریت حاصل کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک بیٹی اور ایک بیٹے سے نوازا ہے۔ ان کی شریک حیات ایک کینیڈین خاتون ہیں جو کناڈا میں مشنری انچارج مولانا نسیم مہدی صاحب کے ذریعہ برضا و رغبت اسلام قبول کر کے حلقہ بگوش احمدیت ہوئیں

تیسرے اور سب سے چھوٹے بیٹے سید عارف رشید نے ٹیکسٹائلز میں ڈپلومہ حاصل کیا

اور آج کل کراچی کی ایک ٹیکسٹائلز مل میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹیوں اور ایک بیٹے سے نوازا ہے۔ بڑی بیٹی جو ایم۔ اے بی ٹی ہیں۔ کراچی کے ایک مقامی گرلز ہائی اسکول میں ہیڈ مسٹریس کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹے اور ایک بیٹی سے نوازا ہے۔ منجھلی بیٹی بھی ایم۔ اے ہے ان کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے جو سب اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ سب سے چھوٹی بیٹی ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہے اور آج کل اپنے شوہر کے ساتھ کیلیفورنیا میں مقیم ہے دونوں کو امریکن شہریت مل چکی ہے اور کامیاب زندگی بسر کر رہے ہیں۔

میں نے اپنے ذاتی حالات ذرا تفصیل سے بطور تحدیث بالنعمت تحریر کر دیئے ہیں صرف یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ جن کو دین کی خدمت کا موقع عطا فرماتا ہے ان کو مالی فراخی بھی عطا فرماتا ہے اور سعادت مند اولاد سے بھی نوازتا ہے اور یہ اس کی سُنت ہے کہ جس میں کبھی تبدیلی واقع نہیں ہوتی سوائے استثنائی صورتوں کے جیسا کہ میرے اس قطعہ سے ظاہر ہے

شائبہ غم کا نہ ہو جس میں وہ غم دیتے ہیں
رنج و آلام باندازِ کرم دیتے ہیں
حال بندے کا سدھر جائے یہ ہے پیش نظر
وہ مٹانے کے لئے کب یہ الم دیتے ہیں

اب کچھ کتاب کے حصۂ منظومات کے بارے میں:۔

بقول حضرت محمد احمد صاحب مظہر (مرحوم و مغفور) حضرت حافظ صاحب نے "ہزاروں نظمیں لکھیں بعض طبع ہوئیں اور بعض غیر مطبوعہ رہیں لیکن انہیں اس بات کی کبھی خواہش

نہیں ہوئی کہ ان کا دیوان شائع ہو۔ خاکسار نے انہیں کئی مرتبہ توجہ دلائی مگر ان کی طبیعت نام و نمود سے نہ صرف بے نیاز تھی بلکہ نفور تھی۔ اب ان کے عزیز مکرم سید محمد میاں صاحب ساکن نواب شاہ حافظ صاحب کے کلام کو جمع کر رہے ہیں اور یہ مجموعہ اردو لٹریچر اور فن شعر میں اللہ نے چاہا تو ایک گرانقدر اضافہ ہوگا۔"

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ حضرت حافظ صاحب کا "واسوخت" جو ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا تھا، اور جس پر جہاں استاد داغ نے حضرت حافظ صاحب کو ان شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا تھا کہ "میں اس نومشقی میں آپ کو ایک کہنہ مشق شاعر ہونے کی داد دیتا ہوں" وہ اب ناپید ہے۔ حضرت حافظ صاحب اس شاہکار واسوخت کی اہمیت کو خود بھی محسوس کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ اس کو الماری میں مقفل رکھتے تھے۔ جب یہ الماری کھلی ہوتی تھی تو میں نے کئی بار واسوخت کے مسودے کو نکال کر پڑھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ حضرت حافظ صاحب شاہجہان پور سے ترک سکونت کرتے وقت اس واسوخت کی اہمیت کے پیش نظر اس کو اپنے دوسرے سامان اور کتابوں کے ساتھ قادیان لے گئے ہوں گے اور پھر وہاں سے لاہور اور لاہور سے ربوہ۔ اور اسی خیال کے پیش نظر ان کی وفات کے بعد میں نے کوشش کی کہ اس مسودہ کا پتہ چل جائے۔ حضرت حافظ صاحب دوران قیام ربوہ دعوت الی اللہ کے سلسلے میں خلافت لائبریری سے مطلوبہ کتابیں منگواتے رہتے تھے۔ اس لئے میں نے مکرم و محترم جناب مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری انچارج "خلافت لائبریری" سے دوران ملاقات دریافت کیا کہ حضرت حافظ صاحب کی وفات کے بعد ان کی کتابیں خلافت لائبریری میں تو جمع نہیں کردی گئیں اور اگر جمع کرائی گئیں تو کیا ان میں حضرت حافظ صاحب کے مسودات اور خصوصاً" واسوخت کا مسودہ تو شامل نہیں تھا؟ انہوں نے فرمایا حضرت حافظ صاحب کے پاس سے وہی کتابیں لائبریری کو واپس ہوئیں اور جو انہوں نے برائے مطالعہ

منگوائی تھیں۔ اس کے علاوہ دیگر کتب یا حضرت حافظ صاحب کی دیگر تحریرات یا مسودات لائبریری میں جمع نہیں کرائے گئے۔ ان کی ذاتی کتب اور مسودات کے سلسلہ میں آپ سید عبدالباسط کی بیوہ سے دریافت کریں۔ ان کے بتائے ہوئے پتہ پر جب میں سید عبدالباسط مرحوم کی بیوہ کے گھر پہنچا اور اپنا مدعا ظاہر کیا تو انہوں نے بھی اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر ان کاغذات کے متعلق کچھ علم ہوگا تو میرے بیٹے کو ہوگا جو جہلم میں رہتے ہیں۔ ان کے بتائے ہوئے پتہ پر کئی خطوط روانہ کئے لیکن ایک کا بھی جواب موصول نہ ہوا۔ بہر حال کوشش جاری ہے۔ اگر وہ مسودہ میری زندگی میں دستیاب ہوگیا تو انشاء اللہ اسے بھی شائع کردوں گا

یہ واسوخت عرصہ تک ماہنامہ "مرقع" شاہجہانپور میں قسط وار چھپتا رہا جس کے کچھ اوراق میرے پاس محفوظ ہیں۔ اور مسودہ کے کچھ کاغذات حضرت حافظ صاحب کے دست مبارک سے لکھے ہوئے بھی میرے پاس موجود ہیں۔ اس واسوخت کے ابتدائی چند بند میرے حافظہ میں محفوظ تھے جو میں نے پیش لفظ میں شامل کردئے ہیں۔

جس زمانے میں کانگریس اور مسلم لیگ کا تنازعہ شدت اختیار کر چکا تھا، حضرت حافظ صاحب نے ایک طویل نظم لکھی تھی جو میرے پاس محفوظ نہیں لیکن چند شعر یاد رہ گئے ہیں یہاں درج کئے دیتا ہوں۔

کہاں تک گرد باد ظلم و جور اٹھیں گے رہ رہ کر
مکدر ہی رہے گا مطلع ہندوستاں کب تک
حساب دوستاں در دل تو ہم مدت سے سنتے ہیں
مگر کچھ حد بھی ہے، در دل حساب دوستاں کب تک
کوئی یہ پوچھ لیتا کاش گاندھی جی و نہرو سے
کہ ہمدردان ہندوستاں یہ لطف بیکراں کب تک

حضرت حافظ صاحب نے میرے استاد سید صادق علی صاحب کے بیٹے کی جوانا مرگی اور المناک موت پر، سید صاحب کی ملتجیانہ درخواست پر جو نوحہ قلمبند فرمایا تھا وہ بھی میں نے حصہ منظومات میں شامل کردیا ہے تاکہ محفوظ ہوجائے۔ اس نوحہ پر جو حضرت حافظ صاحب نے اپنی علالت کے دوران تحریر کیا تھا اور جس میں اپنی طبیعت کے خلاف سید صاحب کی فرمائشوں کے مطابق کچھ اشعار داخل کردئے گئے تھے، حضرت حافظ صاحب کی ہدایت پر ان کے ایک شاگرد جناب کوکب شاہجہانپوری نے جو تبصرہ کیا اور ان تنقیدی نکات پر جو جناب کوکب نے اس نوحہ کے اشعار پر پیش کئے تھے حضرت حافظ صاحب نے ہر اک نکتہ کا جو مدلل اور مفصل جواب دیا وہ ایک ادبی و تنقیدی دستاویز ہے جسے میں انشاء اللہ کتابی صورت میں شائع کرنے کی کوشش کروں گا۔

حضرت حافظ صاحب نے اپنے ماموں زاد بھائی خان بہادر آصف زماں کی وفات پر بھی ایک دردناک نوحہ تحریر کیا تھا جو عرصہ تک میرے پاس محفوظ رہا اور جس کو پڑھ کر اکثر میری آنکھیں اشکبار ہوئیں، اب نہیں ملتا۔ خدا جانے کہاں گم ہوگیا اس کے چند اشعار حضرت حافظ صاحب کے دست مبارک سے لکھے ہوئے میرے پاس موجود ہیں جو یہاں درج کئے دیتا ہوں۔

وجہ راحت تھا جو کل تک درمیان اہل درد
ڈھونڈتی پھرتی ہے اب اس کو فغان اہل درد
بس قرین بام مقصد تھے کہ ٹوٹی ہے کمند
وائے بر ناکامیء آشفتگان اہل درد
تا ثمر پہنچی کہ شاخ آرزو مرجھا گئی
ایسی کچھ پلٹی ہوائے بوستان اہل درد
میرے سورج! تیرے چھپتے ہی اندھیرا چھا گیا
ہوگیا تاریک نظروں میں جہان اہل درد

شاعری میں میرے استاد بھائی جناب جمیل احمد کوکب شاہجہانپوری نے حضرت حافظ صاحب کی کچھ غزلیں ایک کاپی میں جمع کی تھیں جو عرصہ تک میرے پاس رہیں لیکن اب باوجود تلاش بسیار دستیاب نہ ہوسکیں۔ چند غزلیات جو میں نے لکھ رکھی تھیں شامل کردی ہیں۔ جہاں تک نثر کا تعلق ہے تو حضرت حافظ صاحب نے بہت سی کتابیں تصنیف و تالیف کیں اور لاتعداد مضامین لکھے ان کے بعض مکتوبات جو انہوں نے دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں تحریر کئے خود کتابی صورت اختیار کر گئے۔ بعض مسودات مولف کتاب ہذا کے پاس اب تک محفوظ ہیں۔ نام و نمود کی خواہش سے نفور ہونے کے باعث بھی کسی کتاب پر بھی آپ کا نام بطور مصنف یا مولف درج نہیں کیا گیا۔ لیکن بعض کتابوں میں درج شدہ دلائل اور طرز استدلال سے اس بات کی غمازی ہوتی ہے کہ ؎

کوئی معشوق ہے اس پردہء زنگاری میں

عمر کے آخری دور میں معترض کے اس اعتراض پر کہ "کہ تا" کا استعمال قادیانی شاعری کا شاہکار ہے، آپ نے طویل مضمون میں اس معترض کے اس پورے اعتراض کی دھجیاں بکھیر دیں اور فارسی اور اردو زبان کے نامور اور مستند شعراء کے کلام سے یہ ثابت کیا کہ ان سب شعرائے نامدار نے "کہ تا" کا استعمال کر کے یہ ثابت کردیا کہ یہ اشعار نہ تو قادیانی شاعری سے مختص ہیں اور نہ خلاف فصاحت و بلاغت۔ اس مضمون سے جو ماہنامہ الفرقان ربوہ کی تین اشاعتوں میں قسط وار شائع ہوا حضرت حافظ صاحب کے طرز استدلال کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ہم نے اس مضمون کی تینوں اقساط اس کتاب کے نثری حصہ میں محفوظ کردی

ہیں۔ علاوہ ازیں وہ شاہکار کانووکیشن ایڈریس بھی شامل کتاب کردیا ہے جو حضرت حافظ صاحب نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں بستر علالت پر لیٹے ہوئے تحریر کرایا اور جسے حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؒ نے کانووکیشن کے اجلاس میں پڑھا اور جس کے متعلق حضرت محمد احمد صاحب مظہرؔ نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:۔

"خدا بھلا کرے تعلیم الاسلام کالج کے منتظمین کا کہ سال ۱۹۶۴ء میں کانووکیشن کے خطبہء صدارت کے لئے ان کی نظر انتخاب حافظ صاحب پر پڑی۔ حافظ صاحب اپنی عمر کے آخری سالوں میں بہت بیمار اور نحیف ہوگئے تھے ایسی حالت میں آپ نے خطبہء صدارت لکھوایا جو مولانا جلال الدین شمسؒ نے کانووکیشن کے اجلاس میں پڑھا۔ یہ خطبہء صدارت اردو ادب کا ایک شاہکار، سوز و گداز کا ایک مرقع اور طلبہ کی آئندہ زندگی کے لئے مشعل راہ ہے۔ کانووکیشن میں ایسے خطبے بڑے کمیاب ہیں۔ یہ خطبہ اس قابل ہے کہ طلبہ اسے بار بار پڑھیں۔ خطبہ سے ظاہر ہے کہ یہ فقیر گوشہ نشین تعلیمی اداروں اور طلبہ کی ضروریات سے ایسا باخبر ہے، گویا کسی یونیورسٹی کا اعلیٰ رکن ہے۔

ہمارا نرم رو قاصد پیام زندگی لایا
خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے

اور اب آخر میں بطور خاص اپنے محبت پرور بھائی سید محمد الیاس ناصر دہلوی صاحب کا تہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کے مسلسل تقاضوں یاد دہانیوں اور مالی تعاون کے نتیجہ میں اس کتاب کی اشاعت ممکن ہوسکی۔

میں عزیز مکرم خالد حمیدی صاحب کا جنھوں نے نہ صرف کتاب کے نثری حصہ کی کمپوزنگ ہی کی بلکہ پروف ریڈنگ میں بھی میرا ہاتھ بٹایا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگر وہ شب و روز اس سلسلہ میں تعاون نہ کرتے تو نہ معلوم کتاب کے شائع ہونے میں کتنا وقت لگ

جاتا۔ اسی طرح برادر مکرم جناب خالد محمود اعوان صاحب بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں جن کی کتابت آپ اس کتاب کے منظوماتی حصہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

ان کے علاوہ بھی جن احباب نے کسی نہ کسی رنگ میں کتاب کی تیاری اور طباعت میں تعاون کیا ان کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور فلاح دارین عطا فرمائے۔

ابو العارف سید سلیم شاہجہان پوری
کراچی۔ ۲۸ر اگست ۱۹۹۷ء

پیش لفظ

حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہان پوری غفرلہ و نور اللہ مرقدہ جن کے سانحہ ارتحال پر ہزاروں دل سوگوار اور سینکڑوں آنکھیں اشکبار ہوئیں، حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے اخص رفقاء کی صف اولیں میں ایک منفرد اور ممتاز مقام پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت مسیح موعود کے زیر سایہ بعد ازاں حضور کے خلفاء کے زمانہ میں ایک لمبے عرصہ تک دین حق کی بیش از بیش اور گرانقدر خدمات بجالانے کی توفیق فرمائی

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت اقدس مرزا غلام احمد کو مناسب جلیلہ سے سرفراز فرمایا تو آپ کو اس میدان میں اکیلا نہیں چھوڑا بلکہ فدائیان دین حق اور سرفروشان احمدیت کی ایک فوج ظفر موج بھی عطا فرمائی۔ ان انصار اللہ کی صف میں ہمیں حضرت حاجی الحرمین الشریفین مولانا نور الدین صف اول میں بھی اول نمبر پر استادہ نظر آتے ہیں پھر فصیح اللسان حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی، حضرت حافظ روشن علی صاحب، حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب، فاتح امریکہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب، مترجم قرآن (انگریزی)، حضرت مولانا شیر علی صاحب، شیخ الحدیث حضرت میر محمد اسحاق صاحب، فخر صحافت حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی، حضرت نواب محمد علی خان صاحب، حضرت فتح محمد صاحب سیال، حضرت حافظ سید علی میاں صاحب، حضرت حافظ سید مختار احمد میاں صاحب جیسے سینکڑوں درخشندہ ستارے نظر آتے ہیں۔ جن کی تابانی قصر احمدیت کو تا قیام قیامت روشن و منور رکھے گی۔ (اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔)

حضرت حافظ صاحب کے خاندانی حالات

حضرت حافظ صاحب خانوادہ ء سادات شاہجہاں پور کے ایک ممتاز گھرانے میں غالباً

۱۸۵۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا سید ضیاء الدین احمد میاں ایک جید عالم اور سجادہ نشین بزرگ تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت حافظ سید علی میاں بھی ایک یگانہ ء روزگار اور نادر الوجود ہستی تھے۔ ان جیسی شخصیتیں سال و ماہ کی سینکڑوں گردشوں کے بعد منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہیں جن کے محیر العقول کارناموں کو سن کر انسان ورطہ ء حیرت میں غرق ہو جاتا ہے قسام ازل نے آپ کو بلا کا ذہن و حافظہ ودیعت فرمایا تھا۔ آپ کے تبحر علمی کا کچھ اندازہ وہی لوگ کر سکتے تھے جن کو کسی نہ کسی رنگ میں آپ سے قریب ہونے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔

آپ کے قلم سے بیسیوں علمی تصانیف وجود میں آئیں۔ عربی، فارسی اور اردو نثر و نظم پر آپ کو یکساں قدرت حاصل تھی۔ ہر چیز قلم برداشتہ تحریر فرماتے تھے۔ ان کا قلم معجز رقم فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتا چلا جاتا تھا۔ وہ قرآنی معارف کو اپنے انوکھے انداز بیان میں اس طرح تحریر فرماتے تھے کہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہو کر سامنے آجاتی تھی اور کسی قسم کا ابہام یا الجھاؤ آپ کی تحریر میں دور تک نظر نہ آتا تھا۔ میرے ترک سکونت شاہجہاں پور تک یعنی ۱۹۳۹ء تک یہ نایاب ذخیرہ حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب کی ذاتی لائبریری کی ایک الماری کی زینت بنا رہا۔ اس کے بعد کا مجھے علم نہیں۔ سارا کتب خانہ ہی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور کوئی یہ بتانے والا ہی نہ رہا کہ اس انمول ذخیرہ کا کیا حشر ہوا۔ یہ المناک داستان جتنی حضرت استاد المحترم کی زندگی کے آخری دور میں ان کے لئے دکھ اور اذیت کا سبب بنی رہی اسی قدر اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد راقم الحروف کے لئے بھی ایک اندوہناک سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے۔

راقم الحروف نے خود اپنی آنکھوں سے حضرت حافظ سید علی میاں کو تصنیف کے کام میں مصروف دیکھا ہے۔ آپ بادامی کاغذوں کے (جو ان دنوں عام طور سے استعمال ہوتا تھا)

چوڑے چکلے صفحات پر سیاہ روشنائی سے قلم برداشتہ لکھنے کے عادی تھے۔ قلم سینٹھے کا ہوتا تھا جس کو بوقت ضرورت چاقو دستیاب نہ ہونے کی صورت میں دانتوں سے چھیل کر کار آمد بنا لیتے تھے۔ آپ کا خط نہایت صاف اور پاکیزہ ہوتا تھا۔ کسی لفظ یا فقرہ کو تحریر کرنے کے بعد قلمزن کرنے کی نوبت شاذ ہی آتی تھی ورنہ پاکیزہ خیالات اور علمی معارف کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر آپ کے قلب صافی و دماغ عالی میں موج زن رہتا تھا جو اپنی مضطرب امواج کی طرح آپ کے قلم کو بھی ہمیشہ متحرک رکھنے کا ضامن تھا۔

سادگی، منکسر المزاجی اور وقار عمل

حضرت حافظ سید علی میاں میں سادگی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ سادہ خوراک، سادہ لباس، یہاں تک کہ نشست و برخاست میں بھی ہر موقعہ پر سادگی کا پہلو نمایاں رہتا تھا۔ آپ کی سادگی کے پیش نظر آپ کے مخاطب کے تصور میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ اس سادہ شخصیت کے اندر ایک تبحر عالم اور ایک عظیم المرتبت ہستی پوشیدہ ہے۔ اپنے رہائشی مکان کی ساخت میں ہر سال کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور فرماتے۔ مکان کی خام دیواریں ایک مزدور کی مدد سے خود اٹھاتے، اس پر اپنے دست مبارک سے بانس اور سینٹھوں کی چھت ڈالتے، بعد ازاں خس و خاشاک سے بنی ہوئی اس چھت پر کھپریل ڈالتے، راقم الحروف کو اکثر اس کام میں حضرت حافظ صاحب کے دوش بدوش کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

آپ کو باغبانی سے بھی لگاؤ تھا اور آپ کے مکان کا وسیع و عریض صحن آپ کی فنی مہارت اور نفاست طبع کے طفیل ایک چھوٹے سے آراستہ و پیراستہ چمن کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ آپ اس چمن کے پودوں اور درختوں کی آبیاری ایک چرخی کی مدد سے خود فرماتے اور اس کام کو اتنے انہماک سے انجام دیتے کہ دیکھنے والوں کو بھی اس فن کا شوق پیدا ہو جاتا آپ

کو اس چمن بندی اور باغبانی سے کوئی ذاتی منفعت ہرگز مقصود نہ تھی بلکہ اکثر و بیشتر دوسروں کو آپ کے باغ کے پھلوں اور دیگر جڑی بوٹیوں سے فائدہ پہنچتا رہتا تھا۔ لوگ دور دور سے کاسنی اور مکوہ کی پتیاں حاصل کرنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ بخندہ پیشانی ان کی مطلوبہ اشیاء اپنے دست مبارک سے توڑ کر ان کے حوالہ کردیا کرتے۔ اس وقت طب یونانی کا زور تھا اور کئی مستند اور حاذق طبیب شاہجہاں پور میں موجود تھے۔ مکوہ اور کاسنی، یونانی دواؤں کے سلسلہ میں خاص اہمیت رکھتی تھیں جو حضرت حافظ صاحب کے باغیچہ میں کثرت سے موجود ہوتی تھی اور مخلوق خدا کو ان سے فائدہ پہنچتا رہتا تھا۔

ابتدائی تعلیم اور شادی

حضرت حافظ سید علی میاں کی ابتدائی تعلیم، شادی اور دیگر خاندانی حالات کے متعلق چند دیدہ اور بعض شنیدہ واقعات میرے استاد بھائی اخویم المحترم جناب حافظ عبدالجمیل صاحب سابق آنریری منصف و رئیس شاہجہاں پور کے انٹرویوز (جو شامل کتاب ہذا ہیں) بیان کردیئے گئے ہیں۔ اس لئے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

حیات حضرت مختار شاہجہاں پوری

استاذی المحترم حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہاں پوری مرحوم و مغفور اپنے زمانہ کی ایک نابغہ ء روزگار ہستی تھے۔ ایک ایسی ممتاز و منفرد شخصیت جو لیل و نہار کی لاتعداد گردشوں کے بعد عالمِ آب و گل میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ کیا بلحاظ خاندانی و ذاتی وجاہت اور کیا بلحاظ تبحر علمی آپ اپنے عہد کی نابغہ ء روزگار شخصیتوں کی صف اول میں بھی ایک منفرد مقام پر فائز نظر آتے ہیں۔ آپ کا ادبی و شعری مرتبہ بہت بلند اور قابل رشک تھا۔ فن تنقید میں آپکے ثانی برصغیر پاک و ہند میں خال خال نظر آتے ہیں۔ آپ کے ہم عصر بلند پایہ شعراء نے بھی آپ کی فنی صلاحیتوں کو دل کھول کر داد دی ہے۔ معاشرتی و تمدنی لحاظ سے آپ معاشرہ میں اپنا ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ سیاسی لحاظ سے آپ عملی سیاست میں براہ راست حصہ نہیں لیتے تھے لیکن آپ کے زمانہ کے بلدیاتی انتخابات میں آپ کا مشورہ اہم اور فیصلہ کن ہوتا تھا۔ قابل رشک حافظہ کے مالک ذہین و طباع، زیرک و دانا، دور اندیش، صائب الرائے اور زبردست قوت فیصلہ کے مالک تھے۔ آپ کی ذہانت و ذکاوت کا گھر گھر چرچا تھا اور سارے شاہ جہاں پور میں آپ کی خداداد صلاحیتوں کو خراج تحسین پیش کیا جاتا تھا۔ دوست و دشمن سب آپ کی محیرالعقول صلاحیتوں کا لوہا مانتے تھے اور دل سے مداح تھے۔ قدرت نے آپ کے حواس خمسہ کو بڑی طاقت بخشی تھی جس کا مظاہرہ اکثر میدان عمل میں ہوتا رہتا تھا۔ آپ کا دائرہ احباب اتنا وسیع تھا کہ باوجود سعی بسیار ان تمام اصحاب کی فہرست تیار کرنا بھی ایک امر محال ہے، جو آپ کی حیات میں کسی نہ کسی رنگ میں آپ کے قریب آئے اور آپ کی پاکیزہ صحبتوں سے استفادہ کرسکے۔ آپ نے اوائل عمر ہی سے گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی۔ لیکن اپنی دینی مہمات کے سلسلہ میں آپ برصغیر ہندوپاک کے اکثر شہروں کا سفر کرتے رہتے تھے۔

استاد محترم جیسی عظیم المرتبت شخصیت کے حالات زندگی کا احاطہ تحریر میں لانا اور آپ کے کمالات علمیہ و ادبیہ کو قلمبند کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ لیکن شاید قسام ازل نے اس مہتم بالشان فریضہ کی تکمیل کا جو اس ہیمداں شاگرد کے ناتواں کندھوں پر رکھنا مقدر کر رکھا تھا۔ لہٰذا آج اس ادبی کوہ ہمالہ کی بلند ترین چوٹی ایوریسٹ کو سر کرنے کے لئے کوہ پیمائی کے پہلے مرحلے میں داخل ہوتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ جس اہم اور دشوار کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے قلم ہاتھ میں لیا ہے مالک لوح و قلم اس کو باحسن وجوہ پورا کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے اور زبان قلم سے کوئی ایسا فقرہ معرض تحریر میں نہ آئے، حقائق کی دنیا میں جس کو چیلنج کیا جاسکے۔ وباللہ التوفیق

استاذی المحترم کے حالات زندگی زیب تحریر کرنے سے پہلے یہ امر نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ جس شہر کو آپ کے مولد و مسکن بننے کا شرف حاصل ہوا، جس کی فضاؤں میں آپ نے پرورش پائی، جس کے ماحول میں آپ نے تعلیم و تربیت کے مراحل طے کئے۔ جوان ہو کر اپنے کمالات کا مظاہرہ کیا اور اپنی خداداد ذہانت کا لوہا منوایا، اس کے تاریخی پس منظر کو بھی سامنے لایا جائے اور شاہجہاں پور کی جغرافیائی حدود بھی ضبط تحریر میں لائی جائیں۔

اس سلسلہ میں صبیح الدین میاں کی تاریخ شاہجہاں پور ہی ایک ایسی دستاویز تھی جس سے استفادہ کیا جاسکتا تھا لیکن باوجود کاوش بسیار راقم الحروف کو یہ کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔ لہٰذا اس کمی کو دوسرے ذرائع سے پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

شاہجہاں پور کا محل وقوع

انگریز نے اپنے سوسالہ دور حکومت میں ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) کو اپنی سیاسی اور انتظامی مصلحتوں کی بنا پر جن صوبائی اکائیوں میں تقسیم کیا تھا ان میں صوبہ یوپی کو ایک خاص

اہمیت حاصل تھی۔ یہ صوبہ یونائیٹڈ پراونسز اس لئے کہلاتا تھا کہ اس میں آگرہ اور اودھ کی کمشنریاں شامل تھیں اور اس طرح یہ رقبے کے لحاظ سے بھی کافی وسعت رکھتا تھا اور دریائے گنگا و جمنا کے درمیان دو آبہ کی حیثیت سے بھی اس کو اپنی برتری اور شادابی پر بجا طور سے ناز تھا۔ یہ علاقہ زیادہ تر بارانی تھا اور مانسونی ہوائیں وقت پر بارش کا نظام قائم کر دیتی تھیں۔ ۱۵؍ جون سے بارشوں کا آغاز ہو جاتا تھا اور تپتے ہوئے میدان تھوڑے ہی عرصہ میں لہلہاتی ہوئی کھیتیوں میں تبدیل ہو جاتے تھے۔ بارشوں کے نتیجے میں ہر طرف ہریالی ہی ہریالی نظر آتی تھی اور یہ سلسلہ دوسرے سال کی بارشوں تک قائم رہتا تھا۔ ہر جگہ سبزے کا فرش بچھا نظر آتا تھا۔ مرزا غالب نے شاید سبزے کی اسی فراوانی سے متاثر ہو کر یہ شعر لکھا ہوگا جو ایک حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ فرماتے ہیں:

سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا روئے آب پر کائی

اور یہ حقیقت ہے کہ سارے شہر شاہجہاں پور میں جو متعدد تالاب تھے راقم الحروف نے اکثر تالابوں کے اوپر اس سبز کائی کا مشاہدہ کیا ہے۔

اسی مشہور زمانہ صوبے کے دو مشہور شہروں دہلی اور لکھنؤ کے درمیان ہمارا شہر شاہجہاں پور واقع ہے جو صوبہ اترپردیش (یوپی) کی راجدھانی لکھنؤ سے قریباً ایک سو میل مشرق کی جانب واقع ہے۔ دلّی جو عرصہ دراز تک مسلمان بادشاہوں اور خصوصاً "مغلیہ سلطنت کا دارالحکومت رہ چکا ہے۔ شاہجہاں پور سے قریباً دو سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ شہر بریلی جو مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی نسبت سے سارے عالم اسلام میں متعارف ہے، شاہجہاں پور سے صرف ۳۴ میل پر واقع ہے۔ اسی طرح علیگڑھ یونیورسٹی بھی جو آج بھی بھارت میں مسلمانوں کی واحد یونیورسٹی ہے ہمارے شہر سے صرف میل پر واقع ہے۔

بزرگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ شہر ابتدا میں جنگلات سے گھرا ہوا تھا اور ہندو جاٹ یہاں آباد تھے۔ مغل شہنشاہ شاہجہاں کے عہد حکومت میں دو سپہ سالار بھائیوں بہادر خان اور دلیر خان نے جنگلات کو صاف کرا کے یہ شہر وسیع رقبے پر از سر نو آباد کیا اور شہر میں باون محلے پٹھان قبیلوں کے نام پر آباد کئے، جو آج تک اپنے اصلی ناموں کے ساتھ قائم ہیں۔ مثلاً سن زئی، باروزئی، بارکزئی، علی زئی، قدن خیل، ملا خیل، تاجو خیل، جلال نگر، خلیل غربی وغیرہ وغیرہ

خود ان دونوں بھائیوں کے نام پر دو محلے آباد ہوئے جن کے نام بہادر گنج اور دلیر گنج ہیں۔ ان دونوں بھائیوں کے عظیم الشان مقبرے بھی ان دونوں محلوں میں واقع ہیں اور مرور زمانہ کی چیرہ دستیوں کا ان تعمیرات کی پختگی پر بہت کم اثر پڑا ہے۔ وسط شہر میں ہندو بھی تھے جن میں کنیا ٹولہ کا محلّہ اور سبزی منڈی اب تک مشہور ہیں۔

شہر شاہجہاں پور ایک دوآبہ کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس کے مشرق کی طرف دریائے کھنوت واقع ہے جو پیلی بھیت کی ایک جھیل سے نکلا ہے اور جنوب کی طرف دریائے گرا واقع ہے۔ اپنے محل وقوع کی وجہ سے یہ شہر بہت زرخیز اور باغوں کا گہوارہ ہے، جس میں انواع واقسام کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ وسط شہر میں عثمان باغ بیسیوں ایکڑ زمین کے وسیع رقبے پر پھیلا ہوا ہے جس کی چار دیواری آج تک محفوظ ہے۔ اسی طرح عید گاہ میں باغ عبدالرافع خان بدستور قائم نظر آتا ہے۔ موسم گرما میں دریاؤں کے کنارے خربوزے اور تربوز کی فالیزوں سے ہرے بھرے نظر آتے ہیں اور بارش کے ایام میں باغات کے تمام درخت تخمی اور قلمی آموں سے لدے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اب سے قریباً چالیس سال پہلے تک شاہجہاں پور سے خربوزہ، تربوز آم اور جامن پنجاب کو برآمد کئے جاتے تھے۔ لیچی، کھرنی، شریفہ، بڑھل، کیتھ، فالسہ اور کروندہ کثرت سے پیدا ہوتے تھے اور بازاروں میں ان کی

بہتات تھی۔ کٹھل جو سندھ کے کسی گوشے میں نظر نہیں آتا۔ شاہجہاں پور میں کثرت سے پیدا ہوتا تھا، جو ترکاری کے طور سے بھی کام میں لایا جاتا تھا اور پختہ ہو جانے کے بعد اس کے "کوئے" بڑے شیریں اور لذیذ ہوتے تھے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے یہ شہر پٹھانوں نے آباد کیا تھا اور آبادی میں انھیں کی اکثریت تھی۔ ہندو تعداد میں بہت تھوڑے تھے۔ پھر پٹھانوں نے سادات کے کسی بزرگ کو یہاں آباد ہونے کی پیشکش کی اور رفتہ رفتہ اہل سادات کے گھرانے مختلف محلوں میں آباد ہوتے چلے گئے۔ سادات کے اکثر گھرانے اہل سنت تھے اور پٹھان لوگ ان کا بڑا احترام کرتے تھے اور ان کی دلداری کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے۔ بلکہ یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ اس زمانے کے پٹھان "سید پرست" تھے اور سادات کے احترام کو موجب نجات اخروی یقین کرتے تھے۔ شاہجہاں پور کے موجودہ پٹھانوں کے آباؤ اجداد افغانستان سے یہاں آکر آباد ہوئے تھے جو اپنی روایات اور لباس اور بول چال میں اپنے علاقے کی نمائندگی کرتے تھے۔ لیکن مرور زمانہ اور آب و ہوا کی تبدیلی نے رفتہ رفتہ ان کو ایک خاص مزاج اور نئی روایات کا حامل بنادیا۔ ان کے لباس کی تراش خراش میں بھی فرق آگیا اور بول چال میں بھی۔ یہاں تک کہ یوپی کا پٹھان افغانستان کے پٹھانوں سے بالکل مختلف نظر آنے لگا اور اس طرح ان کا اپنے آباؤ اجداد سے کوئی ثقافتی رشتہ باقی نہیں رہا۔

راقم الحروف نے اسی شہر شاہجہاں پور میں ۱۶ر اپریل ۱۹۱۱ء کو ایک سادات گھرانے میں جنم لیا لیکن یہ گھرانہ شاہجہاں پور کے سادات سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا بلکہ یوپی کے ایک مشہور قصبہ گلاوٹھی، ضلع بلند شہر کے سادات کی ایک شاخ تھا، جو بہ سلسلہ ملازمت شاہجہاں پور پہنچا اور بالآخر یہیں آباد ہو گیا۔ میں اس کو اپنی خوش بختی تصور کرتا ہوں کہ ابتدائے عمر سے ہی استاذی المحترم حضرت حافظ صاحب کی تربیت نصیب ہوگئی اور ان کو بہت قریب سے دیکھنے

اور ان کی ہمہ وقتی علمی و ادبی مجلسوں سے براہ راست استفادے کے بہت مواقع فراہم ہوتے چلے گئے۔ انھیں کے فیض صحبت کا نتیجہ ہے کہ ان کے حالات زندگی تحریر کرنے کے سلسلے میں واقعات کی فوج ظفر موج میرے سامنے دست بستہ استادہ نظر آتی ہے۔ صرف ان واقعات کو ترتیب دینے اور خوش اسلوبی سے بیان کردینے ہی کا فریضہ انجام دینا ہے۔

اُس زمانہ کی نمایاں پٹھان شخصیتوں میں خان بہادر منسوب حسن خان کا نام نامی و اسم گرامی سر فہرست نظر آتا ہے جن سے حضرت حافظ صاحب کے دیرینہ و مخلصانہ تعلقات تھے۔ ان کے علاوہ حاجی محمد سعید خان صاحب جن سے حضرت حافظ صاحب کے والد ماجد کے برادرانہ تعلقات تھے۔ شفیع اللہ خاں صاحب عرف چھپا خان صاحب، عجائب علی خاں صاحب، فضل الرحمٰن خان صاحب عرف چھوٹے خان صاحب، عبدالرافع خان صاحب۔

پٹھانوں کے یہ خاندان معاشی لحاظ سے مرفع الحال، بڑی بڑی جاگیروں اور باغات پر قابض تھے اور رئیسانہ بلکہ بعض تو شاہانہ طرز زندگی کے مالک تھے۔ تمدنی لحاظ سے بڑے مہذب اور خوش لباس و خوش خوراک تھے۔ فطری طور سے مخیر اور غرباپروری کی صفت سے آراستہ تھے۔ ذاتی و خاندانی وجاہت کے مالک ایک پروقار زندگی کے حامل تھے۔ یہ سب پٹھان گھرانے حضرت حافظ صاحب کے خاندان کو بڑی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کی دل سے عزت کرتے تھے۔ شاہجہاں پور کے پٹھان اور سادات دونوں ہی تجارت اور ملازمت کے پیشوں کو اپنی کسرشان سمجھتے تھے۔ اس لئے سرکاری ملازمتوں اور تجارت میں زیادہ تر ہندو یا دیگر مسلمان نظر آتے تھے۔

خاندانی حالات

حضرت حافظ صاحب کے مورث اعلیٰ ایک نہایت عابد و زاہد بزرگ تھے جنھیں پٹھانوں کا

ایک نوابی خاندان شاہجہاں پور میں سکونت پذیر ہونے کی دعوت دے کر اپنے ہمراہ لایا اور رہائش کی سہولت کے ساتھ ہی ساتھ نذرانہ کے طور پر کچھ باغات اور اراضیات بھی پیش کیں جو حضرت حافظ صاحب کے خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہیں اور شاہجہاں پور کے قریب بعض دیہات میں بھی آپ کے خاندان کی زمینیں تھیں۔

حضرت حافظ صاحب کے نامور والد ماجد حضرت سید علی میاں

حضرت حافظ صاحب کے دادا سید ضیاء الدین احمد ضیاء کے گھر وہ نابغہ ء روزگار بچہ پیدا ہوا جس نے اپنی ذہانت و فطانت کے بل پر صغر سنی ہی میں اپنے کمالات کا لوہا اپنے زمانے کے جید علماء سے منوالیا اور اپنے ہم عصروں کو درویشی میں شاہی کرنے کا گر سکھایا گیا۔ میری مراد حضرت سید علی میاں سے ہے جو بذات خود اپنے زمانہ کی نادرالوجود ہستی تھے۔ اُن جیسی شخصیتیں ماہ و سال کی سینکڑوں گردشوں کے بعد منصہ ء شہود پر جلوہ گر ہوتی ہیں۔ جن کے محیرا لعقول کارناموں کو سن کر انسان ورطہ ء حیرت میں غرق ہو جاتا ہے۔ قسام ازل نے آپ کو بلا کا ذہن اور حافظہ ودیعت فرمایا تھا۔ آپ کے تبحر علمی کا کچھ کچھ اندازہ وہی لوگ کرسکتے تھے جن کو کسی نہ کسی رنگ میں آپ سے واسطہ پڑتا تھا۔ آپ کے قلم سے بیسیوں نادر علمی تصانیف وجود میں آئیں۔ عربی فارسی اور اردو نثر و نظم قلم برداشتہ تحریر فرماتے تھے۔ ان کا قلم معجز رقم فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتا چلا جاتا تھا۔ وہ قرآنی معارف کو اپنے انوکھے انداز میں اس طرح تحریر فرماتے تھے کہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہو کر سامنے آجاتی تھی اور کسی قسم کا ابہام آپ کی تحریر میں دور دور تک نظر نہیں آتا تھا۔ راقم الحروف کے شاہجہاں پور سے ترک سکونت کرنے یعنی ۱۹۳۹ء تک یہ نایاب ذخیرہ حضرت استاذی المحترم کے ذاتی کتب خانے کی زینت بنا رہا۔

تعارف

(از حافظ عبدالجمیل صاحب تلمیذ خاص حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب)

سوانح حیات

حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری

حافظ سید مختار احمد صاحب میرے استاد تھے اور میں نے اُن کے پاس تقریباً بائیس سال تربیت حاصل کی۔ وہ میرے بڑے شفیق استاد تھے۔ میرا زیادہ تر وقت انہیں کے پاس گزرا ہے میں نے دیکھا کہ انہیں دعوت الی اللہ کے سوا کسی دوسرے کام سے دلچسپی نہ تھی۔ صبح سے شام تک جو شخص بھی طالب حق بن کر ان کے پاس آتا، اس کے ساتھ مصروف گفتگو ہوجاتے اور جو اعتراض وہ کرتا اس کا جواب تسلی بخش دیتے اور جب تک کوئی جواب باقی رہتا طالب حق کو جانے نہ دیتے۔ اُن کی کوشش سے شاہ جہاں پور میں بہت سے لوگ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ ایک واقعہ یہاں بیان کرتا ہوں۔

شاہ جہانپور میں ایک بہت معزز اور رئیس کو جب سلسلہ کی خبر پہنچی تو انھوں نے بغرض استفسار حافظ صاحب سے ملاقات کی اور سلسلہ کے حالات معلوم کرنا چاہے۔ یہ ملاقات مختصر تھی اسکے بعد خان صاحب نے فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے مولوی صاحبان کے ساتھ مباحثہ کرلیں اور ایک تاریخ مقرر کرلیں۔ حافظ صاحب نے بخوشی منظور کرلیا۔ اُس زمانہ میں غالباً مولوی غلام احمد بدوملہی بھی جو مربی سلسلہ تھے۔ پیشتر سے شاہ جہاں پور میں موجود تھے اور دوسرے حضرت حافظ صاحب۔

غیر احمدی حضرات کی طرف سے شاہ جہانپور کے جید علماء کے علاوہ مولانا بدر عالم میرٹھی کو بھی بلوایا گیا تھا جو دیوبندیوں کے مشہور مناظر مانے جاتے تھے۔

یہ مناظرہ حافظ صاحب کے مکان کے اندر منعقد ہوا ۔ اُس وقت چند سمجھدار اور سنجیدہ لوگ مناظرہ میں موجود تھے اُن میں حافظ صاحب کے پھوپھی زاد بھائی سید الطاف حسن میاں بھی شامل تھے ۔ سید صاحب اتنا علم تو نہیں رکھتے تھے لیکن بات کے پہلو کو سمجھنے کی خدا داد صلاحیت رکھتے تھے علاوہ ازیں ایک جری انسان تھے ۔ یہ مناظرہ بتراضی فریقین حکومت کی منظوری سے ہوا تھا اس لئے امن و امان قائم رکھنے کی خاطر پولیس بھی موجود تھی تا کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آئے ۔ دن کے گیارہ بجے یہ مناظرہ شروع ہوا ۔ فدا حسین خاں صاحب نے پیشتر ہی اس بات کا اعلان کردیا تھا کہ مرزا غلام احمد صاحب کی ذات اور کلام کے متعلق جو اعتراضات میں نے جمع کئے ہیں اُن کو سلسلہ وار بیان کروں گا اور اُن کا جواب لوں گا ۔ اگر وہ اعتراضات صحیح ثابت ہوگئے اور احمدی علماء اُن کا جواب دینے سے قاصر رہے تو میں یکلخت احمدیت کے خیال کو دل سے نکال دونگا اور اگر غیر احمدی علماء اُن کو صحیح ثابت کرنے میں ناکام رہے تو میں اِسی جگہ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے کا اعلان کردوں گا اور میری کل جائداد سلسلہ کے لئے وقف ہوگی ۔

خاں صاحب نے پہلا اعتراض پڑھ کر سنایا اور مطالبہ کیا کہ جس کتاب کا یہ حوالہ ہے اُسے اصل کتاب سے پڑھ کر سنایا جائے ۔ غیر احمدی مولوی صاحب کافی دیر تک کتاب کی ورق گردانی کرتے رہے اور پھر کتاب کو میز پر رکھدیا ۔

اس کے بعد خاں صاحب نے دوسرا اعتراض پیش کیا لیکن مخالف مولوی صاحب اِس مرتبہ بھی وہ حوالہ متعلقہ کتاب سے پیش نہ کرسکے اور ورق گردانی کے بعد کتاب میز پر رکھدی ۔ بعد ازاں خاں صاحب نے تیسرا اعتراض پیش کیا جس میں کہا گیا تھا کہ مرزا صاحب نے حضرت عیسی علیہ السلام کو غلیظ گالیاں دی ہیں اور اُن کی بڑی توہین کی ہے لیکن جس کتاب کا حوالہ د

گیا تھا وہ مولوی صاحبان کے پاس موجود نہیں تھی اس پر حافظ صاحب نے اپنے کتب خانہ سے وہ کتاب نکال کر مخالف مولوی صاحبان کو دیدی لیکن احمدی مولوی صاحبان نے خاں صاحب کو یہ بات کتاب کی عبارت پڑھ کر واضح کرا دی کہ اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ ہرگز ہرگز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نہیں بلکہ عیسائیوں کے اس فرضی یسوع کے بارے میں کہا گیا ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور جس کا یہ قول تھا کہ میرے بعد سب چور اور بٹ مار آئیں گے سچا نبی کوئی نہیں آئے گا ۔ اس کے بعد والا اعتراض محمدی بیگم والی پیش گوئی کے متعلق تھا ۔ اس کی حقیقت بھی خاں صاحب پر واضح کر دی گئی ۔ یہ اعتراض بھی باطل ثابت ہوا ۔ اس بحث مباحثہ میں مقررہ وقت اختتام کے قریب آپہنچا ۔ خاں صاحب کے برادر خورد علی حسین خان برقؔ بھی اس مجلس میں حاضر تھے مگر جب انھوں نے اپنے مولویوں کی ہزیمت کی کیفیت بچشم خود دیکھ لی تو اختتام وقت سے کچھ پہلے اجازت لے کر رخصت ہوگئے ۔ وہ یقیناً جان چکے تھے کہ نتیجہ کیا ہوگا ۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے بھائی نے جو اعلان کیا ہے وہ اس سے ہرگز نہ ہٹیں گے ۔ چنانچہ وقت پورا ہو جانے پر گفتگو ختم ہوگئی ۔ جتنے سامعین تھے اُن میں سب سے پہلے سید الطاف حسن میاں نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں ایک غیر مذہبی آدمی ہوں اور میں کچھ زیادہ علم بھی نہیں رکھتا مگر میں نے سارا وقت مناظرہ سنا اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مرزا صاحب پر جو اعتراضات کئے گئے تھے ۔ وہ سب غلط ثابت ہوئے اور ہمارے مولوی صاحبان سے اُن کا کوئی جواب بن نہ پڑا ۔

احمدی لوگ جیت گئے اور یہ لوگ ہار گئے ۔ یہ کہہ کر وہ بیٹھ گئے ۔ اس کے بعد خان صاحب فدا حسین خاں کھڑے ہوئے اور بولے جیساکہ میں اعلان کرچکا ہوں مجھ پر حقیقت آشکار ہوگئی کہ علماء اہلسنت کے پاس سوائے

جھوٹ اور اتہام کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لئے میں علی الاعلان سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوتا ہوں اور اپنی کل جائداد سلسلہ کے لئے وقف کرتا ہوں اور اب میں کسی اور بات کے سننے کو تیار نہیں ہوں۔ اس طرح یہ مباحثہ ختم ہوگیا۔ حافظ صاحب کے مکان کے باہر کافی لوگ جمع تھے اور وہ مناظرہ کے نتیجہ کے متعلق معلوم کرنا چاہتے تھے۔ مولوی صاحبان تیز قدم چلتے ہوئے یہی کہتے جارہے تھے کہ آج قادیانیوں نے ایک بڑے رئیس کو پھانس لیا ہے۔ بعد ازاں اُنھوں نے اشتہار بھی شائع کئے جس میں ظاہر کیا کہ قادیانیوں نے دھوکہ دیا ہے وغیرہ اس کے بعد خان صاحب موصوف نے اپنی ساری جائداد بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وقف کردی جس کی قیمت اُس زمانہ میں بھی کئی لاکھ تھی۔ یہ جائداد آج بھی انجمن احمدیہ قادیان کی تحویل میں ہے۔ خاں صاحب شاہجہانپور سے ترک سکونت کرکے حیدر آباد دکن چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔

حافظ صاحب کی دعوت الی اللہ کی یہ کیفیت تھی کہ ہزاروں حوالہ جات اُن کی نوک زبان پر تھے، کتابوں کی ترتیب میرے ہاتھوں عمل میں آتی تھی۔ جس حوالہ کی ضرورت پیش آتی وہ مجھے آواز دیتے اور فرماتے کہ فلاں کتاب لے آؤ میں جاکر لے آتا اور پاس رکھ دیتا۔ پھر بھی اگر کہیں پر ذہن کام نہ دیتا اور قرآن شریف کی کسی آیت کے حوالہ کی ضرورت پیش آجاتی تو حافظ صاحب نہایت ہوشمندی سے یہ کہتے ہوئے اُٹھ جاتے کہ میں ابھی آیا اور آہستہ سے مکان کی چھت پر پہنچ جاتے۔ اُن کے مکان کی پشت پر اُن کے والد ماجد سید علی میاں کا باغ تھا جس میں پودوں کی نگہداشت حافظ صاحب کے والد بزرگوار بہ نفس نفیس کیا کرتے تھے حافظ صاحب بہت جلد سلام عرض کرتے اور گلِ مقصود یعنی مطلوبہ حوالہ لے کر واپس آجاتے۔ حافظ صاحب کے والد

ماجد کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ وہ بیشتر بڑی متانت سے لفظ "ہوں" بولا کرتے تھے اور اس کے بعد فرماتے "تم کیسے حافظ ہو۔ تمھیں کچھ نہیں معلوم" اس پر حافظ صاحب خاموش ہو جاتے۔ پھر حافظ سید علی میاں صاحب۔ آیتہ۔ سورۃ۔ رکوع اور پارہ اور اس کا ترجمہ سب بتا دیتے اور حافظ صاحب چھت سے نیچے اترتے وہ بالکل تیار ہو کر لوٹا کرتے اور یہ سب کام چند لمحات میں ہو جاتا اور مخاطب کو اس کا کچھ علم نہ ہوتا۔ ایسے واقعات میں نے سینکڑوں مرتبہ دیکھے۔

شاہجہانپور میں جماعت احمدیہ کے قیام کی ابتدا کس طرح ہوئی

یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ جماعت احمدیہ شاہجہانپور میں کب اور کیسے قائم ہوئی۔ اس کے لیئے ہمیں حافظ سید علی میاں کی نابغہءروز گار ہستی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ جو ذہانت کے پتلے اور علم و معرفت کا وہ خزانہ تھے جس کی کوئی مثال اُن کے ہمعصروں میں پائی نہ جاتی تھی یہ حافظ مختار احمد میاں کے والد ماجد تھے۔ اُن کی ذہانت کی چند مثالیں یہاں بیان کر دینا ضروری ہے تاکہ جو بات اوپر بیان کی جاچکی ہے اس کی تصدیق ہو جائے۔

حافظ سید علی میاں نہایت منکسر المزاج اور درویشانہ زندگی گزارنے والے ایک جید عالم دین تھے۔ یہ شاہجہانپور کے ایک نہایت ہی معزز علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ عنفوان شباب کو پہنچے تو شادی کا مرحلہ درپیش ہوا۔ اُدھر پیلی بھیت میں ڈپٹی امیر علی صاحب تھے جن کو ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد گورنمنٹ نے پہلا حاکم اعلیٰ مقرر کیا تھا۔ اُن کو اپنی صاحبزادی کے لئے کسی موزوں رشتہ کی تلاش تھی انھوں نے مولوی آخوند صاحب سے جو حافظ سید علی میاں کے استاد تھے اس کا تذکرہ کیا۔ اس پر مولوی صاحب نے ان کو بتایا کہ لڑکا تو میری نگاہ میں ایسا ہے جس کو اپنی خوبیوں کی بنا پر "ہیرا" کہا

جائے تو مبالغہ نہ ہوگا لیکن ان کا خاندان متمول خاندان نہیں ہے۔ شاید آپ پسند نہ فرمائیں۔ ڈپٹی صاحب نے فرمایا کہ مجھے دولت کی پروا نہیں اللہ کا دیا سب کچھ میرے پاس موجود ہے۔ میں تو صرف ایک جوہرِ قابل کی تلاش میں ہوں۔ مولوی آخوند نے فرمایا اچھا تو پھر کل آجایئے۔ ڈپٹی صاحب وقت مقررہ پر پہنچ گئے۔ مولوی آخوند نے زور سے آواز دی سید علی ؛ سید علی میاں کی اُنگلی میں اسوقت ڈور بندھی ہوئی تھی اور پتنگ اڑانے میں مشغول تھے سید علی میاں فوراً وہاں پہنچ گئے۔ مولوی صاحب نے سوال کیا کہ تم نے آج سبق کیوں نہیں پڑھا عرض کیا ابھی پڑھتا ہوں۔ اُن کے استاد نے کسی حدیث کا مضمون پڑھا۔ وہ بغور سنتے رہے مولوی صاحب نے پوچھا "یاد کر لیا" جواب ملاجی ہاں یاد کرلیا۔ سبق ختم ہوگیا ڈپٹی صاحب خاموشی سے تماشہ دیکھتے رہے۔ دوسرے روز جب ڈپٹی صاحب مقررِ وقت پر پہنچے تو مولوی اخوند صاحب نے ان کو آڑ میں بٹھا دیا اس کے بعد سید علی میاں کو آواز دی۔ وہ فوراً پہنچے لیکن ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ آج میرا امتحان ہو رہا ہے۔ ان کے اُستاد نے سوال کیا کہ کل کا سبق یاد ہے۔ عرض کیا بالکل یاد ہے اور سارا سبق حرف بہ حرف سنا دیا پھر ان کو دوسرے دن کا سبق دے کر رخصت کر دیا۔ سید علی میاں وہاں سے چلے گئے ڈپٹی صاحب باہر آئے اور اپنی گاڑی میں سوار ہوتے ہوئے مولوی صاحب کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آپ نے جو کچھ مجھ سے کہا تھا وہ سچ کر دکھایا اور میں بالکل مطمئن ہو کر واپس جا رہا ہوں آپ اس معاملہ میں میری مدد فرمائیں۔ میں یہ رشتہ منظور کرتا ہوں اور اس طرح حافظ سید علی میاں کی شادی ڈپٹی صاحب کی صاحبزادی سے ہو گئی۔

ڈپٹی صاحب امیر ترین شخص تھے اُنہوں نے اپنی بیٹی کے جہیز میں دو سالم موضع جموئی اور جمکا بھی دیئے جن کی قیمت اس زمانہ میں ایک ایک لاکھ

روپیہ ہوگی۔ حافظ سید علی میاں صاحب نگرانی کرتے تھے مگر اپنی آزاد روش کے مطابق۔

ڈپٹی صاحب کے تین صاحبزادے اور بھی تھے۔ ان میں سب سے چھوٹے جن کا اسم گرامی خان بہادر منشی عبد الحق تھا پیلی بھیت میں سکونت پذیر ہو گئے تھے وہیں ان کی جائداد تھی۔ وہ اوائل میں ہی خدا کے فضل اور حافظ سید مختار احمد میاں کی اَن تھک کوشش کے نتیجہ میں داخل سلسلہ احمدیہ ہو گئے تھے اُن کی شخصیت سے متاثر ہو کر پیلی بھیت میں اور بہت سے لوگ داخل سلسلہ ہوئے۔ کبھی کبھی خاں بہادر شاہجہانپور تشریف لایا کرتے تھے۔ اُن کا معمول تھا کہ شاہجہانپور آنے کے بعد پہلے محلہ گاڑی پورہ میں جہاں وہ پہلے سکونت پذیر تھے، اور یہاں اُن کے محلات آج تک موجود ہیں، جایا کرتے تھے۔ ان محلوں میں اب اُن کے بھتیجے رہتے تھے۔ بعد ازاں حضرت حافظ صاحب کے پاس بہادر گنج آتے۔ ان کی فٹن میں اکثر ان کا بھتیجہ، مختار عام اور منشی بھی ہوا کرتے تھے سڑک سے حضرت حافظ صاحب کا مکان کا فاصلہ تقریباً سو قدم تھا۔ دروازہ پر پہنچ کر منشی صاحب دستک دیا کرتے تھے اندر سے حافظ صاحب فرماتے "اندر آجایئے" منشی صاحب حافظ صاحب سے ملتے اور کہتے خان بہادر صاحب تشریف لائے ہیں حافظ صاحب فوراً پہنچتے اور سلام کر کے خان بہادر صاحب کے پیچھے کھڑے ہو جاتے۔ جب تک ان کے ماموں خان بہادر صاحب مکان کے اند داخل ہو کر آرام کرسی پر بیٹھ نہ جاتے اُس وقت تک حافظ صاحب کھڑے رہتے اور اجازت ملنے پر بیٹھ جاتے۔ خان بہادر صاحب کا معمول تھا اور میں نے چند بار خود دیکھا کہ وہ فوراً اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتے اور ہاتھ میں جتنی بھی اشرفیاں آجاتیں حافظ صاحب کو دے دیتے۔ حافظ صاحب فوراً سلام کرتے اور اشرفیوں کو مٹھی میں لے کر اپنے تکیہ کے

نیچے رکھ دیتے ۔ دوسرا کام خان بہادر صاحب کا یہ ہوتا تھا کہ اپنے بہنوئی حافظ سید علی میاں کے سلام کیلئے جایا کرتے تھے ۔ اُن کے وہاں جانے سے پہلے چچا میاں (حضرت حافظ سید مختار میاں جن کو برادرم عبدالجمیل صاحب چچا میاں کہا کرتے تھے) مجھ سے فرمایا کرتے کہ جاؤ اور میاں کو (حافظ سید علی میاں) اطلاع کر دو کہ خان بہادر صاحب تشریف لا رہے ہیں ۔ میں جا کر ان سے عرض کرتا کہ چچا میاں نے ارشاد فرمایا ہے کہ خان بہادر صاحب تشریف لائے ہیں اور آپ کی طرف آرہے ہیں سید علی میاں ہنس کر فرماتے کہ " اچھا اچھا وہ مختار کے آقا آگئے ہیں " میں خاموش ہو جاتا ۔ وہ اُس وقت اپنے باغیچہ میں چرخی چلا کر پودوں کو پانی دے رہے ہوتے اور اپنے کام میں بدستور مشغول رہتے ۔ یہاں تک کہ خاں بہادر صاحب بہت آہستہ آہستہ قدم چل کر مکان کے اندر داخل ہوتے ۔ میاں چند منٹ کے لئے ہاتھ روک لیتے اور سوال کرتے "آپ خیریت سے ہیں اور سب خیریت سے ہیں کب آئے اور کب واپسی کا ارادہ ہے" خان بہادر صاحب ان سوالوں کا جواب عرض کر دیتے اور جھٹ اپنی عادت کے مطابق جیب میں ہاتھ ڈال کر اشرفیاں نکالتے اور نہایت ادب سے سر جھکا کر جس کو میں نے بارہا بچشم خود دیکھا ۔ ہتھیلی پر رکھ کر میاں کو پیش کرتے ۔ میاں (سید علی میاں) اُس وقت کوئیں کی مَن پر کھڑے ہوتے اور خان بہادر صاحب نیچے ہوتے ۔ میاں تیزی سے اُن کی ہتھیلی پر سے اشرفیاں اُٹھا کر اپنی مرضیٰ کی جیب میں ڈال لیتے ۔ بعد ازاں خان بہادر صاحب رخصت چاہتے میاں فرماتے " اچھا آپ جا رہے ہیں ، خدا حافظ " اس کے بعد میاں پھر چرخی سے پانی نکالنے میں مصروف ہو جاتے ۔ خان بہادر صاحب بھی تھوڑا توقف کر کے وہاں سے چلے جاتے اور چچا میاں کے پاس کچھ دیر ٹھہرتے پھر اپنی فٹن میں سوار ہو کر واپس چلے جاتے ۔

ایک واقعہ چچا میاں (مختار احمد میاں) کے والد ماجد حافظ سید علی میاں کا سپرد قلم کرتا ہوں ۔ ملاحظہ فرمائیے ۔

شاہجہانپور کے ایک رئیس حاجی اعزاز علی خاں تھے ۔ جو ذی علم اور مذہبی قسم کے آدمی تھے ان کی ایک بہت بڑی دکان پارچہ فروشی کی محلہ بہادر گنج میں تھی جس کا نام " ترقی دولت" تھا ۔ جب شاہجہانپور میں سلسلہ احمدیہ کی داغ بیل پڑی اور لوگوں میں اس کی واقفیت اور مقبولیت ہونے لگی تو چند لوگ حاجی اعزاز علی خاں صاحب کے پاس پہنچے اور ان سے عرض کیا کہ حافظ سید علی میاں چونکہ بہت قابل شخص ہیں ، وہ لوگوں کو بہکا کر قادیانی بنانا چاہتے ہیں ۔ اس لئے مناسب ہے کہ آپ اُن سے مذہبی گفتگو کرلیں ۔ حاجی اعزاز علی خاں نے ایک خط اپنے ملازم کے ہاتھ حافظ سید علی میاں کی طرف روانہ کیا اور اس میں لکھا کہ میں آپ سے کچھ مذہبی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں ۔ کیا آپ کسی وقت تکلیف فرما کر تشریف لائیں گے ۔

جواباً لکھا گیا کہ میں ہر وقت تیار ہوں اور حضرت حافظ سید علی میاں کسی دوسرے وقت وہاں تشریف لے گئے ۔ کافی دیر تک تبادلہ خیال ہوتا رہا اور کوئی تردید یا تسلی بخش جواب ، وہ نہ دے سکے ۔ تاہم آخیر میں انہوں نے یہ کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں آپ ایک مناظرہ ہمارے علماء کے ساتھ کرلیں ۔ حافظ صاحب نے جواب دیا کہ ہم تیار ہیں ۔ جگہ کے متعلق یہ طے پایا کہ کوٹھی ترقی دولت ہی میں یہ مناظرہ انعقاد پذیر ہو کیونکہ یہ کوٹھی شہر کے درمیان میں واقع تھی ۔ وقت مقررہ پر بہت سے لوگ جمع ہوگئے ۔ شہر کے اور بیرونجات کے مولوی صاحبان بھی بلائے گئے تھے اور شہر کے ذی علم معززین ، رؤسا اور مقربین شہر بھی وہاں موجود تھے کوٹھی کے صحن میں تخت بچھائے گئے تھے ، باقی جگہ پر فرش تھا ۔ تخت کے اوپر بہت سی کتابیں رکھی

ہوئی تھیں اور مقابلہ کے واسطے بہت سے مولوی صاحبان بیٹھے ہوئے تھے۔ وقت مقررہ پر حافظ سید مختار احمد میاں اور ان کے والد ماجد حافظ سید علی میاں بھی وہاں پہنچ گئے ان دونوں باپ بیٹوں کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا۔ حافظ سید علی میاں فرش پر بیٹھ گئے اور قبل اس کے کہ گفتگو شروع ہو، انہوں نے کتابوں کی جلدوں پر ایک سرسری نظر ڈالی اور اچھی طرح جانچ لیا کہ کون کون سی کتابیں ہو سکتی ہیں فوراً تیزی کے ساتھ اُٹھے اور ایک کتاب کو جو چند کتابوں کے نیچے رکھی تھی کھینچ کر نکال لیا اُسے کھول کر بھی نہیں دیکھا اور فرمایا کہ آپ لوگ مناظرہ کرنے کیلئے تقریباً تیار ہیں مگر یہ کتاب جس کے لئے حکم ہے کہ بعد کتاب اللہ رحل پر رکھ کر پڑھی جائے جس کا نام صحیح بخاری ہے اس کی آپ نے یہ توہین کی اور جھٹ کتاب کھول کر دکھلا دی۔ اس واقعہ پر جو لوگ مقابلہ کیلئے آئے تھے اور سوچنے لگے کہ جس کی ذہانت کا یہ عالم ہے اُس سے مقابلہ ہم نہیں کرسکتے اور ایک ایک کرکے وہاں سے چلے گئے۔ اس کے بعد لوگوں پر یہ اثر ہو کہ وہ حافظ سید علی میاں اور حافظ سید مختار میاں کے پاس آکر تحقیقات کرنے اور سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے لگے ان لوگوں میں ایک ملا امام بخش بھی تھے۔ بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور ۱۹۵۰ء تک وہاں سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے والوں کی تعداد ساٹھ سے اوپر ہوگئی۔

حافظ سید علی میاں کے ایک مخلص اور دیرینہ دوست شاہجہانپور کے رئیس اور ملک التجار حاجی محمد سعید خاں تھے۔ حافظ سید علی میاں کا معمول تھا کہ اکثر شام کو ان سے ملنے کیلئے ان کی دوکان پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

ایک روز عجیب اتفاق ہوا۔ حاجی صاحب کا کوئی بڑا اور اہم مقدمہ تھا۔ اور اُس کی دستاویز اُن کے منشی نے پڑھ کر حاجی صاحب کو سنائی، اس وقت سید

علی میاں بھی حاجی محمد سعید خاں کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایسا اتفاق ہوا کہ مقدمہ کی تاریخ سے کچھ قبل وہ دستاویز گم ہوگئی۔ اب یہ فکر پیدا ہوئی کہ دستاویز کی عدم موجودگی میں اگر روپیہ نہ بھی وصول ہوا تو زیادہ فکر کی بات نہیں لیکن اُس بدنامی کی زیادہ فکر ہے کہ عدالت میں یہ ثابت ہو کہ جھوٹا دعویٰ دائر کیا گیا تھا۔ اس دستاویز کی کوئی دوسری نقل بھی نہیں تھی۔ بہت سوچ بچار کے بعد یہ بات طے ہوئی کہ اب کوئی اور ذریعہ تو بظاہر نظر نہیں آتا لیکن جس وقت دستاویز سنائی جا رہی تھی تو حافظ سید علی میاں موجود تھے، ان کے نادر الوجود حافظہ سے اُمید کی جاتی ہے کہ اگر انہوں نے اس دستاویز کی طرف دھیان دیا ہوگا تو ضرور اُن کو یاد آجائے گا۔ حاجی صاحب کے منشی صاحب نے اُن سے درخواست کی کہ وہ اس سلسلہ میں حافظ سید علی میاں صاحب سے ملیں۔ حاجی محمد سعید خاں صاحب علی الصبح حافظ سید علی میاں صاحب کے پاس پہنچے حافظ صاحب حسب معمول اپنے باغیچہ میں مصروف کار تھے حاجی صاحب سے آنے کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا آپ کئی روز سے تشریف نہیں لائے اور مجھے آپ سے ملنے کی ضرورت پیش آگئی۔ حافظ صاحب نے دریافت کیا کہ فرمایئے کیا کام ہے۔ حاجی صاحب نے کہا کہ دستاویز جو چند روز قبل منشی صاحب نے آپ کی موجودگی میں مجھے پڑھ کر سنائی تھی گُم ہوگئی ہے اور باوجو تلاش بسیار دستیاب نہیں ہو سکی اور اتفاق سے اس کی کوئی نقل بھی موجود نہیں ہے مجھے واجب الوصول روپیہ کے وصول نہ ہونے کا تو کوئی فکر نہیں لیکن عدالت میں غلط بیانی کا ثبوت فراہم ہو جانے کی وجہ سے بہت فکر ہے۔ حافظ سید علی میاں نے اپنی عادت کے مطابق پہلے زور سے کہا "ہوں" اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اب میں تمہارے یہاں آنا چھوڑدوں گا مجھے تمہاری دستاویز سے کیا مطلب۔ کیا میں نے اُسے حفظ کر لیا۔

حاجی صاحب قطعاً خاموش رہے کیونکہ وہ حافظ صاحب کی عادت سے واقف تھے کہ چند منٹ بعد یہ حالت برقرار نہ رہے گی ۔ کچھ توقف کے بعد حافظ صاحب نے فرمایا اچھا ہم شام کو آئیں گے ۔ حاجی صاحب اتنا سنتے ہی مطمئن ہو کر رخصت ہو گئے ۔ منشی نے دریافت کیا کہ کیا جواب ملا ۔ حاجی صاحب نے تمام گفتگو کا ،حصل اُن کو بتایا اور کہا کہ شام کو حافظ صاحب آئیں گے ۔ شام کو دونوں صاحب انتظار کرنے لگے ۔ حافظ سید علی میاں صاحب وقت پر وہاں پہنچ گئے ۔ منشی نے کہا کہ غلطی میری ہے کیونکہ وہ دستاویز مجھ سے گم ہوئی اور میں نے ہی حاجی صاحب کو یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ کو تکلیف دی جائے کہ اگر کچھ عبارت یاد رہ گئی ہو تو بتا دیں ۔ حافظ صاحب نے فرمایا میں نے دستاویز کو سنا ضرور تھا مگر اس خیال سے نہیں کہ مجھے وہ سب پھر بتلانا پڑے گا ۔ اچھا لکھو منشی صاحب نے کاغذ اور قلم لیا اور حافظ صاحب نے جہاں سے وہ دستاویز شروع ہوئی تھی اور جتنا اُن کے سامنے پڑھا گیا تھا سب لکھا دیا ۔ اتفاق سے حاجی صاحب کی میز کی دراز سے دوسرے دن وہ اصل دستاویز بھی بر آمد ہوگئی ۔ منشی صاحب نے مقابلہ کیا تو یہ دونوں دستاویزات یکساں پائی گئیں ۔ ان کی ذہانت کا مد مقابل ان کے ہمعصروں میں اور کوئی نہیں تھا وہ معاملات دنیاوی یعنی لین دین میں حد درجہ محتاط تھے ۔

حافظ سید علی میاں کو زمانہ دراز سے بطور نذرانہ ایک حقیت ریاست لکرہ لکھیم پور کھیری میں وہاں کے راجہ کے آباء واجداد نے دی تھی ۔ اُس کی وصولیابی کے لئے سال میں ایک مرتبہ بذات خود تشریف لے جایا کرتے تھے اور معمول یہ تھا ، ریل میں روانگی اور واپسی پیدل ۔ ان کی ہدایت تھی کہ جو چیز خریدی جائے یا کسی پیشہ ور سے لی جائے اُس کی قیمت اس کی طلب سے پہلے ادا کر دیجائے اور میں اس پر عمل کیا کرتا تھا کیونکہ ان کی رقوم کی امانت

اور حساب کتاب میرے ذمہ تھا ۔

میرے والد اور حافظ سید مختار احمد میاں جنکو ہم "چچا میاں" کہتے تھے ، باہم ایسے دوست تھے جن کو اگر ایک جان و دو قالب کہا جائے تو بالکل حقیقت پر مبنی ہو گا ۔ حافظ صاحب بجز دعوت الی اللہ دنیا کی ہر قسم کی ضروریات و تفکرات سے آزاد تھے ان کا کام صرف دعوت الی اللہ تھا میرے والد صاحب انکے اس قدر قدر دان تھے جس کی مثال ممکن نہیں ۔ اُن کو تاحیات یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ انسان کو حیات دنیاوی میں کیا کیا چیزیں درکار ہوتی ہیں ۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جو لباس وہ اپنے لئے تیار کرائیں ۔ اس جیسا دوسرا تیار نہ ہو ۔ کھانا بیشتر اُن کی مرغوب چیزوں میں سے تیار کروایا جاتا تھا اور بعد تیاری خود ملاحظہ کرتے اور ملازم کے ہاتھ حافظ صاحب کے گھر بھجوا دیا جاتا ۔ اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا کہ کھانے کے وقت اگر حافظ صاحب کے پاس کوئی اور صاحب موجود ہوں تو وہ بھی کھانے میں شامل ہو جاتے تھے یہی طریق موسمی پھلوں کے سلسلہ میں بھی جاری تھا ایک بار میرے والد صاحب کے پاس کہیں سے آم آگئے تو انہوں نے خود کھانے سے پیشتر چند پھل اپنے دوست کو روانہ کرادئے اتفاق سے ان پھلوں پر کچھ داغ تھے جو اوروں پر بھی تھے ۔ حافظ صاحب جو نہایت نفیس الطبع تھے ،انھوں نے وہ آم ایک لمبے "آم نامہ" کے ساتھ ملازم کے ہاتھ واپس کر دیئے ۔ والد صاحب نے جب اس آم نامے" کو پڑھا تو بہت محظوظ ہوئے اور فوراً جو حصہ ان آموں کا باقی تھا اور صاف تھا اُن پر ناموں کی چٹیں لگا کر پھر حافظ صاحب کو بھجوا دیئے اب یہ آم پہلے والوں سے بہتر اور صاف تھے بعد میں معلوم ہوا کہ حافظ صاحب وہ آم تراشتے جاتے تھے ، اور جو لوگ اس وقت ان کے پاس موجود تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ حافظ صاحب کی آنکھوں سے برابر آنسو جاری تھے ۔

حاجی صاحب قطعاً خاموش رہے کیونکہ وہ حافظ صاحب کی عادت سے واقف تھے کہ چند منٹ بعد یہ حالت برقرار نہ رہے گی۔ کچھ توقف کے بعد حافظ صاحب نے فرمایا اچھا ہم شام کو آئیں گے۔ حاجی صاحب اتنا سنتے ہی مطمئن ہو کر رخصت ہو گئے۔ منشی نے دریافت کیا کہ کیا جواب ملا۔ حاجی صاحب نے تمام گفتگو کا ماحصل اُن کو بتایا اور کہا کہ شام کو حافظ صاحب آئیں گے۔ شام کو دونوں صاحب انتظار کرنے لگے۔ حافظ سید علی میاں صاحب وقت پر وہاں پہنچ گئے۔ منشی نے کہا کہ غلطی میری ہے کیونکہ وہ دستاویز میرے سے گم ہوئی اور میں نے ہی حاجی صاحب کو یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ کو تکلیف دی جائے کہ اگر کچھ عبارت یاد رہ گئی ہو تو بتا دیں۔ حافظ صاحب نے فرمایا میں نے دستاویز کو سنا ضرور تھا مگر اس خیال سے نہیں کہ مجھے وہ سب پھر بتلانا پڑے گا۔ اچھا لکھو منشی صاحب نے کاغذ اور قلم لیا اور حافظ صاحب نے جہاں سے وہ دستاویز شروع ہوئی تھی اور جتنا اُن کے سامنے پڑھا گیا تھا سب لکھا دیا۔ اتفاق سے حاجی صاحب کی میز کی دراز سے دوسرے دن وہ اصل دستاویز بھی بر آمد ہوگئی۔ منشی صاحب نے مقابلہ کیا تو یہ دونوں دستاویزات یکساں پائی گئیں۔ ان کی ذہانت کا مد مقابل ان کے ہمعصروں میں اور کوئی نہیں تھا وہ معاملات دنیاوی یعنی لین دین میں حد درجہ محتاط تھے۔

حافظ سید علی میاں کو زمانہ دراز سے بطور نذرانہ ایک حقیت ریاست لکرہ لکھیم پور کھیری میں وہاں کے راجہ کے آباء واجداد نے دی تھی۔ اُس کی وصولیابی کے لئے سال میں ایک مرتبہ بذات خود تشریف لے جایا کرتے تھے اور معمول یہ تھا، ریل میں روانگی اور واپسی پیدل۔ ان کی ہدایت تھی کہ جو چیز خریدی جائے یا کسی پیشہ ور سے لی جائے اُس کی قیمت اس کی طلب سے پہلے ادا کر دیجائے اور میں اس پر عمل کیا کرتا تھا کیونکہ ان کی رقوم کی امانت

اور حساب کتاب میرے ذمہ تھا۔

میرے والد اور حافظ سید مختار احمد میاں جنکو ہم "چچا میاں" کہتے تھے، باہم ایسے دوست تھے جن کو اگر ایک جان و دو قالب کہا جائے تو بالکل حقیقت پر مبنی ہو گا۔ حافظ صاحب بجز دعوت الی اللہ دنیا کی ہر قسم کی ضروریات و تفکرات سے آزاد تھے ان کا کام صرف دعوت الی اللہ تھا میرے والد صاحب انکے اس قدر قدر دان تھے جس کی مثال ممکن نہیں۔ اُن کو تاحیات یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ انسان کو حیات دنیاوی میں کیا کیا چیزیں درکار ہوتی ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جو لباس وہ اپنے لئے تیار کرائیں۔ اس جیسا دوسرا تیار نہ ہو۔ کھانا بیشتر اُن کی مرغوب چیزوں میں سے تیار کروایا جاتا تھا اور بعد تیاری خود ملاحظہ کرتے اور ملازم کے ہاتھ حافظ صاحب کے گھر بھجوا دیا جاتا۔ اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا کہ کھانے کے وقت اگر حافظ صاحب کے پاس کوئی اور صاحب موجود ہوں تو وہ بھی کھانے میں شامل ہو جاتے تھے یہی طریق موسمی پھلوں کے سلسلہ میں بھی جاری تھا ایک بار میرے والد صاحب کے پاس کہیں سے آم آگئے تو انہوں نے خود کھانے سے پیشتر چند پھل اپنے دوست کو روانہ کرادئے اتفاق سے ان پھلوں پر کچھ داغ تھے جو اوروں پر بھی تھے۔ حافظ صاحب جو نہایت نفیس الطبع تھے، انھوں نے وہ آم ایک لمبے "آم نامہ" کے ساتھ ملازم کے ہاتھ واپس کر دیئے۔ والد صاحب نے جب اس آم نامے" کو پڑھا تو بہت محظوظ ہوئے اور فوراً جو حصہ ان آموں کا باقی تھا اور صاف تھا اُن پر ناموں کی چٹیں لگا کر پھر حافظ صاحب کو بھجوا دیئے اب یہ آم پہلے والوں سے بہتر اور صاف تھے بعد میں معلوم ہوا کہ حافظ صاحب وہ آم تراشتے جاتے تھے، اور جو لوگ اس وقت ان کے پاس موجود تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ حافظ صاحب کی آنکھوں سے برابر آنسو جاری تھے۔

دریافت کرنے پر بدقت بتلاسکے کہ ان آموں کا کیا واقعہ تھا اور پھر کہا کہ مجھ میں طاقت نہیں کہ میں اپنی شکر گزاری کا اظہار کس طرح کروں۔ یہ آنسو اُسی جذبہ تشکر کے مظہر ہیں۔

حافظ صاحب اگر کبھی علیل ہوجاتے اور پرہیزی کھانے کی ضرورت ہوتی تو میری والدہ صاحبہ اُن کے لئے اپنے ہاتھ سے چاول اور دال صاف کرتیں اور بہت احتیاط سے کھانا تیار کرتیں اور بہت عمدہ طریقہ پر ملازم کے ہاتھ کھانا بھجواتیں۔ کھانے کی نفاست دیکھ کر اور اپنی حسب منشاء پا کر بہت خوش ہوتے اور شکریہ کے طور پر چند اشعار لکھ کر بھجوا دیتے اور ایسا اکثر ہوتا رہتا تھا۔ افسوس ہے کہ ان کے اس قسم کے منظومات کی قدر نہ کی جاسکی اور نہ محفوظ رکھا جا سکا ورنہ یہ بھی خاصے کی چیز ہوتے۔ عیدین کے موقعہ پر بھی ضروریات لازمی ہوتی ہیں اس لئے والد صاحب قبلہ مرحوم بلا طلب ضرورت کے لائق خرچ کبھی میرے ہاتھ اور کبھی دوسرے بھائی کے ذریعہ ہمیشہ حافظ صاحب کو پہنچا دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد جو کھانا عید کے روز تیار ہوتا وہ روانہ کر دیا جاتا۔ حافظ صاحب مجھے اور میرے چھوٹے بھائی (محمد عقیل قریشی) کو ایک ایک روپیہ عیدی کے بطور دیا کرتے تھے۔



یاد دوست

(از محترم شیخ محمد احمد صاحب مظہر
امیر جماعت ہائے احمدیہ ضلع فیصل آباد)

نام مختار احمد تخلص مختارؔ۔ والد کا نام حافظ سید علی میاں صاحب۔ قد درمیانہ سے نکلتا ہوا۔ داڑھی گھنی اور بازیب۔ چہرہ پر وقار اور مطمئن۔ رومی ٹوپی اوڑھتے اور اچکن اور پاجامہ پہنتے۔ قرآن کریم نرم آواز میں مخارج کی پابندی سے پڑھتے لیکن تقریر کرتے وقت آپ کی آواز میں ایک گرج اور کڑک ہوتی تھی۔ شاہجہانپور کے ایک مشہور عالی خاندان کے فرد تھے اور یہ خاندان معظم اور مکرم تھا۔

خاکسار کا تعلق حافظ صاحب سے ۱۹۲۵ء سے ان کی وفات تک گہری دوستی اور دلی محبت کا مسلسل رہا۔ اس لئے میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ۱۹۲۵ء میں مقدمہ بیت شاہجہانپور کی پیروی کے لئے صدر انجمن احمدیہ نے مجھے مامور کیا اور تب سے ہم دونوں میں ایسا توحد اور تودد پیدا ہوا کہ باید و شاید۔ اور اس کی وجہ حافظ صاحب کی مہربانی اور دوست نوازی تھی۔

حافظ صاحب فن شعر میں کامل اور زبان کے بادشاہ تھے۔ فن شعر میں امیرؔ مینائی لکھنوی کے شاگرد تھے اور ہمیشہ استاد کا نام بڑے احترام سے لیتے تھے۔ میں نے ہمیشہ ان کی زبان پر استاد کے لئے "جناب امیر" کے الفاظ سنے۔ ہمارے طلباء کے لئے استادوں کا ادب کرنے میں حافظ صاحب کا یہ طریق قابل تقلید ہے۔

جناب آمیر کو عام لوگ محض ایک شاعر سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ ایک صاحب ارشاد بزرگ تھے۔ بہت بڑے عالم اور فن لغت میں ماہر اور حافظ صاحب بھی فن لغت میں اپنے استاد کی طرح بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ اور الفاظ کے استعمال میں بڑے محتاط تھے اور ہر لفظ کی کنہ پر نظر رکھتے تھے۔ اور جب تک شعر کی نوک پلک درست نہ ہو جائے اس پر مطمئن نہ ہوتے تھے۔ بعض دفعہ خاکسار سے کسی لفظ کے محل استعمال کے متعلق دریافت فرماتے۔ مجھے کوئی شعر یاد ہوتا تو مثال کے طور پر پیش کر دیتا اور آپ خوش ہوتے۔

حضرت میاں محمد خان صاحب کپور تھلوی کے ایک قریبی رشتہ دار شاہجہانپور میں حافظ صاحب کے پڑوسی تھے۔ ان کا نام رسالدار میجر عبدالکریم خان تھا۔ اور وہ وائسرائے کے باڈی گارڈ کے افسر تھے۔

حضرت میاں محمد خان صاحب نے براہین احمدیہ میجر عبدالکریم صاحب کو دی اور انہوں نے کتاب حافظ سید علی میاں صاحب کو دے دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میجر صاحب تو احمدی نہیں ہوئے۔ لیکن حافظ سید علی میاں صاحب جیسا عالم براہین احمدیہ سے حد درجہ متاثر ہوا اور انہوں نے اور حافظ سید مختار احمد صاحب نے بیعت کر لی۔ یہ ۱۸۹۲ء کے قریب کا واقعہ ہے۔

بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جس شخص کو کتاب دی جائے وہ تو اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور یہ سعادت کسی اور شخص کی قسمت میں ہوتی ہے۔ دعوت الی اللہ کرنے والے کو یہ امر بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض موقعوں پر فرمایا۔ کہ سننے والا حاضر شخص غیر حاضر شخص کو بات پہنچا دے کیونکہ ممکن ہے کہ غیر حاضر شخص زیادہ فائدہ اٹھائے۔

یہی اصول کپور تھلہ کی جماعت میں کارگر ہوا اور یہی سعادت حافظ صاحب

اور ان کے والد صاحب کو نصیب ہوئی۔ مخالفت ہوئی اور حافظ سید علی میاں صاحب نے مباحثے اور مناظرے بھی کئے رفتہ رفتہ شاہجہانپور میں ایک نہایت مخلص اور فدائی جماعت احمدیہ قائم ہو گئی۔ میں نے دیکھا کہ شاہجہانپور کی جماعت کا ہر فرد سلسلہ احمدیہ کے جاں نثاروں میں داخل ہے۔ اور حافظ صاحب کا ادب اور تعظیم باپ کی طرح بجا لاتے تھے۔ حاجی عبدالقدیر صاحب شاہجہانپوری بڑے تاجر اور ذی ہوش انسان تھے وہ حافظ صاحب کو اپنا حقیقی بڑا بھائی سمجھتے تھے۔ اور حاجی عبدالقدیر صاحب کی اولاد بھی حافظ کی ہر بات پر لبیک کہتی تھی۔

یو۔ پی کی جماعتیں عام طور پر حافظ صاحب کی تربیت یافتہ تھیں۔ چنانچہ حضرت فضل عمر نے ایک خطبہ جمعہ میں فرمایا کہ حافظ صاحب یو۔ پی کی جماعتوں کے لئے ایک ستون ہیں۔

حافظ صاحب کی تمام عمر ۱۸۹۲ء سے روز وفات تک جماعت کی خدمت میں بسر ہوئی۔ بہت وسیع مطالعہ رکھنے والے بزرگ تھے۔ شاہجہانپور میں ان کے مکان کے اندر ان کی بڑی لائبریری تھی۔ مخالفین کے لٹریچر اور ان کی ایک دوسرے کے خلاف کفربازی سے حافظ صاحب پورے باخبر تھے۔ اور وفات تک روزبروز اپنے علم میں اضافہ کرتے رہے۔ جماعت کے خلاف یا موافق جو رسالہ یا اخبار کچھ لکھتا حافظ صاحب اس سے باخبر رہتے تھے۔ اور اس پر تنقید و تبصرہ فرماتے۔ سلسلہ کے لٹریچر کو ہمیشہ زیر مطالعہ رکھتے اور حوالہ جات سے آگاہ رہتے اور ان سے حوالے دریافت کئے جا سکتے تھے۔

مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ ان کی چارپائی کے اردگرد چاروں طرف کتابیں، رسالے اخبار پڑے ہوتے۔ نئے سے نیا اخبار ان کے پاس پہنچ جاتا۔ ملاقاتی جو کثیر تعداد میں ہرروز آپ کے پاس آمدورفت رکھتے تھے ان سے بھی حافظ

صاحب جماعت کے متعلق نئی سے نئی بات دریافت کرتے تاکہ کوئی بات ان کی نظر سے ڈھکی چھپی نہ رہے اور اپنے وقت پر کام آئے۔

ہزاروں نظمیں لکھیں۔ بعض طبع ہوئیں اور بعض غیر مطبوعہ رہیں لیکن اُنہیں اس بات کی کبھی خواہش نہیں ہوئی۔ کہ ان کا دیوان شائع ہو۔ خاکسار نے انہیں کئی مرتبہ توجہ بھی دلائی۔ مگر ان کی طبیعت نام ونمود سے نہ صرف بے نیاز تھی بلکہ نفور تھی۔

اب ان کے عزیز مکرم سید محمد میاں صاحب ایم۔اے ساکن نواب شاہ حافظ صاحب کے کلام کو جمع کر رہے ہیں۔ اور یہ مجموعہ اردو لٹریچر میں اور فن شعر میں اللہ نے چاہا تو ایک گرانقدر اضافہ ہوگا۔

یاد رہے کہ جناب امیر کے جانشین جلیل مانک پوری ہوئے جو نظام دکن کے استاد تھے۔ استاد جلیل کی وفات کے بعد اُن کے جانشین ضمیر حسن صاحب دلؔ ہوئے۔ حافظ صاحب کا شمار جناب امیرؔ کے اِن چوٹی کے شاگردوں میں ہے اور تینوں خواجہ تاشوں میں بڑی محبت اور دوستی تھی۔ اور ایک دوسرے کے قدردان تھے اور آپس میں مراسلت رکھتے تھے۔ مقدمہ بیت شاہجہانپور بڑا محنت طلب تھا۔ مقدمہ کے اختتام پر حافظ صاحب نے اپنے مکان پر ایک مختصر سا مشاعرہ ترتیب دیا۔ بہت سے دوست شامل ہوئے اور ضمیر حسن صاحب دلؔ بھی اس مشاعرے میں رونق افروز ہوئے۔

حافظ صاحب بہت بڑے ادیب اور شاعر تھے۔ اور زبان اُردو پر بے نظیر دسترس رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں سلسلے کی تاریخ۔ روایات۔ لٹریچر اور مخالفین کے لٹریچر پر بھی عبور رکھتے تھے۔ اس لئے ہماری جماعت کے اکثر مصنف، مقالہ نگار اور مضمون نویس حافظ صاحب سے استفادہ کرتے تھے۔ اور بہت سی تصانیف حافظ

صاحب کی نظر ثانی کی رہین منت ہیں نظر ثانی کرنے میں حافظ صاحب بڑی احتیاط کرتے تھے۔ جس میں مندرجہ ذیل باتیں مدنظر رکھتے تھے۔

(ا) محاورے اور زبان کا درست استعمال عبارت سلیس اور رواں ہو۔

(ب) سلسلے کی روایات اور تاریخ کا لحاظ رکھا جائے۔

(ج) کوئی سخت یا دل آزار بات ہو تو اس کی ترمیم واصلاح ضرور کرتے۔

(د) اس بات کو بھی ملحوظ رکھتے کہ پڑھنے والے پر نفسیاتی لحاظ سے کتاب یا مضمون کا کیا اثر ہوگا۔

آپ کی نظر سے گزری ہوئی تحریر ٹکسالی ہو جاتی۔ ساری عمر اس قسم کی خدمت گوشہ نشینی میں بیماری اور بڑھاپے کے باوجود بطیب خاطر بجا لاتے اور کبھی اپنے اس کام کا اظہار کسی جگہ نہ کرتے۔ بے نفسی، بے ریائی، بے نیازی اس شمشیر آبدار کے جوہر تھے۔

آپ کی علم دوستی کی ایک اور مثال عرض کرتا ہوں۔ ۱۹۴۶ء میں خاکسار کا میلان تحقیق ام الالسنہ کی طرف ہوا۔ مجھے سنسکرت کی ایک ایسی لغت کی ضرورت تھی جس میں سنسکرت کے الفاظ رومن حروف تہجی میں لکھے ہوئے ہوں۔ دور نزدیک اندرون ملک اور بیرون ملک میں نے ایسی لغت کی تلاش کی۔ مگر مجھے دستیاب نہ ہوئی اور میں اس کتاب کے حاصل کرنے کے لئے بڑا بے قرار تھا۔ آٹھ سال اس تلاش میں گزر گئے۔ اب قدرت خداوندی کا ایک کرشمہ دیکھئے۔

۹ مارچ ۱۹۵۴ء کا ایک واقعہ ہے کہ میں ایک مقدمے کی پیروی کے لئے لاہور گیا۔ حافظ صاحب کی تاکید کے مطابق جب میں لاہور یا ربوہ جاتا تھا تو ان سے ملاقات کے بغیر واپس نہیں ہوتا تھا۔ ایک دو مرتبہ جلدی کی وجہ سے اگر مجھ سے کوتاہی ہوئی تو آئندہ ملاقات میں حافظ صاحب مجھے ضرور جتاتے کہ فلاں دن فلاں

وقت آپ یہاں تھے ہم سے ملاقات نہیں کی۔ ان کی اس محبت کی وجہ سے میرے لئے یہ فرض عین ہوتا تھا کہ خواہ چند منٹ کے لئے ہی ہو۔ ان سے ضرور ملاقات کروں۔ غرض لاہور میں مقدمے کی پیشی کے بعد جودھامل بلڈنگ میں حافظ صاحب سے ملاقات کرنے کے لئے گیا۔ میں سلام کہہ کر ابھی بیٹھا ہی تھا کہ حافظ صاحب نے فرمایا کہ ابھی ابھی آپ کے آنے سے دو منٹ پہلے ایک لڑکا ایک کتاب لایا تھا۔ اور اسے -/۶ روپے میں فروخت کرنا چاہتا تھا کیونکہ -/۵ روپے میں اس نے خود خریدی ہے۔ حافظ صاحب نے وہ کتاب میری طرف بڑھائی ۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کتاب جو میرے ہاتھ میں ہے وہ سنسکرت کی لغت ہے جس میں سنسکرت کے الفاظ رومن حروف تہجی میں لکھے ہوئے ہیں۔ **میکسمولر** کے شاگرد میکڈانل کی نہایت مستند تصنیف ہے۔ میں نے کتاب کی قیمت اسی وقت پیش کردی۔ فردوسی کو پاستان نامے کے ملنے سے جو خوشی ہوئی تھی۔ میری خوشی اس کتاب کے ملنے پر اس سے کم نہ تھی۔

چو آوردایں نامہ نزدیک من
بر افروخت ایں جان تاریک من

یہ واقعہ ہوبہو اسی طرح ہوا ہے اور مولانا روم کے اس شعر کی تفسیر یہ واقعہ ہے۔

کارساز مابہ ساز کارما
فکر مادر کار ما آزار ما

اس کے بعد گزشتہ سولہ سال میں خاکسار نے لغت مذکور کے سارے مادوں اور ان کے مشتقات کا سراغ عربی زبان تک پہنچایا اور یہ ایک ضخیم جلد ہے۔(سب تعریف اللہ کے لئے ہے) جب خدا کو منظور ہوگا۔ شائع ہوجائے گی۔(اللہ نے چاہا تو) مقدمہ بیت شاہجہانپور کے لئے ایک الگ مضمون درکار ہے۔

یہاں پر صرف یہ ذکر کرنا ہے کہ مدعا علیہم کا رویہ بڑا عجیب تھا۔ ہمارا گواہ اگر احمدی ہے تو اس لئے اس پر یقین نہ کرو وہ احمدی ہے۔ اور اگر ہمارا کوئی گواہ غیر احمدی ہے تو اس کا بھی یقین نہ کرو کیونکہ وہ غیر احمدی ہے۔ یہ دورنگی اور شترگربگی مدعا علیہم ہمارے ہر گواہ کے متعلق بروئے کار لاتے تھے بقول شخصے۔

چت بھی میری اور پٹ بھی میری

ایک معمر شخص اکا خان نامی جو احمدی نہیں تھا ہماری طرف سے گواہ پیش ہوا۔ اور اس نے سچی شہادت دی کہ یہ بیت احمدیوں کی ہے اس پر جرح کی گئی۔

سوال:۔ بتاؤ مرزا صاحب اپنے دعاوی میں سچے تھے یا نہیں؟

جواب:۔ اکا خان۔"وکیل صاحب یہ سوال اتنا سہل نہیں ہے جتنا آپ سمجھتے ہیں۔ میں کتابیں پڑھوں، سوچوں اور غور کروں تو جواب دوں"۔

اس جواب سے مخالف ششدر رہ گیا حافظ صاحب جب جلسہ سالانہ پر قادیان آتے تو میری درخواست پر واپس ہوتے ہوئے میرے پاس کپور تھلہ تشریف لے آتے۔ بڑی پرلطف رفاقت رہتی۔ کیوں کہ حافظ صاحب ادیب لبیب ہونے کے علاوہ بڑے زندہ دل اور شگفتہ مزاج دوست تھے۔ جب میرے پاس ٹھہرے ہوئے ہفتہ عشرہ گزر جاتا تو فرماتے۔"بھائی اب ہمیں واپسی کی اجازت دیں۔" میں کہتا۔"حافظ صاحب یہ سوال اتنا سہل نہیں ہے جتنا آپ سمجھتے ہیں۔ سوچوں غور کروں تو پھر بتاؤں۔" اس اکاخانی جواب سے حافظ صاحب بے اختیار ہنس پڑتے اور فرماتے۔"اچھا بھائی آپ غور کر لیں۔ سوچ لیں پھر بتائیں میں ٹھہرے رہتا ہوں۔

یاد ایا میکہ باہم آشنا بودیم ما
ہم خیال و ہم سفیر و ہم نوا بودیم ما

معنئی یک بیت بودیم از طریق اتحاد
چوں دومصرعہ گرچہ در ظاہر جدا بودیم ما

مربیوں، سلسلے کے کارکنوں غرضیکہ جو شخص بھی سلسلے کا خدمت گزار ہو حافظ صاحب اس کی تعظیم اور قدر کرتے تھے۔ اور اُس کے خلاف کوئی بات سننا گوارا نہ فرماتے اگر کسی میں کوئی کوتاہی ہو تو اسے نظرانداز فرماتے۔ تمام مربیوں کا نام نہایت عزت اور محبت سے لیتے اور ان کی کارکردگی کو اجاگر کرتے۔ حافظ صاحب کی سیرت کا یہ پہلو بہت سبق آموز ہے۔

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے خاندان کے ہر فرد کے لئے بڑا ہو یا بچہ۔ حافظ صاحب کے دل میں والہیت اور فداکاری کا جذبہ کارفرما تھا۔ جب احرار کی شورش ۱۹۳۵ء کے بعد زوروں پر تھی تو ایک شریر شخص نے فساد انگیزی کے لئے حضرت مرزا شریف احمد صاحب پر ایک راستے میں حملہ کردیا۔ یہ قادیان کی بات ہے۔ فساد ہوتے ہوتے رک گیا۔ اِس واقعہ پر حضرت حافظ صاحب بڑے بے چین تھے۔ اور اپنے جذبات کو نظم میں ادا کیا۔ اُس کا ایک شعر یہ ہے۔

اے خون بہت کھول چکا بس اب ابل جا
اے جان تو کس دن کے لئے ہے یہ بتا دے

یہ شاہ بیت قال نہیں بلکہ حال ہے اور یہ وہ رجز ہے جہاں شاعر اپنا کلیجہ باہر نکال کر رکھ دیتا ہے اور جاں نثاری کے جذبات اُبھر آتے ہیں۔

احرار کی شورش کے ایام میں ہی اس شورش کے متعلق سردلبراں درحدیث دیگراں کے طور پر نظموں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ بہت دردناک نظمیں تھیں۔ مقطع میں سخن گسترانہ دعوت تھی۔

مظہر و گوہر کہاں ہیں صادق و بسمل کہاں
آج پھر مختار ہے محو بیان اہل درد

اِس دعوت پر نظموں کا ایک سلسلہ اسی قافیہ اور ردیف میں "الفضل" میں شائع ہوتا رہا جو حافظ صاحب کے طرح دینے پر "الفضل" میں منعقد ہوئی۔ استاذی المخدوم مولانا بسمل نے سینکڑوں شعر اس طرح میں سپرد قلم فرمائے اور یہ حق بات ہے کہ بسمل صاحب کا ہر شعر مضمون کو ختم کردینے والا اور نقطۂ عروج پر پہنچا ہوا تھا۔ اُس وقت حضرت بسملؔ کی عمر ۱۰۰ سال کے قریب تھی۔ لیکن کلام میں ایسا زور وشور اور آب و تاب تھی کہ اس کی مثال ملنا محال ہے۔

حافظ صاحب بسملؔ صاحب کے اشعار سے بے حد متاثر تھے اور فرماتے کہ ہم نے بے شک اپنی نظموں میں بہت زور مارا ہے مگر ہم کیا کوئی اور بھی بسمل صاحب کے کلام کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔ ایک شعر خاص طور پر ذکر فرماتے کہ یہ مضمون بسملؔ کے سوا کسی اور کو نہیں سوجھ سکتا تھا۔

طالبان راے رساند جذب تا بام وصال
برتراست از ہر دو عالم نردبان اہل درد

اسی قسم کے اور اشعار بسمل صاحب کے تھے جو فن شعر میں کمال کو ظاہر کرتے تھے۔

مخدوم چودھری ظفراللہ خان صاحب سے حافظ صاحب کو بڑی محبت تھی اور جناب چودھری صاحب بھی اس بات سے متاثر رہے اور جب آپ یورپ سے واپس آتے تو حافظ کی ملاقات کے لئے ضرور تشریف لے جاتے اور یہ معمول اور وضعداری ہمیشہ قائم رہی۔ حافظ صاحب اِن ملاقاتوں سے مسرور اور ممنون ہوتے۔

چہ خوش است از دو یکدل سر حرف باز کردن

اوپر ذکر ہوا ہے کہ حافظ صاحب سلسلے کے خادموں کی بڑی قدردانی فرماتے تھے۔ مقدمہ بیت شاہجہان پور کے تعلق میں حافظ صاحب کی تحریک پر صدر انجمن احمدیہ نے روئیداد پاس کی اس کے ذکر کرنے میں گو خاکسار کو حجاب محسوس ہوتا ہے لیکن اس میں حافظ صاحب کی سیرت کا ایک پہلو مضمر ہے۔ اور یہاں درج کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

حجاب مانع قرب است وشرم حائل لطف
بہ نزد او رہ اظہار آرزو بکشائے

بہرحال وہ قرارداد حسب ذیل ہے۔

نقل ریزولیوشن نمبر ۴۶۳ مجلس معتمدین وصدر انجمن احمدیہ قادیان۔ رپورٹ ناظر اعلیٰ کہ مقدمہ بیت شاہجہانپور میں مولوی فضل دین صاحب نے مسلسل تین ماہ محنت کی ہے اور اسی طرح محمد احمد صاحب پلیڈر نے ایک ماہ چند روز اور مولوی غلام احمد صاحب مولوی فاضل نے بھی محنت کی ہے اور چودہری ظفراللہ خان صاحب نے مقدمہ میں خوب بحث کی ہے۔

سلسلہ کے وقار کو ان حضرات کی کوشش جاں کاہ اور محنت عظیم سے بہت نفع پہنچا ہے۔ سید مختار احمد صاحب لکھتے ہیں کہ مولوی فضل دین صاحب اور محمد احمد صاحب نے دن کو دن اور رات کو رات نہیں سمجھا۔ دن رات لگاتار محنت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی انہیں جزائے خیر دے سکتا ہے۔ پس میں سمجھتا ہوں کہ مجلس ان چاروں احباب کی محنت کے اعتراف کا اور شکریہ کا ووٹ پاس کرے۔

پیش ہو کر فیصلہ ہوا کہ واقعی مولوی فضل دین صاحب اور محمد احمد صاحب اور مولوی غلام احمد صاحب نے جس محنت اور جانفشانی سے اس مقدمہ کی پیروی

ہیں کوشش کی ہے وہ خاص طور پر قابل شکریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور آئندہ سلسلہ کی بیش از بیش خدمات بجالانے کی توفیق بخشے۔ ناظر اعلیٰ مجلس کی طرف سے ان ہر سہ احباب کا تحریری شکریہ ادا کریں۔ مولوی فضل دین صاحب خصوصیت کے ساتھ شکریہ کے حقدار ہیں۔ اسی طرح چودہری ظفراللہ خان صاحب نے جس طرح اپنا قیمتی وقت دے کر نہایت قابلیت کے ساتھ مقدمہ کی بحث کی ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ ان کی خدمت میں بھی شکریے کا خط لکھا جائے گا اور حضرت امام (امام جماعت الثانی) کی خدمت میں ان چار احباب کے لئے دعاؤں کی تحریک کی جائے۔

ذوالفقار علی خان قائم مقام ناظر اعلیٰ۔ ۱۵ر فروری ۱۹۲۷ء
(الفضل ۲۷۔۲۸ اگست ۱۹۷۰ء)

خدا بھلا کرے تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے منتظمین کا سال ۱۹۶۴ء میں کانووکیشن کے خطبہ صدارت کے لئے ان کی نظر انتخاب حافظ صاحب پر پڑی۔ حافظ صاحب اپنی عمر کے آخری سالوں میں بہت بیمار اور نحیف ہو گئے تھے۔ ایسی حالت میں آپ نے خطبہ صدارت لکھوایا جو مولانا جلال الدین صاحب شمس نے کانووکیشن کے اجلاس میں پڑھا۔ یہ خطبہ صدارت اردو ادب کا ایک شاہکار، سوزگداز کا ایک مرقع اور طلبہ کی آئندہ کی زندگی کے لئے مشعل راہ ہے۔ کانووکیشن میں ایسے خطبہ بڑے کمیاب ہیں۔ یہ خطبہ اس قابل ہے طلباء اسے باربار پڑھیں۔ اور خطبہ سے ظاہر ہے کہ یہ فقیر گوشہ نشین تعلیمی اداروں اور طلبہ کی ضرورت سے ایسا باخبر ہے گویا کسی یونیورسٹی کا اعلیٰ کارکن ہے۔

ہمارا نرم رو قاصد پیام زندگی لایا
خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بیخبر نکلے

جہل علم کی بعض شاخیں ہیں

(۱)

آں کس کہ نداندوبداند کہ بداند
درجہل مرکب ابدالدہر بماند

(۲)

واں کس کہ بداند وندانذ کہ بداند
او نیز خر خویش بہ منزل برساند

(۳)

وانکس کہ بداندوبداند کہ نداند
اسپ طرب از گنبد گردوں برساند

بعض لوگ جہل مرکب میں گرفتار ہوتے ہیں۔ تاریخ ادب پر ان کی نظر بسیط نہیں ہوتی نہیں جانتے کہ ایک وقت میں بعض الفاظ اور محاورے رائج ہوتے ہیں لیکن دوسرے وقت میں متروک ہوجاتے ہیں۔ ہر زبان میں اس قسم کے الفاظ اور یہ اتار چڑھاوء پایا جاتا ہے۔ حضرت بانی سلسلہ کے ایک شعر میں "کہ تا" کے الفاظ پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے۔ اس اعتراض کا رفع وذب حافظ صاحب نے کرنا چاہا مجھ سے فردوسی کا شاہنامہ لیا اور اس سے درجنوں شعر منتخب کئے۔ جن میں "کہ تا" کی ترکیب آتی ہے۔ پھر متقدمین کے کلام کو کھنگالا اور وہاں سے بیسیوں شعر ایسے نکالے پھر دیوان غالب سے ایسے اشعار منتخب کیئے اور اس تمام مواد کو شائع کردیا کہ دروغ گوراتا بہ خانہ باید رسانید خاکسار کی کتاب Arabic the Source of all Languages شائع ہوئی اور اخبار پاکستان ٹائمز مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۶۵ء میں کتاب مذکور پر ایک عالمانہ اور سیر حاصل تبصرہ شائع ہوا۔ حافظ

صاحب نے اس کا ترجمہ اردو میں کروایا اور سارا تبصرہ سنا اور محظوظ ہوئے۔ مجھے فرمانے لگے:۔

"بھائی ہمیں وہ کتاب دی ہوتی۔ کیا ہوا جو ہم انگریزی نہیں پڑھے۔ ہم کسی سے کتاب پڑھ کر سنیں گے۔ ہمارے پاس ہر قسم کا آدمی آتا ہے۔ اسے دکھائیں گے۔ بات چلے گی اور حضرت بانی سلسلہ کا ذکر ضرور آئے گا میں نے کتاب آپ کی خدمت میں پیش کردی۔ ظاہر ہے کہ اپنے علم میں اضافے کے لئے آپ کس قدر حریص تھے۔ پیر شوبیاموز

خود بہت بڑے شاعر اور ادیب تھے۔ خاکسار کی نظموں پر بڑی خوشی کا اظہار فرماتے اور بعض دفعہ میری کسی نظم کی داد اور پسندیدگی کا اظہار اردو نظم میں لکھ کر بھیجتے۔ اس قسم کی قدردانی سے بڑی حوصلہ افزائی ہوتی ہے بعض اوقات اپنے استاد کا یہ شعر پڑھتے۔

شاعر کو مست رکھتی ہے محفل کی داد امیر
دو بوتلوں کا نشہ ہے اک واہ واہ میں

آپ کا خط نہایت پاکیزہ تھا۔ کارڈ کو ہتھیلی پر رکھ کر لکھنا شروع کرتے اور ایک کارڈ پر ۲۵ سے ۳۰ سطریں لکھتے۔ چاہو تو مسطر سے ناپ لو کسی سطر میں کوئی جھول یا جھکاؤ نہ ہوگا۔ تحریر ایسی کہ گویا موتی پرودیئے ہیں۔

بدخطی ایک بہت بڑا نقص ہوتا ہے۔ لیکن خوشخطی اس کے مقابل بڑی موثر چیز ہے۔ یہاں تک کہ۔

خط خوب رقیمہ سفارش است

آپ کی عمر سو سال سے اوپر ہوئی۔ ۱۸۹۲ءمیں بیعت کی اور ۱۹۶۹ء میں وفات پائی اور یہ ۷۷ سال کا عرصہ تمام کا تمام سلسلے کی خدمت، دوستوں کی خیرخواہی،

مستفیین کی امداد اور تلقین میں گزارا۔ بے نفسی، بے ریائی، طبعی انکسار اور بے غرضی سے ہر ایک کام کیا۔ اللہ تعالی حافظ صاحب کے مدارج میں ترقی دے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

اپنے کاموں کی وجہ سے حافظ صاحب زندہ جاوید ہیں۔ سلسلہ احمدیہ براِبتلا وامتحان کے سینکڑوں دور آئے جیسا کہ الہی سلسلوں سے اللہ تعالی کی سنت ہے۔ حافظ صاحب مرحوم اپنے صدق ووفا میں ازاول تا آخر ثابت قدم رہے۔

خدا رحمت کنہ این عاشقان پاک طینت را



ہدیہ عقیدت

اُردو کے نامور شاعر جناب امیر مینائی
کے شاگرد رشید
حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختؔار شاہجہانپوری

مکرم لئیق احمد صاحب طاہر۔ نائب امام مسجد لندن

پورا نام مختار احمد۔ تخلص مختؔار تھا ۱۸۵۷ء کے قریب شاہجہانپور میں پیدا ہوئے والد ماجد کا نام حافظ سید علی میاں تھا جو اپنے دور کے جیّد عالم اور فقیہہ الامت تھے۔ درس و تدریس مشغلہ تھا۔ والد ماجد متعدد کتب کے مصنف تھے۔ قرآن فہمی۔ فقہ اور حدیث میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ دادا کا نام سید ضیاء الدین احمد تھا۔ آپ ترمزی خاندان کے سادات سے تھے اور شاہجہانپور میں بہت بڑی جاگیر کے مالک تھے۔ دولت و ثروت کی ریل پیل تھی اور رؤسائے شاہجہانپور میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔

شاعری کے لئے نہایت موزوں طبعیت پائی تھی۔ ابتداء میں کچھ اصلاح اپنے استاد حضرت فضل احمد سے لی بعدازاں امیر مینائی سے شرف تلمند حاصل کیا امیر مینائی کے شاگردوں میں آپ کو خاص مقام حاصل تھا۔ اُس زمانہ کے نامور شعراء اور ادباء شعر و سخن اور ادب کے میدان میں آپ کی غیر معمولی لیاقت و قابلیت اور صلاحیت کے معترف اور قدر دان تھے۔

ابتداء میں تعلیم گھر میں ہی حاصل کی۔ گھرانہ دیندار تھا۔ لہذا دین سے ہمیشہ شغف رہا۔ آپ کی نظم اور نثر ساری عمر تصوف۔ ادب روحانیات اور

الہٰیات کے ابلاغ کے لئے وقف تھے ۔ عام شعراء کی طرح شوق کے لئے اور وارفتگی کا اظہار آپ کے پاکیزہ کلام سے ہرگز نہ ہوتا تھا۔

قرآن مجید حفظ کیا۔ گھر میں نماز و دعا کے بعد بڑا مشغلہ باغبانی تھا۔ مکان پورا محل سرا تھا۔ جس میں طرح طرح کے پھلدار درخت اور رنگ برنگ کے پھول لگا رکھے تھے۔ ان کی آبیاری، نگہداشت اور حفاظت میں ایسا انہماک تھا جیسے کسی ماں کو اپنے عزیز بیٹوں سے ہوتا ہے۔

عین زمانہ شباب میں آپ کو کسی عزیز نے بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود، مہدی موعود کی ایک زیر طبع کتاب اور دیگر لٹریچر لاکر دیا ۔ جس نے آپ کی زندگی کی کایا پلٹ دی ایک علمی مسئلہ جو ایک عرصہ سے آپ کے لئے سوہان روح ثابت ہو رہا تھا۔ اسے اس کتاب نے حل کیا۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے " وجدک ضالا فھدی " کے الفاظ استعمال کئے تھے جن کے معنے پہلے مفسر اور علماء یہ کیا کرتے تھے کہ آنحضرت کو خدا تعالیٰ نے نعوذ باللہ گمراہ پایا اور پھر ہدایت دے دی۔ اس ترجمہ سے آنحضرت کی کسر شان ہوتی تھی۔ سیدنا حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ ضآل کے معنے محبت میں گم ہو جانے کے ہیں۔ جیسے کوئی انسان کسی کے فراق اور ہجر کی وجہ سے غم اور حزن کی وجہ سے عشق و محبت کی وجہ سے کھو سا جاتا ہے یہی حال عشق ایزدی میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ ورنہ آنحضرت تو بادشاہ دوسرا تھے۔ علم و فہم میں نکتہ منتہی تھے۔ زمین میں خدا تعالیٰ کی تخلیق کا کامل واکمل اور اتم نمونہ تھے۔ خود ہادی برحق تھے۔ آپ کا گمراہ ہونا نعوذ باللہ چہ معنی دارد اس پُر معرفت تحریر نے آپ کی روح گداز کر دی اور بانی سلسلہ احمدیہ کی کتب کے مطالعہ کے بعد ۱۸۹۲ء میں بیعت کرکے داخل سلسلہ ہو گئے اور خدا تعالیٰ نے آپ کو اتنی نافع الناس اور بابرکت زندگی عطا فرمائی کہ اس

آخری زمانہ میں آپ کو قدیم ترین رفیق ہونے کا شرف حاصل تھا۔

حضرت حافظ صاحب کے دربار کی عجیب شانِ خسروانہ تھی۔ پُروقار گفتگو با ادب اہل مجلس نفیس طبعیت لیکن سادگی ایسی کہ اصحاب صفہ کی یاد تازہ ہو آخری دس پندرہ سال اپنے بستر پر لیٹے لیٹے گزار دیئے طبعیت کمزور رہتی تھی۔ پیرانہ سالی کا تقاضا تھا لیکن دربار کی شان وہی تھی۔ آنے والوں کا ہمیشہ تانتا بندھا رہتا تھا۔ آپ کی محفل میں بیٹھ کر انسان روحانی سکون محسوس کرتا تھا۔ نہایت شستہ زبان اور روحانیت میں ڈوبا ہوا کلام ہر شخص کے لئے ایمان افزا ثابت ہوتا طبعیت مزاج شناس تھی۔ محفل کے مطابق ایسے موضوع پہ گفتگو فرماتے جس سے چھوٹا بڑا ہر ایک لطف اندوز ہوتا۔ آپ اہل زبان تو تھے ہی لیکن عارف ربانی ہونے کی وجہ سے آپ کے کلام میں ایسی حلاوت اور مٹھاس پیدا ہوجاتی تھی کہ انسان اس پہ سر دھننے لگتا تھا۔ خصوصاً جب کوئی زیر تربیت دوست آپ کی مجلس میں بیٹھے ہوں تو پھر تو سماں بندھ جاتا تھا۔ شعر و شاعری میں آپ کے صحیح مقام کا علم کسی بڑے شاعر کو ہی ہو سکتا ہے۔ عموماً لوگ آپ سے اصلاح لیتے تھے ۔ لیکن جن کی طبعیت اس فن کے لئے موزوں نہ ہوتی اُسے روک دیتے کہ یہ آپ کے بس کا کام نہیں۔ ہزاروں ہزار اشعار یاد تھے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود کے فارسی یا اُردو اشعار پر اگر کوئی مخالف اعتراض کرتا تو جھٹ بیسیوں اشعار پرانے مستند شعراء کے کلام سے اُسی بحر اور قافیہ کے پیش کر دیتے۔ محض اسی ایک مثال سے آپ کے وسعتِ مطالعہ اور ادب سے محبت کا علم ہو سکتا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ اس فن میں حضرت حافظ صاحب ہماری ساری جماعت میں یکتا تھے اور یکتا رہے۔ اور اُن کا ابھی کوئی مثیل پیدا نہیں ہوا تو بے جا نہ ہوگا کئی دفعہ فرمایا کہ ہم جب شعر کہتے ہیں تو پانچ دس شعر کہنا ہمارے اختیار سے باہر ہے پھر تو ایک بارش برسنا شروع ہو جاتی ہے اور جب تک خود بخود سو پچاس شعر موزوں

نہ ہو جائیں طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ سلسلہ کے پرانے رسائل "فاروق"۔ "الحکم" اور "الفضل" میں آپ کی نعتیں اور حمد باری تعالیٰ سے معمور نظمیں آپ کے بلند مقام کی شاہد ناطق ہیں۔

سیدنا حضرت مسیح موعود سے جو عشق تھا اس کا اظہار آپ کے اس شعر سے ہوتا ہے۔

جلوہ فرما ہیں محمد احمد مختار میں
دو مزے آنکھوں نے پائے اک ترے دیدار میں

یعنی ہمیں حضرت مسیح موعود کی بیعت کا شرف حاصل کر کے نہ صرف یہ کہ مسیح موعود کے دیدار کا موقع ملا ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی ہو گئی ہے کیونکہ مسیح موعود کا حسن ذاتی نہیں ہے یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہے۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ظہور ثانی احمد مختار کے وجود باجود سے ہوا ہے۔

حضرت سید محمد احسن امروہی نے صداقت حضرت مسیح موعود کے ثبوت میں ایک رسالہ "مسک العارف" لکھا۔ حضرت حافظ صاحب کا ایک قصیدہ "درشان مسیح موعود" اس میں شائع ہوا ہے جس کے ۱۵۶ اشعار ہیں۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اے ہادی باعزوشاں
اے مہدی آخر زماں
اے باعث آرام جاں
اے دافع رنج و الم
شمس و قمر کا واقعہ
تھا جو کہ قول مصطفیٰ

وہ بھی تو پورا ہوگیا
پھر کس طرح مانیں نہ ہم
وہ حامئ اسلام ہے
اس کا یہی اک کام ہے
مصروف صبح و شام ہے
اس کام میں وہ ذی چشم
کر ختم اب یہ داستاں
کیا تو ہے کیا تیرا بیاں
مختار روک اپنی زباں
مختار روک اپنا قلم

لاہور میں قیام کے دوران کوئی غیر از جماعت عالم آپ سے استفادہ کرنا چاہتے تھے لیکن عوام سے بہت ڈرتے تھے کہ کہیں مرزائی اور قادیانی مشہور نہ کر دیں۔ چنانچہ وہ کبھی رات کے اندھیرے میں کبھی علی الصبح آپ کے حضور میں حاضر ہوتے۔ آہستہ آہستہ جھجک دور ہوئی تو آزادانہ آنے لگے۔ اس پر حضرت حافظ صاحب نے یہ شعر فرمائے۔

نرالا مست ہوں واعظ بھی مشتاقانہ آتا ہے
کبھی چھپ چھپ کے آتا تھا اب آزادانہ آتا ہے
بڑی رنگینیاں ہیں یوں تو واعظ کی طبیعت میں
مگر منبر پر آتا ہے تو معصومانہ آتا ہے
جواب لن ترانی اب نہ آئیگا نہ آتا تھا
تڑپنا جانتا ہوں۔ نعرہ مستانہ آتا ہے

ہوائے آب و دانہ میں جو اُڑتے ہیں تو اُڑنے دو
مرے لب تک تو خود اُڑ اُڑ کے اِک اِک دانہ آتا ہے

نکل آیا ہے موقع آپ بیتی کیوں نہ کہہ ڈالوں
یہ فرمائش ہوئی ہے کیا ۔ کوئی افسانہ آتا ہے

آپ کی سب سے نمایاں صفت تعلق باللہ تھی جس کا اظہار آپ کے روئیں روئیں سے ہوتا تھا لیکن اِس بلند مرتبہ کے باوجود ۔ شاذ بہت شاذ کبھی خود اِس کا اظہار فرماتے ۔ کبھی کوئی کشف یا الہام یا خواب بیان کی ہو ۔ بہت کم گو صاحب الہام ورد یا وکشوف تھے ۔ آپ کے تعلق باری کا اظہار ایک ذاتی واقعہ سے ہوتا ہے ۔ جامعہ احمدیہ کے سالانہ امتحان ہو رہے تھے اور خاکسار بہت کثرت سے آپ کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کرتا تھا ۔ امتحان ختم ہوئے اور نتیجہ کا اعلان ہونے میں چند دن باقی تھے ہم حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی ۔ میرے ساتھ ایک اور دوست بھی تھے جو عموماً میرے ساتھ ہی جاکر دعا کی درخواست کرتے تھے ۔ حضرت حافظ صاحب سے میں نے ہی انہیں متعارف کرایا تھا اور حضرت حافظ صاحب کی پر کشش شخصیت نے ان صاحب پر ایسا اثر کیا تھا کہ جونہی فرصت کا وقت ملتا سیدھے حضرت حافظ صاحب کے پاس پہنچتے اور جو خدمت ہوتی بخوشی انجام دیتے ۔ ہماری درخواست دعا پر حضرت حافظ صاحب نے غیر معمولی طور پر فرمایا ۔ " میاں جاؤ اور خوش رہو ۔ تم امتحان میں پاس ہو گئے ہو ۔" جب نتیجہ نکلا تو ایسا ہی ہوا ۔ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے کامیاب رہے تھے ۔

میرے ایک اور عزیز دوست نے لندن میں حضرت حافظ صاحب کے تعلق باری تعالیٰ کا ذکر کیا ۔ کہنے لگے ۔ میری والدہ حضرت حافظ صاحب کے زیرتربیت تھیں ۔ میں نے اپنے خاندان میں چھوٹی عمر میں ہی احمدیت قبول کرلی تھی سارے

خاندان نے شدید مخالفت کی ۔ آہستہ آہستہ والدہ ماجدہ احمدیت میں دلچسپی لینے لگیں اور حضرت حافظ صاحب کے ہاں میرے ساتھ جائیں اور اپنے استفسارات پیش کریں ۔ اس بحث و مباحثہ میں کئی مہینے صرف ہوئے آخر ایک روز گھر میں والدہ نے بلایا اور بیعت فارم پر کرکے بند لفافے میں ڈال کر مجھے دیدیا اور کہا کہ حضرت حافظ صاحب کو دے آؤ ۔ میں حاضر ہوا اور لفافہ پیش کیا ۔ آپ نے خاموشی سے لے کر سرہانے کے نیچے رکھ دیا ۔ میں نے عرض کیا حضرت آپ نے اسے کھول کر دیکھا نہیں کہ اس میں کیا ہے فرمایا " ہمیں معلوم ہے اس میں تمہاری والدہ کا بیعت فارم ہے ۔" پھر فرمایا ۔ میاں یاد رہے ۔ " اگر ہم پر بارش نہیں پڑتی تو پھوار تو ضرور پڑتی ہے ۔" گویا آپ کو کشفاً یا الہاماً خدا تعالیٰ نے قبل از وقت اس سارے واقعہ کی خبر دے رکھی تھی حضرت حافظ صاحب کو خدا داد ملکہ دعوت حاصل تھا ۔ اس بڑھاپے اور ضعیفی کی عمر میں جس والہیت ، جذبہ و جوش اور دلسوزی سے تربیت فرماتے تھے اسے دیکھ کے رشک آتا تھا باوجود اس کے کہ جسم بہت کمزور اور نحیف تھا پھر بھی آپ کی آواز میں گرج ، شوکت ، کشش ، جذب اور رعب امتیازی تھا جو آپ کے جوش تربیت کا آئینہ دار ہے ۔ فرمایا کرتے تھے " مخالف کی نفسیات کا مطالعہ ضروری ہے ۔ ورنہ تربیت فائدہ مند نہیں ہوتی ۔ کئی دفعہ فرمایا کہ زیر تربیت شخص میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے ۔ ۱۔ جرات ۲۔ قوت موازنہ اور ۳ متلاشی حق ہونا " فرمایا " اگر کسی شخص میں جرات کا فقدان ہو ۔ تو باوجود سچائی کا علم ہو جانے کے وہ اس سے محروم رہتا ہے ۔ اپنے عزیزوں ، رشتہ داروں کا خوف اظہار حق میں روک بن جاتا ہے ۔ اسی طرح

نوٹ (یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب حضرت حافظ صاحب جو ہامل بلڈنگ لاہور میں قیام فرما تھے ۔ یہ واقعہ برادر مکرم سید محمد الیاس ناصر دہلوی (مقیم لندن) نے راقم الحروف کو سنایا ۔ یہ انہیں کی والدہ کے بیعت کا واقعہ ہے ۔)

جس شخص کو قوت موازنہ حاصل نہ ہو وہ اچھے اور برے نیک اور بد کی تمیز ہی نہیں کرسکتا اور جسے حق کی تلاش ہی نہیں وہ کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتا اور بات کو سنی ان سنی کر دیتا ہے۔ جب تک دل میں جستجو نہ ہو تربیت کا فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت حافظ صاحب کی وہ محفلیں بہت ہی دلچسپ اور رنگین ہوا کرتی تھیں جس میں کوئی زیر تربیت شخص بیٹھا ہو۔ بڑے بڑے مخالف آپ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے تھے۔ مخالفین کو دعوت کا ایک طریق یہ بھی تھا کہ بڑے بڑے علماء کی کتب سے یہ ثابت کرتے تھے کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کی مخالفت میں دیانتداری سے کام نہیں لیا۔ عمداً حضور کی طرف جھوٹی باتیں وضع کر کے منسوب کی ہیں۔ اگر مخالف مولویوں کی دیانتداری کا یہ عالم ہے تو ان کی تقلید سے انسان ہدایت حاصل کیونکر کرسکتا ہے مخالف کی کتاب ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کے ہاتھ میں پکڑاتے اور خود زبانی حوالہ پڑھنا شروع کرتے اور ساتھ ساتھ پوچھتے کہ کیا یہ بات جو مخالف مولوی نے لکھی ہے حضور کی کتاب میں موجود ہے۔ دونوں کتب کا موازنہ زیر تربیت شخص کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ثابت ہوتا اور اس طرح ایسے لوگوں کو حضور کی اصل تحریر پڑھنے کی طرف توجہ ہوتی۔ کئی بار فرمایا کہ اگر زیر دعوت شخص میرے پاس ایک دفعہ آنے کے بعد دوبارہ چلا آئے تو ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ اب یہ احمدیت کی نعمت سے محروم نہیں رہے گا اور ہم نے اس کا نظارہ بیسیوں دفعہ دیکھا ہے۔ کتنے ہی لوگ حضرت حافظ صاحب کے ذریعہ حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔

تربیت کے بارے میں فرماتے کہ مخالف کو ہمیشہ مُسکت جواب نہیں دینا چاہیئے کیونکہ مسکت جواب سے سلسلہ تربیت رک جاتا ہے۔ اسی طرح فرمایا مناظرہ میں یہ کوشش نہیں کرنی چاہیئے کہ مخالف کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیا جائے بلکہ اس کے موٹے اور ٹھوس اعتراضات کا مدلل جواب دینا چاہیئے اس سے

حاضرین زیادہ اثر لیتے ہیں۔

خلافت سے عشق اپنی انتہاء کو پہنچا ہوا تھا حضرت خلیفہ ثانی کی وفات پر نوجوانوں کو خلافت سے گہرا تعلق پیدا کرنے تلقین اس کثرت سے کی کہ ابتدائی چند ہفتوں میں انہیں اسی موضوع پر بولتے ہوئے پایا۔ خلفیہ وقت سے ذاتی تعلق اور محبت کرنے کی نصیحت فرماتے۔

ایک دفعہ فرمانے لگے کہ ہمیں تو انتخاب خلافت سے پہلے ہی علم تھا کہ کس نے خلیفہ بننا ہے۔ فرمایا "انتخاب خلافت کے خصوصی اجلاس میں میرا بھی ایک ووٹ تھا۔ میں نے باسط کو بلایا (باسط مرحوم۔ حضرت حافظ صاحب کے عزیزوں میں سے تھے اور سالہا سال تک حضرت حافظ صاحب کی خدمت کی سعادت حاصل کرتے رہے) اور کہا کہ جاؤ اور چوہدری اسد اللہ خانصاحب سے کہنا کہ جسے وہ اپنا ووٹ دیں گے میرا ووٹ بھی انہی کو دیدیں۔ اس پر باسط صاحب نے عرض کی کہ وہ کسے ووٹ دینگے فرمایا وہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کو ووٹ دیں گے اور وہی خلیفہ بنیں گے۔ انتخاب خلافت سے قبل حضرت حافظ صاحب کا یہ ارشاد اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کو یہ علم خدا تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوا تھا اور ایسا ہی وقوع میں آیا۔

حضرت حافظ صاحب علالت اور ضعف کی وجہ سے خود بیعت خلافت ثالثہ کے لئے حاضر نہ ہوسکتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث از راہ شفقت آپ کے غریب خانہ پر تشریف لے گئے اور بیعت سے آپ کو سرفراز فرمایا۔

حضرت حافظ صاحب کو خدا تعالیٰ نے بہت لمبی زندگی سے نوازا۔ متعدد لوگ دلچسپی رکھتے تھے کہ آپ کی عمر معلوم کریں۔ فرمایا "ایک دفعہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب تشریف لائے۔ میں کسی کام میں مصروف تھا۔ غالباً خط و کتابت کا کام تھا۔

حضرت میاں صاحب نے فرمایا۔ کہ آپ کی عمر کتنی ہے آپ نے لکھتے لکھتے ہی جواب دیا کہ سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ ایسا نہ ہو کہیں حضرت عزرائیل کو ہماری عمر کا علم ہو جائے اور بلاوا آجائے۔ پھر فرمایا کہ میاں صاحب میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو بہت چھوٹی عمر میں جبکہ آپ چند سال کے تھے قادیان میں کھیلتے دیکھا۔

فرمایا ایک دفعہ حضرت خلیفہ ثانی جبکہ بہت ہی چھوٹی عمر کے تھے اپنے گھر کے سامنے کھیل رہے تھے۔ حضرت خلیفہ اول وہاں سے گزرے میں بھی ساتھ تھا حضرت خلیفہ اول پیار اور محبت سے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا۔ میاں آپ یہاں کھیل رہے ہو۔ آپ کے ابّا تو بہت محنت کرتے ہیں۔ اس پر حضرت خلیفہ ثانی نے فرمایا ہم بڑے ہو کر بہت کام کریں گے۔ حضرت خلیفہ اول نے فرمایا "تواڈھے پیو دا وی ایہی خیال اے" یعنی حضرت مسیح موعود کا بھی یہی خیال ہے حضرت حافظ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مجھے پنجابی میں "پیو" (باپ) کے معنی نہ آتے تھے اس لئے مجھے کچھ سمجھ نہ آئی۔ میں نے کسی سے پوچھا کہ پیو کسے کہتے ہیں۔ اس پر مجھے حقیقت کا علم ہوا۔

اس کا جواب پیرِ فلک ہی جو دے تو دے
کب سے ہوں، کیا بتاؤں چلا آرہا ہوں میں

باب اول

حضرت حافظ سید علی میاں

جیسا کہ آپ نے اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ بانیان شہر کی ترغیب و تحریص اور خود شہر کی روز افزوں ترقی نے افغان قبائل کو اس طرف مائل کیا اور مختلف قبیلوں کے لوگ یہاں آکر آباد ہونے لگے اور رفتہ رفتہ مختلف قبائل کے نام پر محلے وجود میں آئے جو آج بھی اُنہیں ناموں سے معروف ہیں۔ مثلاً ملا زئی، باروزئی سن زئی، جلال نگر، قدن خیل، ملاخیل وغیرہ۔

ان نئے آباد کاروں میں علماء و صوفیا کا ایک طبقہ بھی شامل تھا۔ انہیں علماء میں سید علی میاں کے والد ماجد اور دادا بھی شامل تھے جو ترک سکونت کے بعد مستقل طور سے شاہجہانپور میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ راقم الحروف نے ان بزرگوں کو تو نہیں دیکھا لیکن حافظ سید علی میاں کے والد ماجد سید ضیاء الدین احمد میاں کا نام ضرور سنا ہے۔ شاہجہانپوری افاغنہ ان علماء اور صوفیاء کی بہت عزت کرتے تھے اور اُن کے بڑے عقیدتمند تھے چنانچہ سید علی میاں کے والد ماجد کے معتقدین نے محلہ ترین میں ایک مسجد تعمیر کرائی اور اس کا امام و متولی سید ضیاء الدین احمد میاں کو مقرر کیا۔ یہ مسجد جو بعدازاں قادیانیوں کی مسجد کے نام سے مشہور ہوئی سید ضیاء الدین احمد میاں کی وفات کے بعد ان کے بیٹے اور پھر ان کے پوتے سید علی میاں و سید مختار احمد میاں کی تولیت میں رہی۔

سید علی میاں قدرت کی ان شاہکار ہستیوں میں سے ایک تھے جو زمانہ کی سینکڑوں گردشوں کے بعد منصّۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہیں اور اپنے محیر العقول کارناموں سے دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔

اپنے والد ماجد کی سیرت کے متعلق حافظ سید مختار میاں کا مندرجہ ذیل بیان اُن کے والد کی پاکیزہ سیرت اور اُن کے تبحّر علمی پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہے۔

ایک استفسار کے جواب میں آپ نے فرمایا۔

" میرے والد بزگوار حضرت حافظ سید علی میاں نہایت عالم عابد زاہد بزرگ تھے ، جن کی زندگی سچے مسلمان کی زندگی تھی ۔ اُن کی نامور شخصیت کی وجہ سے بھی ہمارے خاندان کو بہت عظمت حاصل ہوئی ۔ نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو بھی آپ کی بہت عزت کرتے تھے ۔

حضرت حافظ سید مختار احمد میاں فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب کو بیان کرتے سنا کہ یوپی کی طرف نظر کرو تو چوٹی کے علماء میں حضرت حافظ سید علی میاں ہیں ۔ انہوں نے اس بات کا بھی اظہار کیا کہ میں نے حافظہ کی خوبی میں حضرت والد صاحب جیسا کوئی ایک شخص بھی نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ ہماری املاک کے متعلق تمام رجسٹریاں اور سرکاری کاغذات کہیں گم ہوگئے ۔ اُن کی ہو بہو نقل حضرت والد صاحب نے اپنی زبانی یاد داشت کی بناء پر سطر بہ سطر لکھ ڈالی اور لطف یہ کہ اگر اصل دستاویز میں کوئی لفظ کٹا ہوا تھا تو وہ نقل میں بھی کٹا ہوا تھا ۔ چند دن کے بعد کاغذات بازیاب ہوگئے تو نقول کے مطابق اصل پاکر سب لوگ حیران رہ گئے ۔

حضرت حافظ سید علی میاں کے ایام طفولیت کے بارے میں تو اپنے ذاتی مشاہدہ کی بناء پر کچھ عرض نہیں کرسکتا ، جو کچھ بیان کروں گا وہ اُن

یادداشتوں کی بنیاد پر ہوگا جو ہوش سنبھالنے پر ان کی ابتدائی زندگی کے متعلق سننے میں آئیں اور حافظہ میں محفوظ رہ گئیں۔

راقم الحروف کو حضرت حافظ صاحب کی ہمسائیگی کا شرف بھی حاصل ہوا ۔ اُن کو قریب سے دیکھنے ، اُن کی اقتدا میں نمازیں اداکرنے اور اُن کی خدمات بجا لانے کی سعادت بھی نصیب ہوئی ۔ میں نے مشاہدہ کیا کہ وہ ایک نہایت سادہ منکسر المزاج ، مختی بلا کے ذہین و فہیم اور شگفتہ مزاج بزرگ تھے

اُن کی ابتدائی تعلیم کے متعلق صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ اُن کے اُستاد کھیل ہی کھیل میں اُن کو سبق پڑھا دیا کرتے تھے جو اُنھیں فوراً یاد ہو جاتا تھا ۔ اور پھر کبھی ذہن سے محو نہ ہوتا تھا ۔ وہ جو کتاب پڑھتے تھے وہ ازبر ہو جاتی تھی ۔ حافظہ کی اس حیرت انگیز طاقت نے آخر وقت تک اُن کا ساتھ نہ چھوڑا ۔ آپ کے کسی درسگاہ میں تعلیم پانے کی کوئی شہادت راقم الحروف کو نہیں ملی لیکن یہ خیال قرین قیاس ہے کہ آپ نے عربی و فارسی کی تعلیم اپنے والد ماجد ہی سے حاصل کی ہوگی۔

حضرت سید علی میاں کے بے نظیر حافظہ کے متعلق کئی داستانیں مشہور ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر کے اوراق میں آچکا ہے ۔ ایک بات یہ بھی مشہور تھی کہ آپ کی ملکیت میں جو دو گاؤں تھے اُن کا حساب کتاب وہ خود رکھتے تھے ۔ کوئی کارندہ کبھی نہ رکھا ۔ ان موضعوں کے باغات کے کل درختوں بلکہ درختوں کے پھلوں تک کی تعداد آپ کے حافظہ میں محفوظ رہتی تھی اور وقت ضرورت اس سے کام لیتے تھے آپ سال میں ایک یا دو بار ان مواضعات کی آمدنی وصول کرنے جایا کرتے تھے ۔ واپسی پر تمام رقم برادرم **حافظ عبد الجمیل** صاحب مرحوم کے پاس جمع کروایا کرتے تھے اور حسب ضرورت ان سے لیتے رہتے تھے ۔ **حافظ عبدالجمیل** صاحب مرحوم جن کا انٹرویو شامل کتاب ہذا ہے حضرت حاجی عبد القدیر صاحب تاجر گورنمنٹ کنٹریکٹر کے منجھلے صاحبزادے تھے ۔

حاجی عبد القدیر صاحب حضرت حافظ سید مختار احمد میاں کے ایسے یار وفا سرشت تھے جن کی مثال آج کل تو ناپید ہے ہی اُس وقت بھی کمیاب تھی۔ **حافظ عبد الجمیل** صاحب جنہوں نے حضرت حافظ سید مختار احمد میاں سے قرآن شریف پڑھا اور حفظ کیا تھا۔ تقسیم برصغیر پاک و ہند تک جماعت احمدیہ شاہ جہانپور کے سکریٹری مال کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ بعدازاں ترک سکونت کرکے پاکستان آگئے تھے۔ پہلے پنڈی پھر کچھ دن راقم الحروف کے الاٹ شدہ مکان واقع نواب شاہ میں گزارنے کے بعد مستقل طور سے کراچی میں سکونت پذیر ہوگئے تھے پاپوش نگر میں ایک مکان تعمیر کرایا تھا اور یہیں انتقال کیا (ہم اسی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔)

سید علی میاں کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ مارکین کا کرتہ پاجامہ اور دوپلی ٹوپی پہنتے تھے۔ پیر میں دیسی جوتوں کا جوڑا ہوتا تھا۔ میں نے اُن کو موزہ پہنتے کبھی نہیں دیکھا قد درمیانہ، سرخ و سفید رنگ پر سفید داڑھی ان کے نورانی چہرہ کی زینت تھی۔ خندہ پیشانی اور ہشاش بشاش رہنے والے مرنجاں مرنج انسان تھے۔ مشقت و محنت کے میدان میں کوئی جوان سے جوان مرد بھی آپ سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا تھا۔ ہمارے اس بیان کو ہرگز مبالغہ آرائی پر محمول نہ کیا جائے کیونکہ اُن کی محنت کا یہ عالم تھا کہ تقریباً ہر سال اپنے مکان کا نقشہ بتدیل کر دیا کرتے تھے اور مزدوروں کے ساتھ شامل ہو کر یہ کام کراتے تھے۔ مکان کی دیواریں کچی ہوتی تھیں۔ چھت کھپریلوں کی ہوتی تھی۔ چبوترہ اور صحن کو اپنی انتھک محنت اور جانفشانی سے ایک لہلہاتے باغ اور ایک خوشنما چمن کی صورت میں تبدیل کر دیا کرتے تھے۔ پودوں اور درختوں کو پانی اس چرخی کے ذریعہ خود دیا کرتے تھے جو انھوں نے اپنے صحن والے کنوئیں پر اسی مقصد سے لگا رکھی تھی گلاب، چنبیلی، بیلہ اور موتیا کے علاوہ رات کی رانی اور گل چاندنی کے درخت بھی لگائے تھے

خدمت خلق کے جذبہ کے تحت مکوہ اور کاسنی کے مفید پودے بھی بڑی تعداد میں لگاتے تھے جن کو ضرور تمند تلاش کرتے ہوئے آتے اور حسب ضرورت حاصل کر کے لے جاتے تھے مکوہ اور کاسنی کے تازہ پتے اُن دنوں طبیبوں کے کے اکثر نسخوں کا جزو ہوا کرتے تھے۔

آپ کے دانت آخر وقت تک سلامت رہے اور اُن کی چمک دمک میں کوئی فرق نہ آیا۔ گنّے چوس چوس کر چھلکوں کا ڈھیر لگا دیا کرتے تھے۔ اسی طرح بینائی میں بھی فرق نہ آیا اور نہ عینک لگانے کی نوبت آئی۔ آپ نے اُردو فارسی اور عربی میں درجنوں کتابیں تصنیف کیں۔ روانی کا یہ عالم تھا کہ قلم برداشتہ لکھتے چلے جاتے تھے کسی کانٹ چھانٹ کی نوبت نہ آتی تھی۔ راقم الحروف نے اُن کی اِن تصانیف کو دیکھا ہے۔ جو حضرت حافظ سید مختار احمد میاں نے اپنی ایک الماری میں سجا رکھی تھیں لیکن جن کے شائع ہونے کی کبھی نوبت نہ آئی۔ آج کل بڑے سائز کے جو ماہنامے شائع ہو رہے ہیں اُسی سائز کا بادامی کاغذ جو اس زمانے میں عام تھا استعمال کرتے تھے سیٹھے کے قلم سے لکھتے تھے۔ خط بہت پاکیزہ تھا اور باآسانی پڑھا جاسکتا تھا۔ جب قلم ہاتھ میں لیتے تھے تو گویا فصاحت کا در کھل جاتا تھا مضامین آپ کے دماغ میں لہریں مارتے ہوئے دریا کی مانند رواں ہو جاتے تھے وہ قلم برداشتہ اردو فارسی نثر و نظم غرضیکہ مختلف انداز میں اپنے خیالات کو صفحہ قرطاس پر منقل کرتے چلے جاتے تھے،

حضرت سید علی میاں کے تبحر علمی کا چرچا عام تھا اور ہندو پنڈتوں اور ودوانوں سے آپ کے مناظرے آئے دن ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسے ہی کسی مناظرہ میں ایک پنڈت جی بار بار کسی کتاب سے عبارتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوۃ و السلام پر اعتراضات کرتے تھے۔ خیر وہ دن تو گزر گیا۔ اختتام مناظرہ پر حافظ صاحب نے وہ کتاب پنڈت جی سے ایک رات کے لئے

مستعار لے لی اور گھر پہنچ کر سارے مضامین ازبر کر لئے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے روز مناظرے میں پنڈت جی کو شکست فاش ہوئی اور وہ مناظرہ کے اختتام سے پہلے ہی شاہجہانپور سے چلے گئے ۔

حافظ سید
علی میاں اس قدر ذہین تھے کہ اس زمانہ میں اُن کا مدمقابل کوئی نہیں تھا اُن کی ذہانت کے متعلق ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں ۔

حاجی عجائب علی خان شاہجہانپور کے ایک رئیس تھے ۔ وہ انگریزوں اور اُن کی حکومت کے سخت مخالف تھے یہاں تک کہ انہیں کے زیر اثر اُن کے صاحبزادے عنایت علی خان برسہا برس تک مقامی کانگریس کمیٹی کے سیکریٹری رہے ۔ حاجی صاحب آگے چل کر حضرت حافظ سید علی میاں اور ان کے لائق فرزند حضرت حافظ سید مختار احمد میاں کی سعی بلیغ سے حلقہ بہ گوش احمدیت ہو گئے تھے ۔ حاجی عجائب علی خاں صاحب کے متعلق مشہور تھا کہ انہوں نے مدینہ منورہ کی مسجد میں چار سال تک درس دیا تھا ۔ وہ ایک عالم فاضل شخصیت کے مالک تھے اور اُن کے پاس عربی ، فارسی اور اُردو کتب کی ایک نادر لائبریری بھی تھی ۔ شام کے وقت اُن کے مردانہ مکان میں جو زنانہ مکان سے کچھ فاصلہ پر واقع تھا شاہجہانپور کے علم دوست حضرات جمع ہوا کرتے تھے تمام گفتگو بڑے ہی شائستہ اور مہذب طریق پر دوستانہ ماحول میں ہوا کرتی تھی ۔ حاضرین میں سُنّی العقیدہ حضرات بھی ہوتے تھے اور شیعہ حضرات بھی علاوہ ازیں دیوبندی اور اہلحدیث مسلک کے اہل علم بھی اس مجلس کی رونق بڑھاتے تھے اور کوئی کسی کے مسلک پر معترض نہ ہوتا تھا ۔ حافظ سید علی میاں بھی کبھی کبھی اُس محفل میں پہنچ جاتے تھے اور جب یہ وہاں تشریف فرما ہوتے تو حاضرین موقع کو غنیمت جانتے ہوئے نئے نئے سوالات اور الجھے ہوئے مسائل پیش کر کے اپنی علمی تشنگی کی سیرابی کا سامان فراہم کر لیا کرتے تھے ۔ حافظ

صاحب کو علمی معاملات میں ایک حَکَم کی حیثیت حاصل تھی ۔ ایک مرتبہ اُس محفل میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ہو رہا تھا اور یہ گفتگو چل رہی تھی کہ حضور کو علم غیب تھا یا نہیں ۔ اچانک سید علی میاں صاحب بھی وہاں پہنچ گئے سب لوگ اُن کو دیکھتے ہی پکار اٹھے " لو ! حافظ صاحب آگئے اب ان سے دریافت کر لو ۔" حافظ سید علی میاں کے استفسار پر ان کو بتایا گیا کہ بحث کا موضوع کیا ہے ۔ حضرت حافظ صاحب نے برجستہ کہا کہ پہلے تو مجھے یہ بتاؤ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں یا اللہ میاں اُس پر سب لوگ حیران ہو کر حضرت حافظ صاحب کا منہ تکنے لگے ۔ حضرت حافظ صاحب نے حسب عادت ان کی اس حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے فرمایا :

" ہاں بھئی ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں ۔ پہلے میرے سوال کا جواب دیجئے اس کے بعد میں آپ کے استفسار کا جواب عرض کروں گا ۔" سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ حافظ صاحب اِس میں دریافت کرنے کی کیا بات ہے ۔ جواب صاف ہے کہ بڑے تو اللہ میاں ہی ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم " بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر " کے مصداق ہیں ۔ اس پر حافظ صاحب نے فرمایا کہ اب مجھ سے یہ سوال کرو کہ اللہ میاں کو بھی علم غیب ہے یا نہیں ۔ اس سوال پر دوبارہ حاضرین کے چہروں پر استعجاب کی لہر دوڑ گئی اور سب استفہامیہ نگاہوں سے حضرت حافظ صاحب کے منہ کو تکنے لگے ۔ حضرت سید علی میاں نے دوبارہ اُن کی حیرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے فرمایا اچھا یہ بتاؤ کہ " غیب" کے کیا معنی ہیں ؟

سب نے متفق اللفظ ہو کر جواب دیا ، غیب کے معنی ہیں پوشیدہ چیز جو نظروں سے اوجھل ہو ۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اللہ میاں سے کون سی چیز پوشیدہ ہے ؟ غیب کا لفظ تو انسان کی نسبت سے فرمایا گیا ہے کہ جو چیز انسان کی نگاہ سے

پوشیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا بھی علم ہے اور علم غیب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ

لایُظھِرُ عَلٰی غَیبِہٖ اَحَداً اِلامن ارْتَضیٰ مِنْ رَّسُول

کہ وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) اپنے غیب پر سوائے چنے ہوئے (برگزیدہ) رسول کے کسی کو مطلع نہیں کرتا اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کائنات عالم میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ برگزیدہ ہستی نہ کبھی پیدا ہوئی اور نہ آئندہ پیدا ہوگی لہذا اللہ تعالیٰ اپنے اس محبوب اور برگزیدہ بندے پر کثرت کے ساتھ غیب کی باتیں ظاہر فرماتا رہتا تھا اور حضور اکرم قبل از وقوع صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین کے سامنے وہ باتیں بیان فرما دیا کرتے تھے جو اپنے وقت پر پوری ہو کر اُن کے ازدیاد ایمان کا باعث ہوتی تھیں۔

دنیوی معاملات میں بھی آپ کو ایسی فراست حاصل تھی کہ اگر قانون کی طرف توجہ فرماتے تو مایہ ناز قانون داں کا مقام حاصل کرلینا ان کے لئے مشکل نہ ہوتا اس سلسلہ میں ایک واقعہ رقم الحروف کے ذہن میں محفوظ چلا آ رہا ہے جو اس جو قارئین تک پہنچانا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

عدالت میں ایک فریق کی جانب سے آپ بطور گواہ پیش ہوئے۔ فریقین میں کسی مکان کی ملکیت کے بارے میں تنازعہ تھا۔ بھری عدالت میں فریق مخالف کے وکیل نے آپ سے سوال کیا کہ حافظ صاحب آپ یہ بتائیں کہ کیا آپ کے محلہ میں مشرق سے مغرب کی طرف کوئی گلی گئی ہے۔ آپ نے برجستہ جواب دیا کہ نہیں۔ اس جواب پر وکیل مخالف نے عدالت کو توجہ دلائی کہ حضور گواہ برسر عدالت دروغ گوئی سے کام لے رہا ہے اور میں عدالت سے موقع کے معائنہ کی درخواست کرتا ہوں جو نوٹ کرلی جائے۔ اس پر جج صاحب نے حافظ صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا کہ حافظ صاحب آپ وکیل صاحب کی بات غور سے سن کر

جواب دیں۔ اس پر حافظ صاحب کے جواب نے جج صاحب کو بھی حیران کر دیا۔ آپ نے فرمایا میں نے خلاف واقعہ کوئی بات نہیں کہی ہے۔ وکیل صاحب انصاف کا خون کرانے پر تلے ہوئے ہیں لیکن میں ایسا نہیں ہونے دونگا۔ میں پھر یہی عرض کروں گا کہ مشرق سے مغرب کی طرف کوئی گلی نہیں گئی ہاں مغرب سے مشرق کی طرف ایک گلی ضرور آتی ہے اور اپنے جواب کی وضاحت اس طرح کی کہ کھلے میدانوں میں جب حسب ضرورت چند گھر تعمیر ہو جاتے ہیں تو لوگ اپنی آسانی کے لئے پہلے کچی گلیاں تیار کرکے انھیں بڑی سڑک میں ملاتے ہیں بعد ازں میونسپلٹی انھیں کچی گلیوں کو پختہ اینٹوں سے تعمیر کرا دیتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ شاہراہوں نے اِکّا دُکّا تعمیر شدہ مکانوں کی طرف رخ نہیں کیا بلکہ حسب ضرورت لوگ اپنے مکانوں سے بڑی سڑکوں تک گلیاں بناتے اور اپنی آمدروفت کو آسان بناتے چلے گئے ہیں اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ مشرق سے مغرب کی طرف کوئی گلی نہیں جاتی بلکہ مغرب سے مشرق کی طرف ایک گلی ضرور آتی ہے۔

اس جواب میں ایک اہم نکتہ پوشیدہ تھا جس سے حافظ صاحب کے فریق کو فائدہ پہنچتا تھا۔ حافظ صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ متنازعہ مکان کی تعمیر پہلے ہوئی۔ گلی اس کے بعد تعمیر کی گئی۔ آج بھی مکانات کی تعمیر میں جو اینٹیں استعمال ہوتی ہیں ان کے ایک رخ پر تیاری کا سال ابھرے ہوئے حروف میں لکھا ہوتا ہے اُس زمانہ میں بھی یہی رواج تھا۔ اس طرح مکان کی اینٹوں پر تیاری کا جو سال درج تھا اُس سے حقیقت حال کھل کر سامنے آسکتی تھی۔ مکان متنازعہ کی تعمیر کے سلسلہ میں بھی کوئی ایسا ہی سوال درپیش تھا جس کو حافظ صاحب کی ذہانت نے حل کر دیا۔

جج صاحب نے اپنے فیصلہ میں یہ ریمارک دیئے کہ میں نے اپنی زندگی میں ایسا ذہین گواہ نہیں دیکھا جس کی فراست نے میرے لئے فیصلہ کی راہ بالکل آسان

کردی۔ میں نے اس زیرک و فہیم گواہ کی شہادت سے بہت فائدہ اٹھایا اور تجربہ حاصل کیا حضرت حافظ سید علی میاں کی بیعت کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت جو راقم الحروف کے حافظہ میں محفوظ ہے یہ ہے کہ ابتدائے جوانی میں حضرت حافظ مختار احمد میاں کو پتنگ اڑانے کا بڑا شوق تھا جو اس زمانے میں یوپی کے تمام شہروں اور خصوصاً شاہ جہانپور بریلی لکھنو اور مراد آباد کے عوام و خواص کا ایک محبوب مشغلہ تھا۔ اس شوق کو پورا کرنے کے لئے بڑے اہتمام کئے جاتے تھے۔ اعلیٰ قسم کی ڈور پر مانجھے چڑھائے جاتے تھے اور انہیں چرخیوں پر لپیٹا جاتا تھا۔ عمدہ قسم کی پتنگیں بڑی خوبصورتی سے تیار کی جاتی تھیں اور پتنگ بازی کے مقابلے ہوا کرتے تھے۔ اِسی پتنگ بازی کے ایک مقابلہ میں شرکت کی غرض سے حضرت حافظ صاحب بریلی گئے۔ مقابلہ شروع ہونے میں دیر تھی اس لئے حضرت حافظ صاحب پرانی کتابوں کی دوکانوں کی سیر کو نکل گئے۔ وہاں آپ کو ایک ایسی کتاب ہاتھ آگئی جس کے ابتدائی اور آخری صفحات غائب تھے لیکن نفس مضمون کو پڑھ کر حضرت حافظ صاحب کو بڑی خوشی حاصل ہوئی کیونکہ اس میں ایک ایسے سوال کا جواب مل گیا جس نے حافظ صاحب کو تشویش میں ڈال رکھا تھا

آپ نے بریلی سے واپسی پر وہ کتاب اپنے والد محترم کو دکھائی۔ انھوں نے بھی یہ محسوس کیا کہ یہ کتاب کسی جیّد پنجابی بزرگ مرزا غلام احمد کی تصنیف ہے اور اُنھوں نے امام مہدی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ حضرت حافظ سید علی میاں نے اپنے داماد سید محمد تقی میاں کو قادیان بھیجا تاکہ حالات معلوم کریں۔ سید تقی میاں جب قادیان پہنچے اور حضرت اقدس مرزا صاحب سے ملاقات کی تو پہلی نظر ہی میں حضرت مرزا صاحب کی صداقت کے قائل ہو گئے اور بیعت کرلی۔ جب وہ شاہجہانپور واپس آئے تو حالات معلوم کرنے کے بعد حضرت حافظ سید مختار احمد میاں نے بھی بیعت کا خط لکھ دیا۔

مکرم بابو نذیر احمد صاحب امرتسری کے بقول حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب نے انکشاف کیا کہ "حضرت سید علی میاں نے مسیح موعود کی بیعت میرے بیعت کرنے کے بعد کی تھی۔ آپ مجھ سے حضرت اقدس کی کتابیں پڑھ کر سنتے تھے۔ اس کے بعد کتاب میں مضمون کا سیاق و سباق خود دیکھ لیتے تھے۔ کبھی کسی حوالہ کی ضرورت مجھے پڑتی تو میں حضرت والد صاحب سے پوچھ لیتا تھا۔ آپ فرماتے کہ فلاں کتاب کے نصف یا ربع کے دائیں یا بائیں حصہ کو دیکھو میں ان کی حسب ہدایت کتاب کھول کر دیکھتا تو مطلوبہ حوالہ وہیں مل جاتا۔ انہوں نے ازالہ اوہام کا کچھ حصہ اور مولوی بشیر احمد بھوپالی سے مباحثہ کا مضمون پڑھ کر بیعت کی تھی۔ بعد ازاں یو۔پی کے نامی علماء نے وفات مسیح کے موضوع پر مختلف مجالس میں آپ سے تبادلہ خیالات کیا۔ والد صاحب نہ صرف وہ دلائل دیتے جو حضرت اقدس مسیح موعود نے وفات مسیح کے متعلق دئے تھے۔ بلکہ دیگر آیات قرآنیہ سے وفات مسیح کے ایسے دلائل بیان فرمائے جو ہم نے پہلے کبھی نہ سنے ہوتے۔

حضرت حافظ سید علی میاں کی شادی اور آپ کی نامور اولاد

حضرت حافظ صاحب کی شادی کے بارے میں **حافظ عبدالجمیل** صاحب مرحوم کا انٹرویو شامل کتاب ہذا ہے۔ یہاں پر مختصر یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ حافظ صاحب کی شادی اُن کی ذاتی ذہانت و فطانت اور خاندانی وجاہت و شرافت اور خصوصاً ان کے جوہر قابل ہونے کی بناء پر عمل میں آئی تھی۔

پیلی بھیت میں ڈپٹی امیر علی صاحب نے، جن کو ۱۸۵۷ء کے بعد گورنمنٹ نے پہلا حاکم اعلیٰ مقرر کیا تھا اپنی صاحبزادی کے لئے حافظ سید علی میاں کے استاد مولوی اخوند کے ذریعہ اس جوہر قابل کو ڈھونڈ نکالا اور بڑے تزک و احتشام کے

ساتھ اپنی بیٹی کو ان کے ساتھ بیاہ دیا۔ ابتدائی مراحل طے ہو جانے کے بعد نکاح کی تاریخ مقرر ہو گئی اور ڈپٹی امیر علی صاحب نے بڑی دھوم دھام کے ساتھ بیٹی کو رخصت کیا۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ دلہن کی پالکی کے ساتھ چوپداروں اور عصا برداروں کی ایک بڑی تعداد تھی اور رخصتانہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ عمل میں آیا۔ ڈپٹی صاحب کا شمار اُس وقت کے رئیس ترین شرفاء میں ہوتا تھا لہذا انھوں نے اپنی بیٹی کو علاوہ قیمتی جہیز کے دو سالم گاؤں بھی جہیز میں دئے جن کی قیمت اس وقت بھی ایک ایک لاکھ روپے سے کم نہ تھی۔ ڈپٹی صاحب کے تین صاحبزادے ۱۔ خان بہادر عبدالحق ۲۔ عبدالحفیظ ۳۔ حافظ عبدالجلیل تھے جو سارے علاقہ میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

حافظ سید علی میاں کو قدرت نے سات بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا تھا۔ تین بیٹوں کا کم سنی ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ چار بھائی بڑی عمروں تک پہنچے۔

۱۔ سب سے بڑے بیٹے سید مختار احمد میاں ۲۔ سید انوار احمد میاں ۳۔ سید نور احمد میاں ۴۔ سید احمد میاں۔ دو بیٹیوں میں سے ایک بیٹی سیدہ احمدی بیگم جو سید تقی میاں کو بیاہی گئیں اور جن کے بطن سے سید ہاشم بخاری پیدا ہوئے۔ جو مولوی فاضل کا امتحان پاس کر کے پنجاب کے تعلیمی اداروں سے منسلک رہے اور وہاں سے واپسی کے بعد انسپیکٹر اصلاح وارشاد صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے فرائض انجام دیتے رہے اور وہیں انتقال کیا۔ دوسری بیٹی حفصہ سید محمود میاں سے بیاہی گئیں جن کے بطن سے دو بیٹے سید یعقوب میاں اور سید تفضل حسین میاں پیدا ہوئے۔ سید یعقوب میاں کا ۱۹۸۷ء میں انتقال ہو گیا۔ چھوٹے بھائی سید تفضل حسین میاں ہنوز بقید حیات ہیں اور شاہجہانپور میں سکونت پذیر ہیں۔

سید محمد تقی میاں کی بیعت کا واقعہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے لیکن سید محمود میاں بیعت سے محروم رہے اور اُن کی اولاد بھی اس طرف توجہ نہ کر سکی لیکن

دونوں بھائی ہمیشہ اپنے ماموں اور نانا کا احترام کرتے رہے اور کوئی کلمہ احمدیت کی مخالفت میں اُن کی زبان پر کبھی نہ آیا۔

مرض الموت اور وفات: راقم الحروف کو حافظ سید میاں کی ہمسائیگی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اُن کو قریب سے دیکھنے، اُن کی اقتدا میں نمازیں ادا کرنے اور اُن کی خدمات بجا لانے کی بھی توفیق ملی۔ اُن کو دل کا مرض تھا لیکن اس زمانہ میں آپریشن کی وہ آسانیاں میسر نہ تھیں جو آج کل ہر جگہ نظر آتی ہیں لیکن یقینی طور سے نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے آپریشن کرانا پسند نہ کیا یا کسی نے اس طرف توجہ نہ دلائی۔ بہرحال راقم الحروف کے علم میں یہ مرض آخر وقت تک آپ کو لاحق رہا۔ مرض الموت میں آپ کا علاج یونانی طبیبوں نے بھی کیا اور فائدہ نظر نہ آنے کی صورت میں ویدک طریقہ علاج کو بھی آزمایا گیا لیکن اس سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ راقم الحروف ان کی اس بیماری کے دوران دواؤں کے فراہم کرنے اور اس سلسلہ میں دوڑ بھاگ کرنے کے تمام فرائض انجام دیتا رہا۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں وہاں موجود تھا۔ شاید پلنگ کی ادوان ڈھیلی ہوجانے کی وجہ سے آپ کا جسم نیچے کی طرف آگیا تھا آپ بار بار فرماتے مجھے اوپر کی طرف کھینچو کیا۔ مجھے دوسرے لوگوں پر قیاس کرتے ہو۔ مجھ میں اب بھی ہمت باقی ہے۔ میں اپنی موت سے مطمئن ہوں اور واقعۃً آپ نے آیت مبارکہ

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۔ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً

کے عین مطابق بخوشی اپنی جان جاں آفرین کے سپرد کر دی (ہم اس کے ہیں اور اُس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔)

باب دوم

حضرت حافظ سید مختار میاں صاحب

حضرت حافظ صاحب کا بچپن اور زمانہ طفلی کے مشاغل

راقم الحروف کا مشاہدہ تو نہیں لیکن سننے میں آیا کہ صغر سنی میں بھی آپ خوش پوشاکی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اعلیٰ درجہ کے لٹھے کا کھلی مہری کا پاجامہ اعلیٰ اور نفیس کپڑے کی قمیض بہترین تراش والی شیروانی سر پر پھمک نکی ہوئی سیاہ ٹوپی۔ پیروں میں پمپ شو، شیروانی کے بٹن بہت قریب قریب ہوتے تھے جن سے انکی تعداد ہی میں اضافہ نہیں ہوتا تھا بلکہ شیروانی میں بھی ایک جدت و شان پیدا ہوجاتی تھی۔ بڑی عمر میں شیروانی کے کاج تو اتنے قریب نہ ہوتے تھے لیکن بٹن حیدر آبادی جن پر میناکاری کی ہوئی ہوتی، استعمال کرتے تھے۔ بچپن میں آپ کا لباس بہت قیمتی ہوتا تھا۔ ایک روایت ہے کہ شاہجہاں پور کے چوٹی کے تاجر حاجی محمد سعید خان سے کسی نے تذکرۃً حافظ صاحب کے قیمتی لباس کا ذکر کیا تو حاجی صاحب موصوف نے جو انتہائی مالدار ہونے کے باوجود بہت بڑے جز رس اور کفایت شعار مشہور تھے جواباً کہا کہ یہ سید زادے تو شہزادے ہیں یہ جس شان سے بھی رہیں ہمارے لئے باعث سکینت قلب اور موجب افتخار ہیں۔ اس روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شاہجہاں پور کے پٹھان وہاں کے سادات خاندانوں سے کتنی عقیدت رکھتے اور انہیں کتنا باعث احترام سمجھتے تھے۔

حضرت حافظ صاحب کا حلیہ

قد درمیانہ، رنگ کھلتا گندمی۔ داڑھی مشرع، گھنی اور خوبصورت ادھیڑ عمر میں خضاب کا استعمال شروع کردیا تھا لیکن غالباً لاہور آنے کے بعد ترک کردیا تھا۔ چہرہ پُر وقار، بارعب اور ذہانت کا آئینہ دار تھا۔ ترکی ٹوپی جس کا رنگ سیاہی مائل سرخ یا عنابی ہوتا تھا۔ (شیر گولہ مارکہ) اور جس میں سیاہ ریشمیں بٹے ہوئے دھاگوں کا پھندنا بھی ہوتا تھا زیب سر فرمایا کرتے تھے۔ چوڑی اور کھلی مہری کا سفید اعلیٰ قسم کے لٹھے کا پاجامہ پہنتے تھے اور کرتا یا قمیص زیب تن فرماتے تھے۔ گھر میں اکثر تہبند اور بنیان استعمال کرتے تھے۔ باہر جاتے تو ٹھنڈی یا گرم شیروانی موسم کی مناسبت سے زیب تن فرماتے۔ اندرون خانہ سلیپر اور باہر بوٹ جوتہ پہن کر تشریف لے جاتے تھے۔

تحصیل علم کے ابتدائی مراحل

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ ماجدہ سے جو خود اس زمانے کے لحاظ سے تعلیم یافتہ خاتون تھیں، حاصل کی تھی۔ انہوں نے آپ کی تربیت کا فریضہ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ یہ بات بزرگوں سے معلوم ہوئی کہ آپ کی والدہ ماجدہ جب اپنے دوسرے بیٹوں، سید نور احمد میاں اور سید احمد میاں کو شطرنج کھیلتے دیکھتیں (جو اس زمانے کے رئیسوں کا محبوب مشغلہ تھا) تو خاموش رہتیں لیکن اگر کہیں حافظ صاحب کبھی ان کے ساتھ کھیل میں شامل ہوجاتے تو یہ بات ان کو ناگوار گزرتی اور فرمایا کرتیں "میں مختار کے لئے پسند نہیں کرتی کہ وہ تفریحی مشاغل میں اپنا وقت ضائع کرے۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ ہمہ وقت حصول علم میں مگن رہے۔" اور یہ انہیں کی مخلصانہ اور اعلیٰ تربیت کا نتیجہ تھا کہ آگے چل کر حضرت حافظ صاحب نے تمام عمر تحصیل علم میں صرف کردی یہاں تک کہ کتاب کا کیڑا ہونے کی مثل آپ

پر صادق آتی تھی۔ یہ ان کی والدہ ماجدہ کی دعاؤں کا اثر تھا کہ مستقبل قریب ہی میں آپ کا شمار شاہجہاں پور کی علمی شخصیتوں میں ہونے لگا تھا۔ جلد ہی آپ کی شہرت کو پر لگ گئے۔

ناظرہ قرآن شریف آپ نے حضرت فضل احمد صاحب سے پڑھا اُس زمانے میں حاجی عبدالقدیر صاحب آپ کے ہم مکتب تھے۔ جن کا شمار آگے چل کر شاہجہاں پور کے نامی گرامی صنعت کاروں اور تاجروں میں ہونے لگا تھا۔ یہ حافظ صاحب کے مخلص ترین دوست تھے۔ فارسی اور عربی کی تعلیم آپ نے مدرسہ "عین العلم" شاہجہاں پور سے حاصل کی جہاں سے تعلیم پا کر راقم الحروف نے بھی ۱۹۳۰ء میں "منشی" (فارسی) اور ۱۹۳۱ء میں "منشی کامل" (فارسی) کا امتحان پاس کیا تھا۔ حضرت حافظ صاحب نے اپنے والد ماجد کے تبحر علمی سے بھرپور استفادہ کیا اور اپنی ذہانت اور فطری رجحان طبع کے بل بوتے پر جلد ہی وہ علمی مقام حاصل کرلیا جو اُس زمانے کی بہت کم ہستیوں کو نصیب ہوا۔ اپنی تعلیم کے متعلق خود حافظ صاحب نے جو اظہار خیال فرمایا اور جو بابو نذیر احمد صاحب امرتسری کے توسل سے ہم تک پہنچا یہ ہے۔ "میں نے دینی ماحول میں اپنے گھر میں علم دین سیکھا۔ صرف ایک ماہ میں روزانہ ایک پارہ قرآن کا حفظ کرتا۔ میرے حفظ قرآن کا طریق یہ تھا کہ پہلے ایک مرتبہ آیت کے معنوں پر غور کرتا۔ دوسری بار اس آیت کو تصور میں آسمان پر لکھتا۔ تیسری دفعہ اس کی تکرار کرتا بس وہ آیت ہمیشہ کے لئے مجھے یاد ہو جاتی۔

دیگر ابتدائی مشاغل

ابتدائے عمر میں آپ کو کبوتر پالنے اور پتنگ اُڑانے کا شوق رہا۔ اعلیٰ درجہ کے کبوتروں سے آپ کی کابکیں بھری رہتی تھیں۔ ان میں گولہ کبوتر، شیرازی، دوباز، لقہ اور مختلف نسلوں کے کبوتر شامل ہوتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مجھے کبوتروں کے عادات و خصائل پر اتنا عبور حاصل ہے کہ پرواز کرتے ہوئے کبوتروں میں نر و مادہ کی تمیز کرسکتا ہوں

اور اس کلام میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں بلکہ عملاً بھی وہ اپنی اس مہارت کا مظاہرہ کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح پتنگ بازی میں بھی کامل مہارت حاصل کی اور جب دوسرے پتنگ بازوں سے مقابلہ ہوتا تو اکثر وہ اپنی مہارت سے ان کی پتنگوں کو کاٹ دیا کرتے تھے۔ پتنگ بازی کے یہ مقابلے شاہجہاں پور ہی تک محدود نہ تھے بلکہ اس سلسلہ میں وہ بریلی بھی جایا کرتے تھے اور مقابلوں میں حصہ لیا کرتے تھے۔ باغبانی کا شوق آپ کو ورثہ میں ملا تھا آپ کے مکان میں داخل ہو کر یہ احساس ہوتا تھا کہ باغ کے کسی حصہ میں داخل ہوگئے ہیں۔ صحن میں سبزیوں کی کیاریاں اور روشوں کے کنارے خوبصورت پھولوں کے پودے، چبوترے پر گملوں کی قطاریں، دالان کے کشادہ دروں میں پام کے بڑے بڑے درخت لکڑی کی ناندوں میں لگے ہوئے، کروٹن کے خوبصورت قد آدم درخت قرینے سے بڑے بڑے گملوں کی زینت بنے ہوئے۔ دیکھنے والے اس نظارے سے بہت محظوظ ہوتے۔ آپ نے اپنے اس شوق پر روپیہ پانی کی طرح بہایا تھا یہاں تک کہ آپ کے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ جتنا روپیہ مختار نے اس شوق پر خرچ کیا اس سے تو ایک باغ خریدا جاسکتا تھا۔ آپ کے بے تکلف دوست آپ سے خوبصورت پھولوں کے گملے مانگ کرلے جاتے اور آپ کبھی انکار نہ کرتے۔ ایک مرتبہ آپ نے کچھ خوش رنگ پھولوں کے چند گملے ایک نمایاں مقام پر سجائے ایک بے تکلف دوست کو وہ گملے اتنے بھلے لگے کہ مانگ بیٹھے حافظ صاحب نے انکار تو نہ کیا لیکن آپ کو افسوس ضرور ہوا آپ نے دوسرے گملے بھی وہاں سے اٹھوا دئے۔ ان کی والدہ ماجدہ نے اس بات کو محسوس کیا اور فرمایا کہ اگر تمہارے دوست کو اس بات کا علم ہوا کہ ان چند گملوں کی وجہ سے باقی گملے بھی اٹھوا دئے گئے ہیں تو اس کی دل آزاری ہوگی اس لئے اور گملے خرید کروہ جگہ پر کردو تاکہ تمہارے دوست کی دل آزاری کی صورت پیدا نہ ہو۔

شوق کتب بینی

کتب بینی کا شوق تو آپ کے مشاغل میں سر فہرست تھا۔ نئی نئی کتابیں خریدتے، اعلیٰ درجے کی جلدیں بندھواتے اور اپنے کتب خانے کی زینت بناتے۔ حضرت مسیح موعود کی تمام کتب کی جلدیں کلکتہ سے تیار کرواکر الماریوں کی زینت بنائی ہوئی تھیں۔

شعروشاعری

شاعری کا شوق بھی آپ کو ابتدائے عمر سے تھا اور مشاعروں میں بھی شرکت کیا کرتے تھے۔ راقم الحروف کے ہوش سنبھالنے سے بہت قبل یہ سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اور آپ گوشہ گیر ہو چکے تھے لیکن بزرگوں سے سنا ہے کہ حافظ صاحب ابتدا ہی سے بڑے پر گو اور زود گو شاعر تھے۔ طرح میں اشعار پر اشعار لکھتے چلے جاتے، یہاں تک کہ کافی ذخیرہ جمع ہو جاتا۔ اس ذخیرے میں سے چند اشعار اپنے لئے منتخب فرما لیتے بقیہ شاگردوں میں تقسیم ہو جاتے۔ مشاعروں میں آپ کا پلہ ہمیشہ بھاری رہتا اور کافی داد لے کر واپس آتے۔

خوش خوراکی وخوش پوشاکی

جوانی کے ایام میں حضرت حافظ صاحب کا لباس نفاست کا اعلیٰ نمونہ ہوتا تھا۔ آپ کے دوست اُس وقت کے متمول ترین گھرانوں کے چشم و چراغ تھے جن سے آپ کی ہر وقت کی ملاقات تھی لیکن لباس کی تراش اور نفاست کے لحاظ سے آپ کا نمبر اول تھا۔ سادہ غذا استعمال کرتے تھے لیکن نمک مرچ اور مصالحہ جات کے تناسب کا بہت خیال رکھتے تھے۔ میری والدہ مرحومہ کے ہاتھ کا کھانا آپ کو بہت پسند تھا کیونکہ وہ آپ کی مزاج داں تھیں اور کھانے میں آپ کی طبیعت کے میلان کا خیال رکھتی تھیں۔ آپ کو ماش کی دھلی دال بہت پسند تھی

جس پر اصلی گھی اور پیاز کا بگھار ہوتا۔ اچار اور چٹنی بھی پسند فرماتے تھے صبح کے ناشتہ میں صرف دو چھوٹی ٹکیاں ہوتی تھیں جن کے ساتھ ہرے دھنیے کی چٹنی ضرور ہوتی۔ ان ٹکیوں میں آٹا گوندھتے وقت اصلی گھی ڈالا جاتا تھا اور توے پر سینکی جاتی تھیں۔ نہایت لذیذ اور خستہ ہوتی تھیں۔ حضرت حافظ صاحب کی ہدایت تھی کہ اگر ہرا دھنیہ میسر نہ ہو تو خشک ہی سہی لیکن چٹنی ضرور ہو۔ چائے بڑی نفاست سے تیار کرتے تھے اور برتنوں کی صفائی کا مبالغہ کی حد تک اہتمام فرماتے۔ چائے کی پیالی کی پیندی بلکہ ڈنڈی تک صاف کرنے کی ہدایت فرماتے۔ آپ کے پاس چینی کے اعلیٰ ظروف کا ایک نادر ذخیرہ تھا جن کے نقش نگار اور رنگوں کے امتزاج آپ کے اعلیٰ انتخاب اور نفاست طبع کا منہ بولتا ثبوت تھے۔

کھانا پکانے میں مہارت

آپ کھانا پکانے میں بھی مہارت رکھتے تھے اور آپ نے ازراہ شفقت راقم الحروف کو بھی گوشت کے صاف کرنے، دھونے، بھوننے بگھارنے تک کے تمام مراحل کی تربیت دی تھی اور آج جب کہ اس زمانے کو بیتے نصف صدی سے زائد عرصہ گزر چکا ہے، حضرت حافظ صاحب کی شفقت بھری آواز کانوں میں گونجتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

حضرت حافظ صاحب چائے کے متعلق کسی ہندی نژاد انگریز کا مقولہ سنایا کرتے تھے۔ کسی نے صاحب بہادر سے چائے بنانے کا طریقہ دریافت کیا تو انھوں نے فوراً جواب دیا کہ "چائے بنانا تو کوئی مشکل کام نہیں کیتلی میں پانی ڈال کر آگ پر رکھ دو۔ جب اُبال آجائے تو حسب ضرورت چائے کی پتی ڈال دو اور جب چائے کا رنگ "موت موافق" ہو جائے تو شکر ملا کر پی جاؤ۔" فرماتے تھے چائے میں تین خوبیاں ہونا ضروری ہیں۔ لبریز ہو، لب سوز ہو، لب بند ہو۔ یعنی چائے کی پیالی لبالب بھری ہو پھر اتنی گرم ہو کہ ہونٹ جلن محسوس کریں پھر لب بند ہو یعنی اتنی میٹھی کہ شیرینی کی وجہ سے لب چپک جائیں۔ پھر فرماتے چائے کی ایک قسم وہ

ہوتی ہے جو "لبدھڑ" کہلاتی ہے۔ اس چائے میں جائفل' جاوتری اور جانے کیا الابلا شامل کی جاتی ہیں جس سے یہ گاڑھی ہو کر لبدھڑ ہو جاتی ہے۔ چائے کا رواج اس وقت اتنا زیادہ نہیں تھا صرف ناشتے کے وقت چائے کا دور چلتا تھا۔

ساری عمر آپ نے کھلی اور چوڑی مہری کا پاجامہ استعمال کیا۔ بنیان کا استعمال بہت کم کرتے تھے صرف قمیض پہننے پر اکتفا کرتے تھے اور جب باہر تشریف لے جاتے تو قمیض کے اوپر شیروانی ضرور زیب تن فرماتے۔ شیروانی کسی دھاری دار کپڑے یا جامہ دار کی ہوتی جس میں حیدر آبادی مینا کے بٹن استعمال کرتے۔ ان بٹنوں کے اور دیگر مختلف ڈیزائنوں کے بٹنوں کے کئی کئی سیٹ آپ کے پاس محفوظ رہتے تھے لباس کے علاوہ تمام دیگر معمولات میں بھی آپ سادگی لیکن نفاست کا خیال رکھتے تھے۔ کھانا سادہ لیکن خوش ذائقہ۔ لباس سادہ لیکن صاف ستھرا اور نفاست کا آئینہ دار۔ نشست و برخاست میں بے تکلفی' سادگی لیکن سلیقہ کا اظہار ہوتا تھا۔ گفتگو کا انداز سادہ لیکن دلنشین و مدلل طرز استدلال نہایت سادہ لیکن دل میں اتر جانے والا۔

اندرون خانہ آپ کے مشاغل کتب بینی اور تصنیف و تالیف تک محدود تھے جب ان مشاغل سے طبیعت گرانی اور کسل محسوس کرتی تو باغبانی کی طرف توجہ فرماتے اور کافی وقت درختوں اور پودوں کی دیکھ بھال اور کاٹ چھانٹ میں صرف کر دیتے تھے۔ آپ کے لگائے ہوئے پودوں کو میں نے کبھی مرجھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ قدرت نے آپ کو اس فن میں بھی مہارت تامہ عطا کر رکھی تھی۔

ہاتھ میں چھڑی بھی رکھتے تھے۔ گھر کے اندر تہبند باندھتے اور صدری پہنتے تھے۔ ہفتے کے ہفتے (یعنی جمعہ کے روز) حجام آکر آپ کا خط بنا جایا کرتا تھا۔ گھر سے باہر بہت کم تشریف لے جاتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ اپنے ہمدم دیرینہ حضرت حاجی عبدالقدیر صاحب کے یہاں تشریف لے جاتے اس زمانے میں سواری کے لئے کاروں کا رواج نہ تھا۔ امراء بگھی اور

شکرم استعمال کرتے تھے اور متوسط درجہ کے لوگ تانگوں اور یکوں میں سفر کرتے تھے۔ تانگے کم اور یکے زیادہ ہوتے تھے۔

پسندیدہ پھل

پھلوں میں آپ کو آم اور کیلا پسند تھے۔ ویسے شکران نعمت کے طور پر موسم کا ہر پھل استعمال کرتے تھے۔ آپ کو لنگڑہ اور دسہری آم بطور خاص مرغوب تھے۔ آپ کے مخلص ترین دوست حضرت حاجی عبدالقدیر صاحب آپ کے لئے ہر موسم کے عمدہ پھل بھجواتے تھے خاص کر آم' خربوزہ اور تربوز۔ حضرت حاجی صاحب کو چیزوں کی پرکھ کا بے نظیر ملکہ حاصل تھا اور وہ پھلوں کے ذخیرے میں سے بہترین پھل منتخب کر لیتے تھے۔ پھل فروش بھی آپ کی اس مہارت کا لوہا مانتے تھے اور ان کا احترام کرتے تھے۔

حضرت حافظ صاحب کے کھانے کے بارے میں حضرت مصلح موعود کی ہدایت

دوران قیام قادیان حضرت مصلح موعود نے حضرت قاضی عبداللہ صاحب کو' جو اس زمانے میں ناظم دارالضیافت تھے' بطور خاص ہدایت فرمائی ہوئی تھی کہ وہ حضرت حافظ صاحب کے کھانے کا اہتمام ان کی مرضی کے مطابق کریں اور خیال رکھیں۔ ربوہ میں آپ کا قیام ایک قلیل مدت کے لئے مسجد مبارک ربوہ سے ملحق دارالضیافت میں رہا۔ بعد ازاں نئے دارالضیافت کے پاس ایک کوارٹر میں منتقل ہو گئے۔ اس کوارٹر میں حضرت حافظ صاحب کے بھانجے سید محمد ہاشم صاحب بخاری کے داماد سید عبدالباسط صاحب کا قیام تھا۔ حضرت حافظ صاحب آخر دم تک ان کے ساتھ قیام پذیر رہے۔ کچھ عرصہ بعد آپ صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے نو تعمیر کوارٹرز متصل بہشتی مقبرہ میں منتقل ہو گئے اور وفات کے وقت تک وہیں رہے۔

سید عبدالباسط صاحب مرحوم نے اپنی زندگی بھر، بعد ازاں ان کی اہلیہ صاحبہ نے حضرت حافظ صاحب کی وفات تک، ان کی خدمت کا حق ادا کر دیا اور پوری توجہ انہماک اور دلی لگن کے ساتھ ان کی خدمت میں مصروف رہیں۔

کھانے کے معاملہ میں حضرت حافظ صاحب کا قول تھا کہ ہم تھوڑا کھانے والوں، مگر اچھا کھانے والوں میں سے ہیں۔ اور راقم الحروف نے ان کے اس قول کو ہمیشہ عملی رنگ میں سچا پایا۔

حضرت خلیفۃ المسیح اول نے ایک دفعہ فرمایا کہ پھلوں میں چار پھل طاقت کے لحاظ سے بہت مفید ہیں۔ کھجور، آم، کیلا، اور سنگترہ۔ حضرت حافظ صاحب فرماتے تھے کہ ہم نے اپنے ذوق کے لحاظ سے آم اور کیلے کو اولیت دی ہے۔ صاحبزادہ میاں مبارک احمد صاحب اپنے باغ کے آم اور کیلے حضرت حافظ صاحب کو تحفۃً بھجواتے رہتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب ان پھلوں کی بہت تعریف فرماتے ان کے خیال میں حضرت صاحبزادے صاحب کے باغ کے پھل دوسرے باغوں کے پھلوں سے زیادہ نفیس اور اعلیٰ ہوتے تھے۔

آپ کا ذاتی کتب خانہ

آپ کو ابتدائے عمر سے کتب بینی کا شوق تھا جس کے نتیجہ میں آپ کے پاس ہر قسم کی کتب کا ایک معتدبہ ذخیرہ جمع ہوتا چلا گیا۔ لیکن قبول احمدیت کے بعد تو گویا اس شوق کو پر لگ گئے، اور بہت جلد آپ کی ذاتی کتابوں کا ذخیرہ ایک کتب خانہ کی صورت میں تبدیل ہو گیا جس کو وہ جان و دل سے عزیز رکھتے تھے۔

راقم الحروف نے جب ہوش کی آنکھیں کھولیں تو حضرت حافظ صاحب کو کتابوں کے درمیان گھرا ہوا پایا۔ الماریوں میں کتابیں، میزوں پر کتابیں، تخت پر کتابوں اور اخبارات کے انبار، پلنگ پر ہر طرف کتابوں کا ڈھیر اور درمیان میں تھوڑی سی جگہ پر حضرت حافظ صاحب

براجمان اور یہ کوئی ایک دو روز کی بات نہیں بلکہ مدت العمر یہی کیفیت پیش نظر رہی۔ آپ کا وسیع و عریض مکان جو آج کل کے حساب سے ایک کنال سے زائد رقبے کا احاطہ کئے ہوئے تھا کنکھیا (چھوٹی اینٹ) اینٹوں کا بنا ہوا تھا اور ساری دیواریں ننگی تھیں یعنی پلاسٹر قسم کی کوئی چیز ان پر نہیں تھی۔ زمین بھی کچی تھی اور کمروں یا باہر برآمدے کے کسی بھی حصے کا فرش پختہ نہیں تھا۔ بعد ازاں جب بیت الاحمدیہ شاہجہانپور کے مقدمہ کے سلسلے میں مہمانوں کی آمد آمد کا شور ہوا تو حافظ صاحب نے اس طرف توجہ کی اور نہ صرف دیواروں پر پلاسٹر کرایا بلکہ فرش بھی پختہ کئے گئے۔ اور سفیدی ہو جانے کے بعد تو مکان کا حلیہ ہی تبدیل ہو گیا۔

مکان کا نقشہ یہ تھا۔ ایک کنال سے زائد رقبے پر پھیلا ہوا یہ مکان شمال رویہ تھا جس کی پشت پر حضرت حافظ صاحب کا ایک جدی باغ اور اس سے ملحق حضرت حافظ صاحب کا ایک ذاتی قطعہ اراضی تھا جس کے چاروں جانب پختہ چار دیواری اور درمیان میں ایک پختہ کنواں بھی تھا۔ اس احاطے کا دروازہ مقفل رہتا تھا۔

حضرت حافظ صاحب کا مرکزی مکان ایک بڑے ہال نما کمرے اور دو بغلی کوٹھریوں (کمروں) پر مشتمل تھا۔ اس بڑے کمرے اور بغلی کمروں کے درمیان دروازے تھے۔ اس بڑے کمرے اور چھوٹے کمروں کے بیرونی جانب لمبا دالان تھا جس کی پرانی چھت تو کڑیوں اور تختوں کی بنی ہوئی تھی لیکن بعد ازاں حافظ صاحب نے اس پر لنٹل کی چھت ڈلوالی تھی۔ یہ دالان پانچ محراب دار دروں پر مشتمل تھا دالان کے آگے لمبا چوڑا چبوترہ تھا اور اس وسیع و عریض چبوترے سے صحن میں اترنے کے لئے تین سیڑھیاں تھیں۔ ان سیڑھیوں سے اتریں تو صحن میں پہنچ جاتے تھے۔ صحن کے آخر پر، وسط میں عظیم الشان دروازہ تھا۔ مشرقی جانب چبوترے سے لے کر صحن کے آخری حصے تک زینہ کا دروازہ، ایک سہ دری اور غسل خانہ و پاخانہ تھے۔ مکاں کے بڑے کمرے یعنی ہال میں مشرق و مغرب کی دیواروں میں دو دو ہضمی الماریاں تھیں جن پر دروازے نہیں تھے۔ اسی طرح بغلی کوٹھریوں میں مغرب و مشرق کی

دیواروں میں دو دو ہضمی بلا دروازے کی الماریاں تھیں جن میں چار چار تختے (شیلف) لگے ہوئے تھے۔ ان بغلی کمروں کے آگے دالان کی صحنچیاں تھیں۔ ان میں بھی مشرق و مغرب کی جانب ایک ایک ہضمی الماری بغیر دروازے کے آویزاں تھی۔ بڑے کمرے میں بیرونی جانب تین دروازے کھلتے تھے لیکن پشت کی جانب کوئی دروازہ نہ تھا صرف اونچائی پر روشندان تھے۔ اس کمرے میں دو بڑی بڑی الماریاں تھیں ایک میں شیشے جڑے ہوئے تھے اور دوسری میں لکڑی کے تختے (دلے) لگے ہوئے تھے۔ یہ دونوں الماریاں مقفل رہتی تھیں۔ گھر کی یہ تمام الماریاں نادر و نایاب کتابوں سے بھری رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ ایک بیضوی میز تھی اس کا بھی یہی حال تھا۔ تخت پر کتابوں اور اخبارات کے انبار لگے ہوئے تھے۔ دیواروں پر حضرت اقدس مسیح موعود کے تازہ اشتہارات اور پمفلٹ وغیرہ ٹنگے رہتے تھے۔ گھر میں زیب و زینت کا کوئی سامان نہیں تھا۔ صرف پام اور کروٹن کے خوبصورت درخت تھے جو بڑی بڑی چوبی ناندوں اور مٹی کے گملوں میں لگے ہوئے بہار دکھاتے اور دالانوں کو رونق دیتے تھے یا پھر ذخیرہ کتب تھا جو حضرت حافظ صاحب کی ذاتی و خاندانی وجاہت کے پس منظر میں ان کی لطافت طبع و تبحر علمی کا رعب ہر آنے والے کے دل میں پیدا کر دینے کے لئے کافی تھا۔ اس سلسلے میں برادر مرحوم سید ہاشم بخاری کے مشاہدات بھی ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں۔

"حضرت حافظ صاحب ایک بہت بڑا کتب خانہ رکھتے تھے جس میں ہزارہا کتب مذہب و ادب سے متعلق جمع تھیں، میں نے کبھی اپنی عمر میں اکیلی چارپائی پر بستر بچھا کر آپ کو استراحت کرتے نہیں دیکھا۔ ہر وقت ان کی چارپائی کا بیشتر حصہ متلاشیان حق کی خدمت کے لئے کتابوں سے بھرا رہتا اور وہ ہر حاجت مند کو اس کی ضرورت کا مواد نکال کر دکھاتے اور جب کبھی کوئی سعید روح ان کی وساطت سے یا از خود بھی بیعت کر کے انہیں اپنی بیعت کا حال سناتی تو وجد میں آجاتے اور بیحد مسرت و شادمانی محسوس کرتے۔"

حضرت حافظ صاحب کو اپنے اس نادر کتب خانے اور اس میں سجی ہوئی نادر الوجود اور

کمیاب بلکہ بعض حالات میں نایاب کتابوں سے کتنا دلی لگاؤ تھا اور اپنی کتابوں اور اس علمی ذخیرے سے جدا ہونے کا ان کو کتنا صدمہ تھا اس کا کچھ اندازہ آپ مکرم لطف الرحمن محمود صاحب کے مندرجہ ذیل بیان سے لگا سکتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

"حضرت حافظ صاحب ایک مشہور علم دوست اور علم پرور خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ کتابوں کا شغف تو خون میں ملا ہوا تھا۔ شاہجہان پور میں آپ کا ایک عظیم الشان کتب خانہ وہیں رہ گیا۔ آپ کو اس حادثے کا بہت صدمہ تھا۔ آپ نے اس کتب خانے کو پاکستان منتقل کرنے کے لئے کوشش بھی فرمائی لیکن اس علمی دولت کی بازیابی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ اس صدمے کے پیش نظر آپ اس کتب خانے کا تذکرہ کرنے سے گریز کرتے اور ہم لوگ بھی آپ کی تکلیف کے احساس کے پیش نظر اس کے ذکر سے بچنے کی کوشش کرتے۔"

کچھ اصحاب ایسے بھی ہیں جنہیں خوبصورت کتابیں خریدنے اور انہیں قیمتی الماریوں میں سجانے کا شوق ہوتا ہے۔ مطالعے کے لئے یا تو انھیں فرصت نہیں ملتی یا ان کی بے رغبتی آڑے آجاتی ہے۔ لیکن حضرت حافظ صاحب کا معاملہ دوسرا تھا۔ وہ کتاب اس لئے خرید نہیں فرماتے تھے کہ بغیر مطالعہ کئے الماری کی زینت بنا دیں بلکہ شروع سے آخر تک بغور مطالعہ فرماتے اور جو ضروری مواد ملتا اسے اپنے حافظے کے خانے میں محفوظ فرما لیتے۔ اللہ اللہ کیا شان تھی اور کیسا حافظ اللہ نے انہیں ودیعت فرمایا تھا۔ آپ نے دعوت الی اللہ کے لئے لائحہ عمل بنایا ہوا تھا اور آپ کے ذہن نے اعلاء کلمہ ء حق کے لئے ایک نقشہ تیار کر رکھا تھا۔ خود بھی اس کے مطابق عمل کرتے اور دوسروں کو بھی اسی طریقہ کار پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے۔ اسی لائحہ ء عمل اور اسی نقشے کے مطابق آپ ہر معترض کے سوال کا جواب دیتے اور معترض کو گھیر گھار کر اسی منزل تک لے آتے جہاں سے اس کے لئے کوئی راہ فرار باقی نہ رہتی اور وہ آپ کے منطقیانہ دلائل کے سامنے سپر انداختہ ہونے پر مجبور ہو جاتا۔ اس سلسلے میں آپ یہ ہدایت بھی فرماتے کہ موجودہ زمانے کی لادینی یلغار سے محفوظ

رہنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ امام الزماں حضرت مسیح دوراں کی کتب کا مطالعہ جاری رکھا جائے کیونکہ آپ کے خیال میں لادینی نظریات وافکار کے مہلک زہروں کا بہترین تریاق حضرت مسیح موعود کے بے نظیر کلام میں موجود ہے۔ آپ احمدی نوجوانوں اور خصوصاً" پڑھے لکھے احمدی احباب کو مشورہ دیتے رہتے کہ وہ حضرت اقدس کی تمام کتب کا بالاستیعاب مطالعہ جاری رکھیں اور جن اصحاب کو کم فرصتی کا سامنا ہو تو وہ کم از کم حضرت اقدس کی یہ چار کتب تو ضرور پڑھتے رہیں یعنی "۱۔ تحفہ گولڑویہ ۲۔ تذکرۃ الشہادتین ۳۔ چشمہ ٔ معرفت ۴۔ کتاب البریہ۔" آپ فرماتے تھے کہ حضرت اقدس مسیح موعود نے ان کتب میں اپنی صداقت کے وہ دلائل بیان فرمائے ہیں کہ متعصب سے متعصب مخالف بھی قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

حضرت حافظ صاحب کے بے نظیر حافظے کے متعلق چند شہادتیں

استاذ المحترم حضرت حافظ صاحب کو زبردست قوت حافظہ کی نعمت اپنے بزرگ اور فقید المثال قوت حافظہ کے مالک والد حضرت حافظ سید علی میاں سے ورثے میں ملی تھی۔ ان کے ہم عصروں میں کوئی شخص بھی ان کے حافظے کی گرد تک نہ پہنچ سکا۔ ان کے حافظے کے متعلق بعض واقعات سن کر مبالغہ آرائی کا گمان ہوتا ہے اور بعض واقعات تو کسی داستان کا حصہ معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کی بے نظیر قوت حافظہ کے متعلق چند شہادات اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ درج کردی گئی ہیں۔

حضرت حافظ مختار احمد صاحب کے زمانے میں آپ کا کوئی بھی ہم عصر اس صفت میں ان کا حریف نہ بن سکا۔ حضرت مسیح موعود کی جملہ کتب کو آپ نے اتنی بار پڑھ کر لوگوں کو سنایا کہ حضرت اقدس کی اکثر کتابوں کے صفحات کے صفحات آپ کو ازبر ہو گئے تھے۔ آپ دوران گفتگو اصل کتاب سے حوالہ اس روانی، جوش اور دلنشین انداز سے پڑھتے تھے کہ حضرت اقدس کی وہ تحریر سامعین کے دلوں میں اتر جاتی اور لوگ آپ کے دلکش انداز بیان اور طرز

استدلال پر عش عش کر اٹھتے راقم الحروف کو اپنی زندگی کے اکثر اوقات میں ایسے دلکش اور ایمان افروز مناظر دیکھنے کا ہزاروں بار موقعہ ملا اور میں نے محض خدا تعالیٰ کے فضل سے حضرت حافظ صاحب کی اِن مجالس سے بقدر استطاعت بھرپور استفادہ کی توفیق پائی۔ فالحمدللہ۔
اکثر ایسا ہوتا تھا کہ دوران گفتگو کسی کتاب سے حوالہ دینے کی ضرورت پیش آنے پر مجھ سے فرماتے کہ بیٹا اندر جاؤ اور غربی جانب کی الماری کے اوپر نیچے کی طرف تیسرے خانہ میں دائیں سے بائیں طرف چلو اور پانچویں کتاب نکال لاؤ۔ اور آپ حیرت سے سنیں گے کہ یہ کتاب وہی کتاب ہوتی جو حافظ صاحب کو مطلوب تھی۔ گویا ہزاروں کتابوں کی جگہ، جو اس وسیع و عریض مکان کے ہر کمرے کی متعدد الماریوں کے درجنوں خانوں میں رکھی ہوئی تھیں، حضرت حافظ صاحب کے حافظے میں محفوظ تھی۔ اور ان کا حافظہ اس معاملے میں کبھی غلطی نہ کرتا تھا۔ پھر جس سرعت کے ساتھ کتاب آپ کے ہاتھ میں پہنچتی تھی اُسی تیزی کے ساتھ آپ مطلوبہ حوالہ نکال کر حاضرین کے سامنے پیش کر دیا کرتے تھے۔ یہ معاملہ صرف سلسلے کی کتابوں تک محدود نہ تھا بلکہ غیر از جماعت مصنفین کی کتابوں کے متعلق بھی آپ کے حافظے کا یہی عالم تھا۔

اِسی طرح جب کسی شخص سے ایک دفعہ ملاقات ہو جاتی تو یہ ملاقات کا واقعہ آپ کے حافظہ میں محفوظ ہوجاتا اور جب ایک لمبے عرصہ کے بعد دوبارہ ملاقات کی نوبت آتی تو نہ صرف اُس شخص کو پہچان لیتے بلکہ جائے ملاقات اور تفصیلات سے بھی اس کو آگاہ کرتے اور اِس واقعہ کو اتنے وثوق سے اور اتنی تفصیل سے بیان کرتے کہ گویا یہ کل کی بات ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک شہادت مکرم ملک محمد احمد صاحب وکالت تبشیر ربوہ کی بھی ملاحظہ فرمائیں "آپ کا (حضرت حافظ صاحب کا) حافظہ غضب کا تھا۔ حضرت مسیح موعود کی کتب کی عبارتوں کی عبارتیں ازبر تھیں۔ بسا اوقات بحث کے دوران آپ فرماتے کہ الماری میں سے فلاں لائن کی اتنے نمبر کی کتاب نکالنا اور اس کے فلاں صفحہ کے دائیں طرف پڑھنا شروع کرو

اور وہی عبارت آپ ساتھ ساتھ دہراتے چلے جاتے آپ فرماتے تھے کہ تمام اعتراضات جو حضرت بانی سلسلہ کی تحریروں پر کئے جاتے ہیں ان کا جواب اسی جگہ موجود ہوتا ہے اس لئے اصل کتاب سے وہ حصہ معہ سیاق و سباق ضرور پڑھنا چاہئے۔"

حیرت انگیز قوت باصرہ

آپ کی بینائی بھی دوسری قوتوں کی طرح بے نظیر تھی اور معجزانہ طور سے آخری عمر تک قائم رہی۔ اپنی وفات سے چند ہفتہ قبل ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا۔ چند سال پہلے جب ہم موجودہ دارالضیافت کے احاطہ کے اندر کوارٹر میں رہتے تھے تو وہاں سے چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کی کوٹھی پر بیٹھے ہوئے پرندوں کو نہ صرف گن سکتے تھے بلکہ ان کے نام بھی بتا سکتے تھے جبکہ دوسرے اصحاب کو وہ پرندے بعض دفعہ نظر بھی نہ آتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اب بھی پہاڑوں پر چڑھتے ہوئے لوگوں کو باسانی دیکھ سکتا ہوں۔ اڑتے ہوئے پرندوں میں نہ صرف نسلی فرق بتا دیتے تھے بلکہ نر و مادہ کو بھی پہچان لیتے تھے یہ ان کی زبردست قوت بصارت و ذہانت کا ثبوت تھا۔

قوت شامہ کا کمال

جیسا کے اوپر عرض کیا جا چکا ہے شاہجہانپور دو دریاؤں کے درمیان واقع تھا ان دریاؤں کے کناروں پر جو کھیت واقع تھے وہ دریاؤں سے سیراب ہوتے تھے۔ دریا کا پانی بانس کی بنی ہوئی بہنگیوں (ٹوکریوں) کے ذریعہ اوپر پہنچایا جاتا تھا وہاں سے نالیوں کے ذریعے کھیتوں کی کیاریوں تک لے جایا جاتا تھا۔ اندرون شہر جو زیر کاشت اراضیات اور باغات تھے وہ کنوؤں کے ذریعہ سیراب کئے جاتے۔ بعض کھیتوں کے کنارے بڑے بڑے پختہ کنوئیں بنائے جاتے اور چمڑے کی بڑی بالٹی کے ذریعہ جس کو دو بیل کھینچتے تھے رہٹ کے ذریعہ پانی کھیتوں تک

پہنچایا جاتا تھا۔ ہر گھر میں لازمی طور سے ایک کنواں ہوتا تھا۔ بلکہ بعض بڑے گھروں میں مردانہ حصہ میں بھی کنواں ہوتا تھا اور زنان خانہ میں بھی۔

حضرت حافظ صاحب کے صحن میں بھی شیریں پانی کا ایک کنواں تھا۔ گرمی کے دنوں میں حافظ صاحب برف استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ کنوئیں سے تازہ پانی جو ٹھنڈا بھی ہوتا تھا اور شیریں بھی نکلوا کر پیتے تھے۔ یہ پانی واقعی برف کا نعم البدل ہوتا تھا کبھی کبھی کنوئیں کے اندر چھپکلی گر جاتی لیکن ہمیں محسوس ہونے سے پیشتر حافظ صاحب فرماتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کنوئیں میں چھپکلی گر گئی ہے۔ لیکن ہمیں اس کا دیر تک احساس نہ ہوتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوت شامہ کتنی تیز تھی۔

فراست کی ایک مثال

ایک مرتبہ حضرت حافظ صاحب کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ باہر سے ایک شخص کے چلنے کی آواز آئی حافظ صاحب نے فوراً" فرمایا کہ اس شخص کے قدموں کی چاپ بتا رہی ہے کہ کوئی المناک خبر لایا ہے۔ وہ شخص اندر آیا اور کسی کے فوت ہوجانے کی خبر دی۔ اس طرح حضرت حافظ صاحب کے قیاس کی تصدیق ہوگئی اسی طرح لاتعداد واقعات ہیں جن سے حافظ صاحب کے حواسِ خمسہ کی برتری کا ثبوت ملتا ہے یہاں اُن کی تفصیل بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ صرف یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ان کے حواس خمسہ کو اللہ تعالیٰ نے امتیازی طور سے ایک مقام خاص عطا فرمایا تھا۔

حضرت حافظ صاحب کا پاکیزہ طرز تحریر

راقم الحروف نے جب ہوش سنبھالا اور تعلیمی میدان میں قدم رکھا تو معلوم ہوا کہ ہر طرف خط نستعلیق کا چرچا ہے۔ برقی پریس ابھی تک عام نہیں ہوئے تھے۔ دستی پریس ہوتے

تھے اور پتھر کی سلوں پر دلکش تحریر ثبت کردی جاتی تھی۔ بعد ازاں دستی بیلنے (رولر) کے ذریعہ اُس سل پر چھاپہ کی سیاہی لگادی جاتی تھی۔ پھر سادہ کاغذ سل پر رکھ دیا جاتا تھا۔ آخر میں ہینڈل گھما کر ایک بڑا رولر سل پر سے گزارا جاتا تھا اور دوسری طرف سے چھپا ہوا کاغذ باہر آجاتا تھا۔ آج کل بٹر پیپر (butter) پر کتابت کی جاتی ہے اور اس کو پلیٹ پر منتقل کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں برقی مشین کے ذریعہ طباعت کے مراحل بسرعت طے ہو جاتے ہیں۔ اُس زمانے میں خوش نویس کاتبوں کی بڑی مانگ تھی اور ان کی بڑی عزت کی جاتی تھی۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ اپنی جوانی کے ابتدائی دنوں میں حضرت حافظ صاحب شاہجہانپور سے ایک ہفت روزہ اخبار "ایڈورڈ گزٹ" کے نام سے نکالا کرتے تھے جس کی چند کاپیاں راقم الحروف کی نظروں سے بھی گزری ہیں۔ یہ اخبار کشور علی خان صاحب کے دیوان خانہ واقع محلّہ ترین بہادر گنج سے متصل ایک بڑے کمرے میں نصب شدہ پریس میں چھپتا تھا۔ اُس پریس کا نام اس وقت حافظہ میں محفوظ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں محلّہ جلی کوٹھی میں حضرت حافظ صاحب کے ایک شاگرد کا بھی ایک دستی پریس تھا جو "نامی پریس" کے نام سے مشہور تھا۔ اُس پریس میں ماہنامہ "مرقع" چھپتا تھا جس میں مضامین نثر کے علاوہ شعرائے شاہجہاں پور کی غزلیں بھی بالالتزام شائع ہوا کرتی تھیں۔ محلّہ گاڑیپورہ سے ایک رسالہ نواب ناظم علی خان ہجرؔ نکالا کرتے تھے جس کا نام "زبان اردو" تھا۔ یہ بھی ایک موقر علمی و ادبی مجلّہ تھا۔ محلّہ سن زئی میں سادات پریس قائم تھا۔ اُس پریس سے شاہجہانپور کا مشہور اخبار ہفت روزہ "المیزان" نکلتا تھا۔ جس میں راقم الحروف کی غزلیات بھی اشاعت پذیر ہوتی رہتی تھیں۔ اِس پریس میں منشی محمد حسین صاحب اعجاز رقم، کتابت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ منشی صاحب فن کتابت کے ماہر اور زود نویسی میں طاق تھے۔ وہ دور خوش نویسی کا دور تھا اور تعلیم گاہوں میں یوں تو بچوں کو تختی پر لکھنا سکھایا جاتا تھا۔ تختی پر توے کی سیاہی پھیر کر سفید حروف میں الف بے لکھنا سکھایا جاتا تھا۔ مٹی کی بنی ہوئی دواتوں میں جو "بورقہ" کہلاتی تھیں ملتانی مٹی جیسی کوئی مٹی جس کو ہم

لوگ "کبّس" کہتے تھے گھول دی جاتی تھی اور تھوڑا باریک کپڑا بھی ڈال دیا جاتا تھا اور اس طرح وہ روشنائی تیار ہو جاتی تھی جو تختی پر لکھنے میں کام آتی تھی۔ اور خشک ہو جانے پر حروف موتی کی طرح چمکنے لگتے تھے۔ اُس زمانے کے اکثر اُستاد خوش نویس ہوتے تھے اور وہ تختی پر دانے دار حروف لکھ دیا کرتے تھے جس پر بچے ہاتھ پھیر کر حروف کو مکمل کر دیتے تھے۔ اکثر بچے آگے چل کر خوش نویس بن جاتے تھے۔ راقم الحروف نے بھی بچپن میں یہ فن سیکھا تھا لیکن بوجہ دیگر علمی مصروفیات اِس فن میں کمال حاصل نہ کر سکا۔ لیکن آج بھی اپنے ہم عصروں میں خوش نویس شمار کیا جاتا ہوں یہ اُسی ابتدائی مشق کا انعام ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل کا جو میرے موضوع سے بظاہر غیر متعلق معلوم ہوتی ہے ایک مقصد تو اس امر کو ظاہر کرنا تھا کہ اُس زمانہ میں کتابت کو کتنی اہمیت حاصل تھی۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ حضرت حافظ صاحب کا خط نہایت پاکیزہ تھا جس کی چند عکسی نقول مشمولہ کتاب ہذا ہیں۔ آج کل لوگ جب تک کاغذ کے نیچے کوئی سخت چیز مثلاً کتاب یا رجسٹر نہ رکھ لیں کوئی تحریر نہیں لکھ سکتے۔ لیکن حافظ صاحب اپنے احباب کو اکثر رقعہ جات کاغذ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر تحریر کیا کرتے تھے اور اتنا باریک لکھتے تھے کہ بسا اوقات ایک پوسٹ کارڈ پر پچیس تیس سطریں تحریر فرمادیا کرتے تھے اور ہر دو سطروں کے درمیان جو فاصلہ ہوتا وہ آخر تک قائم رہتا کسی سطر میں کوئی جھول یا جھکاؤ نہیں ہوتا تھا۔ آپ چاہیں تو مسطر سے ناپ لیں۔ پھر تحریر ایسی کہ گویا موتی پرودئے ہیں۔ ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد نظر ہٹانا مشکل ہو جائے۔

پاکیزہ طرز تحریر اور مختصر نویسی کے متعلق ایک شہادت

کئی خطوط آپ کے تحریر کردہ اور املا کردہ مجھے موصول ہوئے۔ جن میں سے بیشتر تو اب محفوظ نہیں ہوں گے۔ لیکن مختصر نویسی میں بھی آپ کو کمال کا درجہ حاصل تھا۔ سارا مفہوم ان چند الفاظ میں سمٹ کر آجاتا تھا اور یہ ایک مثال تھی ان کے زبان پر کامل عبور اور دسترس

حاصل ہونے کی۔ (ماخوذ از مضمون میاں عبدالسمیع صاحب نون ایڈوکیٹ بحوالہ روزنامہ "الفضل ربوہ"۔

حضرت حافظ صاحب کے عفوودرگزر کی ایک درخشندہ مثال

جناب چوہدری ضیاء الحق صاحب حضرت حافظ صاحب کے عفوودرگذر اور احترام خلافت کے ضمن میں ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک اور واقعہ عرض کرتا ہوں جس سے آپ کے (حضرت حافظ صاحب کے ۔۔۔ مولف) عفوودرگذر، اور شفقت علیٰ خلق اللہ پر روشنی پڑتی ہے، اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کو دربار خلافت کا کس قدر احترام تھا۔ غالباً" ۱۹۵۲ء یا ۱۹۵۳ء کی بات ہے۔ شدید گرمی تھی۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ پسینے میں شرابور کچھ لکھنے میں مصروف تھے۔ کبھی ہاتھ سے پنکھا ہلاتے، کبھی کپڑے سے پسینہ صاف کرتے۔ میں نے سمجھا شاید برقی رو بند ہوگئی ہے۔ ایسے ہی بے خیالی میں میں نے کہا یہ بجلی نہ جانے کب آئے گی۔ آپ نے بے ساختہ فرمایا جب اللہ چاہے گا۔ میں نیچے چلا آیا دیکھا تو سب جگہ بجلی موجود ہے۔ میں پھر اوپر گیا تو اس خیال سے کہ شاید حضرت حافظ صاحب کے کمرے کے تاروں میں کوئی خرابی واقع ہوگئی ہو، عرض کیا میں کسی بجلی کے ماہر کو بلا کرلاتا ہوں۔ آپ نے مجھے منع فرمایا۔ میں احتراماً" خاموش ہوگیا لیکن معاملہ میری سمجھ نہ آیا۔ شاید اُسی روز یا اس سے اگلے روز مجھے علم ہوا کہ حضرت حافظ صاحب کے کمرے کا علیحدہ میٹر نہیں تھا، وہ فلاں صاحب کے ساتھ مشترک ہے۔ اِس مرتبہ انجمن کے کارکنوں کی غلطی کی وجہ سے حضرت حافظ صاحب کے کمرے کا بل بر وقت ادا نہ ہوا۔ اُن صاحب نے جن کا اس میٹر میں اشتراک تھا حضرت حافظ صاحب کے کمرے کی طرف جانے والی برقی تاریں کاٹ دیں۔ مجھے انجمن کے کارکنوں کی کوتاہی سے زیادہ اس شخص کی شقاوت پر غصہ آیا جوان تاروں کے کاٹنے کا ذمہ دار تھا۔ میں نے سوچا کہ

یہ معاملہ حضرت خلیفتہ المسیح کے نوٹس میں لاؤں۔ چنانچہ میں حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے حضرت حافظ صاحب سے عرض کی کہ میں حضرت صاحب کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کروں گا۔ اٹھ کر بیٹھ گئے اور سخت سرزنش سے فرمایا، اپنے ایک بھائی کی شکایت کروگے اور وہ بھی حضرت صاحب کے حضور۔؟ استغفار کرو، استغفار کرو۔"

مکرم خواجہ عبدالمومن صاحب حضرت حافظ صاحب کی شفقت کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"بے شمار لوگ پاکستان اور بیرونی ممالک سے آپ کی خدمت میں دعا کے لئے خطوط بھجواتے اور آپ کی ملاقات کے لئے آتے۔ آپ جس کے ساتھ ایک بار تعلق قائم فرمالیتے پھر اسے کبھی فراموش نہ کرتے۔ خاکسار ایک بار کچھ عرصہ آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکا۔ آپ نے پیغام بھیجا اور شکوہ کیا کہ تم نے ملنا کیوں چھوڑ دیا ہے۔ خاکسار حضرت حافظ صاحب کی اس شفقت کو دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا اور اس کے بعد اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔"

حضرت حافظ صاحب کی اس شفقت کے بارے میں مکرم محمد ضیاء الحق صاحب لاہور فرماتے ہیں:۔

"۱۹۵۰ء میں خاکسار لاہور جودھامل بلڈنگ میں مقیم تھا۔ میرا قیام زیریں حصہ میں تھا اور حضرت حافظ صاحب بالائی منزل میں قیام پذیر تھے۔ لاہور اور اس کے نواحی علاقے سیلاب کی لپیٹ میں تھے۔ محکمہ شہری دفاع کی طرف سے خاکسار کی ڈیوٹی سیلاب زدہ علاقوں کے لوگوں کے انخلاء اور ان کی ادویات اور دیگر ضروریات زندگی پہنچانے پر تھی۔ حضرت حافظ صاحب ہر روز صبح دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کرتے اور شام کو واپسی پر دن بھر کی روداد سنتے۔"

امانت ودیانت

مکرم ملک محمد احمد صاحب وکالت تبشیر ربوہ کا بیان ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

حاصل ہونے کی۔ (ماخوذ از مضمون میاں عبدالسمیع صاحب نون ایڈووکیٹ بحوالہ روزنامہ "الفضل ربوہ"۔

حضرت حافظ صاحب کے عفوودرگزر کی ایک درخشندہ مثال

جناب چوہدری ضیاء الحق صاحب حضرت حافظ صاحب کے عفوودرگذر اور احترام خلافت کے ضمن میں ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک اور واقعہ عرض کرتا ہوں جس سے آپ کے (حضرت حافظ صاحب کے ۔۔ مولف) عفوودرگذر، اور شفقت علیٰ خلق اللہ پر روشنی پڑتی ہے، اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کو دربار خلافت کا کس قدر احترام تھا۔ غالباً" ۱۹۵۲ء یا ۱۹۵۳ء کی بات ہے۔ شدید گرمی تھی۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ پسینے میں شرابور کچھ لکھنے میں مصروف تھے۔ کبھی ہاتھ سے پنکھا ہلاتے، کبھی کپڑے سے پسینہ صاف کرتے۔ میں نے سمجھا شاید برقی رو بند ہوگئی ہے۔ ایسے ہی بے خیالی میں میں نے کہا یہ بجلی نہ جانے کب آئے گی۔ آپ نے بے ساختہ فرمایا جب اللہ چاہے گا۔ میں نیچے چلا آیا دیکھا تو سب جگہ بجلی موجود ہے۔ میں پھر اوپر گیا تو اس خیال سے کہ شاید حضرت حافظ صاحب کے کمرے کے تاروں میں کوئی خرابی واقع ہوگئی ہو، عرض کیا میں کسی بجلی کے ماہر کو بلا کر لاتا ہوں۔ آپ نے مجھے منع فرمایا۔ میں احتراماً" خاموش ہوگیا لیکن معاملہ میری سمجھ نہ آیا۔ شاید اُسی روز یا اس سے اگلے روز مجھے علم ہوا کہ حضرت حافظ صاحب کے کمرے کا علیحدہ میٹر نہیں تھا، وہ فلاں صاحب کے ساتھ مشترک ہے۔ اس مرتبہ انجمن کے کارکنوں کی غلطی کی وجہ سے حضرت حافظ صاحب کے کمرے کا بل بر وقت ادا نہ ہوا۔ اُن صاحب نے جن کا اس میٹر میں اشتراک تھا حضرت حافظ صاحب کے کمرے کی طرف جانے والی برقی تاریں کاٹ دیں۔ مجھے انجمن کے کارکنوں کی کوتاہی سے زیادہ اس شخص کی شقاوت پر غصہ آیا جو ان تاروں کے کاٹنے کا ذمہ دار تھا۔ میں نے سوچا کہ

یہ معاملہ حضرت خلیفۃ المسیح کے نوٹس میں لاؤں۔ چنانچہ میں حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے حضرت حافظ صاحب سے عرض کی کہ میں حضرت صاحب کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کروں گا۔ اٹھ کر بیٹھ گئے اور سخت سرزنش سے فرمایا، اپنے ایک بھائی کی شکایت کرو گے اور وہ بھی حضرت صاحب کے حضور۔؟ استغفار کرو، استغفار کرو۔"

مکرم خواجہ عبدالمومن صاحب حضرت حافظ صاحب کی شفقت کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"بے شمار لوگ پاکستان اور بیرونی ممالک سے آپ کی خدمت میں دعا کے لئے خطوط بھجواتے اور آپ کی ملاقات کے لئے آتے۔ آپ جس کے ساتھ ایک بار تعلق قائم فرمالیتے پھر اسے کبھی فراموش نہ کرتے۔ خاکسار ایک بار کچھ عرصہ آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا۔ آپ نے پیغام بھیجا اور شکوہ کیا کہ تم نے ملنا کیوں چھوڑ دیا ہے۔ خاکسار حضرت حافظ صاحب کی اس شفقت کو دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا اور اس کے بعد اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔"

حضرت حافظ صاحب کی اس شفقت کے بارے میں مکرم محمد ضیاء الحق صاحب لاہور فرماتے ہیں:۔

"۱۹۵۰ء میں خاکسار لاہور جودھامل بلڈنگ میں مقیم تھا۔ میرا قیام زیریں حصہ میں تھا اور حضرت حافظ صاحب بالائی منزل میں قیام پذیر تھے۔ لاہور اور اس کے نواحی علاقے سیلاب کی لپیٹ میں تھے۔ محکمہ شہری دفاع کی طرف سے خاکسار کی ڈیوٹی سیلاب زدہ علاقوں کے لوگوں کے انخلاء اور ان کی ادویات اور دیگر ضروریات زندگی پہنچانے پر تھی۔ حضرت حافظ صاحب ہر روز صبح دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کرتے اور شام کو واپسی پر دن بھر کی روداد سنتے۔"

امانت و دیانت

مکرم ملک محمد احمد صاحب وکالت تبشیر ربوہ کا بیان ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"جب آپ (حضرت حافظ صاحب -- مولف) ہجرت کے بعد جودہامل بلڈنگ میں مقیم ہوئے تو بہت سے لوگ آپ کے پاس امانتی رقوم یا سامان رکھوا جاتے تھے اور جس رشتہ دار کو وہ چیزیں دینا مقصود ہوتیں اسے لکھ دیتے کہ حافظ صاحب سے جاکر لے آؤ۔ کیونکہ لوگ بے آسرا تھے اور ان کے مستقل پتے بھی نہ تھے۔ بہت سے خطوط آپ کی معرفت آتے تھے۔ اسی طرح رتن باغ کے ایک حصہ میں جہاں بعض مہاجر مستورات مقیم تھیں، ان کے سرپرست حضرت حافظ صاحب کے نام ہی منی آرڈر بھجوادیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ایسی عورت کے نام کا منی آرڈر آیا جس کے نام کی ایک دوسری عورت بھی تھی اور دونوں کے شوہر بھی ہمنام تھے۔ آپ نے ایک کو بلا کر رقم دیدی۔ چند دن کے بعد دوسری عورت دریافت کرنے آئی کہ اُس کے خاوند نے فلاں رقم منی آرڈر کی تھی وہ ابھی تک نہیں پہنچی۔ آپ نے اُسے بتایا کہ منی آرڈر تو آیا تھا مگر میں نے اس کی ہم نام عورت کا سمجھ کر اسے رقم دے دی تھی۔ پھر آپ نے اپنی گرہ سے ادا کردی اور اس اداشدہ رقم کے واپس ملنے کا انتظار نہیں کیا"۔

سوء ظنی سے اجتناب

مکرم ملک محمود احمد صاحب وکالت تبشیر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حافظ صاحب نے ایک واقعہ سنایا کہ ایک نایاب کتاب جو چند صفحات پر مشتمل تھی ایک دوست نے پڑھنے کے لئے مانگی۔ میں نے کہا مجھے اکثر اس کتاب کی ضرورت رہتی ہے۔ آپ یہیں دیکھ لیا کریں۔ تین چار دفعہ انہوں نے وہ کتاب مجھ سے لی اور پڑھ کر وہیں رکھ دی۔ ایک دن مجھے ضرورت پڑی تو کتاب غائب تھی۔ بڑی پریشانی ہوئی۔ اُس دوست کے علاوہ کوئی اور اس کتاب کا طلب گار نہ تھا۔ وہ دوست بھی آتے رہے لیکن ہم نے اشارۃً بھی اس کتاب کا ذکر نہ کیا لیکن دعا کرتے رہے کہ اس دوست پر بدظنی سے اللہ تعالیٰ ہمیں بچائے رکھے۔ آخر

ایک دن ایک کتاب حوالہ نکالنے کے لئے کھولی تو اندر سے وہ گم شدہ کتاب بھی نکل آئی۔ غالباً" ہم نے ہی کسی وقت دونوں کتابیں نکالی ہوں گی اور یہ کتاب اس کے اندر رہ گئی۔"

حضرت حافظ صاحب کی سیرت کے چند پہلوؤں پر برادرم جناب محمد ضیاء الحق چوہدری (امریکہ) کے انکشافات:۔

(۱) ایک مرتبہ کسی دوست کے استفسار پر قبول احمدیت کے سلسلے میں فرمایا کہ کلام الٰہی کے ایک حصہ کے معنی سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ کسی طرح سے تسکین نہیں ہوتی تھی۔ کلام الٰہی کی کسی بھی آیت کی تنسیخ کے قائل نہیں تھے۔ طبیعت کی بے چینی دن بدن بڑھتی رہی حتیٰ کہ آپ صاحب فراش ہوگئے۔ بخار رہنے لگا۔ آپ کی ایک ہمشیرہ اور والد بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے بھی اس مسئلہ کے حل کے لئے دعائیں کرنی شروع کیں۔ یہ خود بھی دن رات دعاؤں میں مصروف تھے کہ ان کے ملنے والے کوئی صاحب کسی سلسلے میں پنجاب آکر واپس گئے ان سے ملے تو ذکر کیا کہ امرتسر کے فلاں مطبع میں گیا تھا تو وہاں پر مولوی غلام احمد قادیانی کی کوئی کتاب چھپ رہی تھی۔ یہ چند اوراق چھپے تھے میں لے آیا ہوں۔ اس کے بعد حافظ صاحب نے فرمایا کہ وہ چند اوراق جب مجھے دئے تو ابھی ان میں مطبع کی سیاہی کی تازگی کی بو تھی اور یہ "آئینہ ء کمالات (---)" کا وہ حصہ تھا جس میں حضرت صاحب نے مندرجہ بالا حصہ کی تشریح فرمائی ہے۔ حافظ صاحب بہت ہی مزے سے اور جذبہء تشکر سے یہ بات سناتے تھے فرماتے اس کے بعد مجھ میں اور احمدیت میں کیا مانع تھا؟

(۲) مکرم و محترم چوہدری صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت حافظ صاحب سے میری نیاز مندی کا عرصہ ربع صدی کے لگ بھگ تھا۔ اب لکھنے بیٹھا ہوں تو بات سے بات یاد آتی چلی جارہی ہے۔ بیعت کے سلسلہ میں ایک مرتبہ اپنی بہن کے متعلق فرمایا کہ جب حافظ صاحب نے بیعت کی، عزیز و اقارب کو علم ہوا تو ان کی بہن جو کہ خود بھی صاحب علم تھیں، نے ایک روز ان سے (حافظ صاحب سے) کہا "بیعت کرنی تھی تو کسی سید کی کی ہوتی۔" کچھ

اس قسم کے مفہوم کی بات تھی۔ آپ نے (حضرت حافظ صاحب نے) جواباً" صرف یہ فرمایا "ہمشیر! آپ تو عالمہ ہیں پھر یہ کیسی بات کہہ دی؟" اس پر وہ خاموش ہو گئیں اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا "آپ ٹھیک ہیں، میں نے غلط کہا۔"

(۳) برادرم چوہدری صاحب حضرت حافظ صاحب کے طرز تحریر کے متعلق رقمطراز ہیں:-

"آپ کو (حضرت حافظ صاحب کو --- مولف) میں نے عموماً" بستر پر گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے نیم دراز حالت میں لکھتے دیکھا۔ بغیر لائن کا سفید کاغذ اسے لمبائی کے رخ دہرا کر کے بائیں ہاتھ میں رکھ کر تیزی سے لکھتے تھے۔ کاغذ کو سہارا دینے کے لئے کوئی سخت چیز گتہ یا کتاب وغیرہ نہیں رکھتے تھے۔ خوشخط تھے اور عموماً" کاتبوں کی طرز پر صاف اور خوبصورت لکھائی ہوتی تھی۔ ۱۹۴۷ء کے بعد جودھامل بلڈنگ ہی میں ایک مرتبہ اس ظلم و ستم اور بربریت کا ذکر ہو رہا تھا جس کا نشانہ ان ایام میں مہاجرین بنے، کہ حافظ صاحب نے اپنے بستر پر رکھی کتب کے نیچے سے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک طویل نظم دی۔ مجھے علم نہیں کہ اس کی کوئی اور نقل بھی کسی کے پاس تھی یا نہیں البتہ ۱۹۷۴ء میں لاہور چھاؤنی میں میرے مکان پر ایک مرتبہ برادرم ثاقب زیروی تشریف فرما تھے تو کسی طرح حضرت حافظ صاحب کا تذکرہ ہوا، اس پر میں نے وہ نظم ثاقب زیروی کو دیدی۔ انہوں نے اگلے ہی شمارے میں کچھ حصے شائع کر دئے۔ پھر بعد میں ایک مرتبہ پوری نظم بھی شائع کی۔ شاید دو سے زیادہ مرتبہ لاہور میں شائع ہوئی۔ اس سے قبل کم از کم میری نگاہ سے جماعت کے کسی پرچے میں وہ شائع ہوئی ہو تو نہیں گزری۔ اب "الفضل" ۱۹۹۵ء کے سالنامے میں پوری نظم "خالی نہیں جاتیں کبھی مظلوم کی آہیں" کے عنوان سے چھپی ہوئی دیکھی ہے۔"

کتابوں سے پیار

(۴) محترم چوہدری صاحب فرماتے ہیں کہ:-

"آپ کو (حضرت حافظ صاحب کو --- مولف) کتب سے اس قدر پیار تھا کہ ایک مرتبہ میری موجودگی میں کسی صاحب نے حضرت حافظ صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ پر کبھی اپنے والد کی طرف سے بھی شادی کے لئے اصرار نہیں ہوا؟ آپ نے جواباً" فرمایا، ہوا، لیکن میں نے ان کی خدمت میں یہ گزارش کی کہ میں شادی تو کرلوں لیکن ان بیویوں کو کس کے سپرد کروں؟ اگر ان کا حق ادا کروں گا تو اس کی (بیوی کی --- مولف) حق تلفی ہوگی۔ آپ کی (حضرت حافظ صاحب کی --- مولف) شاہجہان پور میں ایک بہت بڑی لائبریری تھی جس پر تقسیم ملک کے بعد حکومت ہند نے قبضہ کر لیا۔ اس پر اپیل کی گئی۔ حافظ صاحب بے حد اضطراب میں تھے۔ جودھامل بلڈنگ میں ہی تھے۔ کئی روز یہ کیفیت رہی۔ ایک روز میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ چہرہ پر معمول کی بشاشت ہے۔ میں نے سمجھا کہ شاید لائبریری کا کوئی خوشگوار فیصلہ ہو گیا ہے۔ میرے استفسار پر فرمایا کہ جب بے قراری ناقابل برداشت ہو گئی تو آپ چارپائی سے اتر کر زمین پر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے اور دعا مانگی کہ لائبریری کا فیصلہ تو اے اللہ آپ کی جو مشیت ہوگی ہو جائے گا لیکن مجھے سکینت تو عطا فرما دیں۔ اسی حالت میں فارسی کا یہ مشہور شعر القاء ہوا۔

کار ساز ما بفکر کار ما

فکرما در کار ما آزار ما

آپ فرمانے لگے کہ اس لمحہ کے بعد طبیعت پر کوئی بوجھ نہیں رہا۔"

آخری وقت تک دعوت الی اللہ کا جوش

(۵) مکرم چوہدری صاحب فرماتے ہیں:-

"میرے ایک دوست چوہدری نصیر احمد صاحب (مالک الائیڈ سائنٹیفک اسٹور، لاہور) میری زیر دعوت الی اللہ تھے ایک دو مرتبہ میں نے انہیں حافظ صاحب سے بھی ملوایا۔ شروع میں وہ

احمدیت کے کافی قریب آ کر پھر مخالفت سے گھبرا کر کچھ وقت کے لئے پیچھے ہٹ گئے۔ میرا طریق تھا کہ ربوہ سے واپس ہوتے وقت حضرت حافظ صاحب سے ضرور مل کر آتا۔ میں حاضر ہوا دیکھا اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ تمام جسم پر سوج پڑی ہوئی تھی۔ میرے ساتھ میری بیوی اور بچے بھی تھے۔ میں نے سلام کیا۔ جواب میں صرف ہونٹ ہلے۔ میں نے بہت قریب جا کر طبیعت کا پوچھا تو بہت ہی آہستہ سے، جسے میں کان لگا کر سن سکا، فرمایا کہ "اب تو چل چلاؤ کا وقت ہے اب طبیعت کیسی؟ ذرا سے توقف سے استفسار فرمایا "آپ کے اس تاجر دوست کا کیا بنا؟" جس پر میں نے کچھ ناامیدی کی بات کی تو اونچی آواز میں، جسے میری بیوی اور بچوں نے بھی سنا، فرمایا "میں نے اس کے چہرے پر ایمان کا نور دیکھا ہے۔ جاؤ اور اس کا پیچھا کرو"۔ میں سلام کر کے چلا آیا اور چند روز بعد ہی آپ کی وفات کی خبر آگئی۔

حضرت حافظ صاحب کا شاہکار واسوخت

(۶) حافظ صاحب کے اس مشہور واسوخت کا تذکرہ اوپر کے ابواب میں ہو چکا ہے اب کچھ ذکر محترم چوہدری صاحب کے قلم سے بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت حافظ صاحب کے ایک ہم وطن جو کہ غیر از جماعت تھے مکرم حلیم صاحب ۱۹۴۹ء میں آرڈیننس کلودنگ فیکٹری سیالکوٹ کے مدار المہام تھے۔ ریٹائر منٹ کے قریب تھے بہت صاحب ذوق اور سنجیدہ بزرگ تھے۔ دہلی اور راولپنڈی سے میرے شناسا تھے۔ ایک مرتبہ حضرت حافظ صاحب کی شعر گوئی کا تذکرہ ہوا تو حلیم صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ نے حضرت حافظ صاحب کی واسوخت پڑھی ہے؟۔ شعر کی اس صنف سے نہ میں تب واقف تھا نہ اب ہوں۔ میرے انکار پر انہوں نے کہا کبھی حافظ صاحب سے مانگیں تو مجھے بھی دیں۔ ساتھ ہی انہوں نے کہا کہ اس واسوخت پر تو داغ دہلوی نے کہا تھا کہ مختار میرا سارا کلام لے لے اور اپنی واسوخت مجھے دیدے تو مجھے خوشی ہوگی۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے ہلکے سے انداز میں

واسوخت کا ذکر حضرت حافظ صاحب سے کیا تھا۔ آپ کی طرف سے حوصلہ افزائی نہ پاکر دوبارہ یہ بات کرنے کی جسارت نہ ہوئی۔

حضرت حافظ صاحب کے بیمثل حافظہ کے متعلق چوہدری صاحب کی شہادت

آپ کا حافظہ بلا کا تھا کوئی حوالہ درکار ہوتا تو فرماتے۔ اس الماری کے فلاں خانہ سے دائیں طرف سے اتنے نمبر پر کتاب رکھی ہے اس کا فلاں صفحہ نکالو۔ ابھی مشکل سے کتاب اٹھا کر صفحہ نکال رہے ہوتے تو آپ پیراگراف کے پیراگراف بول دیتے اور فرماتے دیکھو میں ٹھیک پڑھ رہا ہوں۔

آپ کی چارپائی پر جو چادر بچھی ہوتی اس کے نیچے دونوں طرف مختلف کاغذ رکھے ہوتے۔ جب چادر تبدیل کرنا ہوتی تو آپ اس کے اوپر دوسری چادر بچھوا لیتے پھر ان تہوں میں ضروری تحریرات جگہ پاتیں۔ آپ کو ایک ایک کاغذ یاد ہوتا کہ کون سی تہ میں اور کس جگہ رکھا ہے۔ آپ نے اس سلسلہ میں ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ شاہجہان پور میں بعض اوقات ایک ایک درجن چادریں اوپر نیچے بچھ جاتیں پھر آپ اس پلنگ کو ہی کسی دوسرے کمرے میں رکھوا دیتے اور یوں چادروں کی یہ تہیں شیلف کا کام دیتیں۔ آپ دوسرا پلنگ بچھواتے اور پھر اس کا بھی ایسا ہی استعمال ہونے لگتا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ آپ کو یہ کبھی نہ بھولتا کہ کون سا کاغذ کس تہہ میں کس مقام پر ہوگا"۔

(۸) حضرت حافظ صاحب کی قابل رشک خصوصیات

حضرت حافظ صاحب کی کئی قابل رشک خصوصیات کا ذکر اس کتاب میں اور جگہ بھی آیا ہے لیکن برادرم چوہدری صاحب نے جو بات بیان فرمائی ہے اس سے آپ کی ایک اور قابل

رشک خصوصیت کا انکشاف ہوتا ہے۔ چوہدری صاحب فرماتے ہیں:۔

"ایک مرتبہ حضرت امام جماعت الثانی دعوتوں میں اسراف پر تقریر فرما رہے تھے۔ یہ تو یاد نہیں کہ یہ جلسہ سالانہ کی کوئی تقریر تھی یا کسی خطبہ میں ایسا فرمایا تھا۔ حضرت حافظ صاحب نے دعوتی کھانے میں اسراف کے حوالے سے فرمایا کہ ایک مرتبہ امامت اولیٰ کے زمانے میں یا شاید اس سے بھی قبل کی بات ہوگی۔ بہرحال آپ کے مسند امامت پر متمکن ہونے سے قبل کا واقعہ تھا کہ حضرت صاحب یو۔ پی میں تشریف لے گئے۔ کسی مخلص صاحب ثروت احمدی نے حضرت صاحب کی دعوت کی۔ شہر کے کافی رؤسا بلوائے ہوئے تھے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ فرشی نشست تھی اور حضرت صاحب کا حصہ اس قدر تھا کہ اگر آپ اپنے سامنے، دائیں اور بائیں پوری لمبائی تک بھی ہاتھ پھیلاتے تو آپ کا حصہ ختم نہیں ہوتا تھا۔ اسی طرح باقی مہمانوں کے حصے تھے اور سب کے حصے کی نشاندہی پھولوں کی لڑیوں سے کی گئی تھی۔ انہیں دنوں یا بعد میں کسی وقت یہ بات ذہن میں آئی اور میں نے حضرت حافظ صاحب سے پوچھا کہ آپ تو یو۔ پی کے تمام احمدی رؤسا کو جانتے ہوں گے، حضرت صاحب نے جو فلاں دعوت کا ذکر فرمایا تھا وہ کون صاحب تھے؟ حافظ صاحب نے گردن جھکالی اور آہستہ سے فرمایا "وہ خوش نصیب میں ہی تھا"۔

حضرت حافظ صاحب کے دوست احباب

حضرت حافظ صاحب کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ مسلمانوں کے تقریباً تمام فرقوں کے علاوہ ہندو معززین شہر، عیسائی اور پارسی حضرات سبھی شامل تھے۔ ایک ہندو وکیل جن کا نام شاید رام بہادر لال تھا شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے اور حافظ صاحب کے شاگردوں میں تھے۔ وہ اکثر تشریف لاتے اور کافی وقت حضرت حافظ صاحب کی صحبت میں گزارتے۔

شاہجہانپور کی جماعت ہر سال سیرت النبیؐ کا جلسہ منعقد کیا کرتی تھی جس میں دیگر ادیان کے مقررین بھی حصہ لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت حافظ صاحب نے اُن وکیل صاحب کو بھی حضور نبی کریمؐ کی سیرۃ پاک پر تقریر کرنے کی دعوت دی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان وکیل صاحب نے جلسہ سے ایک دن قبل حضرت حافظ صاحب سے عرض کیا کہ تقریر میں ہم ہندو لوگ "حضرت محمدؐ صاحب" کہا کرتے ہیں لیکن اتنی عظیم الشان ہستی کے لئے یہ الفاظ موزوں معلوم نہیں ہوتے۔ آپ فرمائیں کہ آپ حضرت صاحب کے نام کے ساتھ کیا تعظیمی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ ہم جب حضورؐ کا نام لیتے ہیں تو ان کے اسم گرامی کے ساتھ "صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم" ضرور کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ ترجمہ : "کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر سلامتی بھیجتے ہیں۔ سو اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو تم بھی اس پر درود بھیجتے رہو"

اِس پر وکیل صاحب نے اُن الفاظ کو بار بار دہرایا اور پھر اپنی تقریر میں اُن کو استعمال کیا۔ اُنہی وکیل صاحب کا ایک واقعہ ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ حضرت حافظ صاحب سے کہا کہ میری بہو کی خواہش ہے کہ آپ کو گرم گرم پوریاں کھلائے کیا آپ پسند فرمائیں گے؟ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت مصلح موعود نے جماعت کو ہندوؤں کے ہاتھ کی تیار کردہ اشیاء کو استعمال کرنے سے احتراز کی ہدایت کی ہوئی تھی لیکن حضرت حافظ صاحب نے خلوص کو سراہتے ہوئے اجازت دے دی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وکیل صاحب نے یہ اہتمام کیا کہ اپنے مکان کے دروازے پر جو حضرت حافظ صاحب کے مکان سے چند سو گز کے فاصلے پر تھا ایک ملازم کھڑا کردیا اور اسی طرح سارے راستے تین چار پانچ ملازم تعینات کردئے اندر سے تھالی میں گرم گرم پوریاں آتیں باہر کھڑا ہوا ملازم آگے کھڑے ہوئے ملازم کو پکڑا دیتا اور وہ اپنے سے آگے والے کو اور اس طرح گرم گرم پوریاں حافظ صاحب تک پہنچ جاتیں۔ وکیل صاحب حضرت حافظ صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے ہوتے اور تھال کو پیش کرکے منتظر رہتے کہ

حافظ صاحب وہ پوریاں تناول فرمائیں۔ مجھے یاد ہے کہ حضرت حافظ صاحب نے ان کی دلداری کے لئے چند پوریاں اور ان کے ساتھ آئی ہوئی ترکاری اور چٹنی کھائی۔ وکیل صاحب کے چہرے سے تشکر کے آثار بالکل نمایاں تھے۔ یہ تھا حضرت حافظ صاحب کے ساتھ ان ہندو دوست کا اظہار محبت و عقیدت۔

حضرت حافظ صاحب کے پاس ہر سال ایک پادری صاحب تشریف لایا کرتے تھے۔ اور ایک لمبا عرصہ ان کے پاس قیام کرتے۔ ہم ان کو "ٹوپ صاحب" کہا کرتے تھے کیونکہ ان کے سر پر ایک اونچا سیاہ رنگ کا ٹوپ ہوتا تھا۔ جس میں رکھ کر وہ اکثر پھل بھی لایا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے خوشبودار صابن بھی بنایا تھا جو تیاری کے بعد میرے حوالے کیا اور ہم عرصہ تک ٹکڑے کاٹ کاٹ کر استعمال میں لاتے رہے۔

ایک رات کا واقعہ ہے کہ حضرت حافظ صاحب اور وہ پادری صاحب مکان میں سو رہے تھے کہ اچانک دالان میں بچھے ہوئے تخت کے نیچے سے ایسی آواز آنے لگی گویا انجن سیٹی دے رہا ہو۔ حضرت حافظ صاحب نے میز پر رکھا ہوا لیمپ اٹھالیا اور اس تخت کی طرف جانا چاہا۔ پادری صاحب نے آپ کو پکڑ لیا اور کہا کہ نہ جانے کون سی "بلا" ہے۔ حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ انسان سے بڑی اور کون بلا ہے' آپ مجھے چھوڑ دیں۔ لیکن پادری صاحب نے گرفت مضبوط کردی اور حضرت حافظ صاحب کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔

صبح کو جب ملازم آیا اور تخت کے نیچے جھانک کر دیکھا تو سوائے ایک بڑے سے مرے ہوئے چوہے کے وہاں اور کچھ نہ تھا۔ خیریت گئی گزری ہوگئی۔ ایک لمبے عرصے کے بعد حافظ صاحب اپنے صحن میں چند احباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے دروازے کے پٹ حسب معمول کھلے تھے۔ ایک سپیرا اندر داخل ہوا اور اجازت لے کر مع اپنی بہنگی کے زمین پر بیٹھ گیا اور کرتب دکھانے کی درخواست کی۔ حضرت حافظ صاحب نے اس سے دریافت کیا کہ سانپوں کی کون کون سی اقسام تمہاری نظروں سے گزریں یا تمہارے علم میں آئیں۔ اس سوال کے

جواب میں سپیرے نے سانپوں کی مختلف اقسام اور ان کی خصوصیات بیان کیں۔ دوران گفتگو اُس نے یہ بھی انکشاف کیا کہ ایک سانپ ایسا بھی ہے کہ لمبا تو صرف ڈیڑھ یا دو بالشت ہوتا ہے لیکن جب شکار پر ہوتا ہے تو اتنی تیز آواز نکالتا ہے جیسا کہ انجن سیٹی دیتا ہے اُس وقت یہ معمہ حل ہوا کہ تخت کے نیچے شور کرنے والی "بلا" ایک چھوٹے قد کا سانپ تھا۔

حافظ صاحب کے ایک دوست نور محمد صاحب تھے جو کلکٹری شاہجہانپور میں اہلمد تھے اور کچہری سے واپسی پر اکثر حافظ صاحب سے مل کر گھر جایا کرتے تھے۔ وہ بہت عرصہ زیر تربیت رہے اور فطری سعادت کے باعث حلقہ بگوش احمدیت ہوگئے تھے۔

حضرت حافظ صاحب کے ایک مخلص دوست جو شاعری میں ان کے شاگرد بھی تھے۔ ہدایت اللہ صاحب بیڈھب شاہجہانپوری تھے جو اکثر حاضری دیا کرتے اور گھنٹوں حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا کرتے اور تازہ کلام پر اصلاح لیا کرتے تھے۔ ان کا کلام مزاحیہ ہوتا تھا اور مشاعروں میں خوب داد حاصل کیا کرتے تھے۔ ان کے کلام کا مجموعہ راقم الحروف کے پاس محفوظ ہے۔ بیڈھب صاحب پتنگ بازی میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

خان بہادر منسوب حسن خان صاحب جو شاہجہانپور کی ایک نامور اور معزز شخصیت تھے وہ بھی حضرت حافظ صاحب سے مخلصانہ اور برادرانہ تعلقات رکھتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب نے اُن کی تعریف میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا جو شامل کتاب ہذا ہے۔ خان بہادر صاحب بڑی خوبیوں کے انسان تھے اور ہندو مسلمان دونوں قوموں کے افراد ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ عرصہ دراز تک میونسپلٹی شاہجہانپور کے چیرمین رہے۔
آخری دور میں جب خان بہادر فضل الرحمٰن خان ایڈوکیٹ اُن کے مقابل کھڑے ہوئے تو سردار محمد خان پنجابی جو اُن دنوں آرمی کلودنگ فیکٹری شاہجہاں پور میں ٹھیکیدار کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور اکثر حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک روز حضرت

حافظ صاحب سے عرض پرداز ہوئے کہ خان بہادر منسوب حسن خان صاحب اب ضعیف المعمر ہو چکے ہیں ان کے بالمقابل خان بہادر فضل الرحمٰن خان صاحب جوان العمر بھی ہیں اور بڑی صلاحیتوں کے مالک بھی آپ ان کی حوصلہ افزائی فرمائیں اور اپنے زیر اثر اور ہم خیال دوستوں کو بھی ہدایت دیں کہ وہ اپنا ووٹ ان کے حق میں استعمال کریں۔ حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ آپ نے خان بہادر فضل الرحمٰن کے متعلق جو اظہار خیال کیا وہ اپنی جگہ بجا و درست ہے اور میں چھوٹے خان (خان بہادر فضل الرحمٰن خان) کو آپ سے زیادہ جانتا ہوں اور ان کی خداداد صلاحیتوں کا آپ سے بڑھ کر مداح ہوں لیکن عزیزم یہ دیرینہ تعلقات کا معاملہ ہے یہ تعلقات اسی وقت ختم ہوں گے جب ہم میں سے کوئی ایک اس جہان فانی سے کوچ کر جائے گا۔ آپ کو اپنی فرمائش کی تکمیل کے لئے ہم دونوں میں سے کسی ایک کی وفات کا انتظار کرنا ہوگا۔

اکثر حاضری دینے والوں میں جناب داروغہ ابتہاج علی صاحب اور ان کے صاحبزادے سید احتجاج علی زبیری بھی تھے۔ احتجاج علی زبیری ریٹائرڈ کمشنر بحالیات جن کا حال ہی میں اٹک میں انتقال ہوا ہے انہی احتیاج علی صاحب کے چھوٹے بھائی تھے جو راقم الحروف کے شاگرد تھے۔ احتیاج علی صاحب آج کل پنڈی میں مقیم ہیں اور مکرم نادر قریشی صاحب کے ہم زلف ہیں۔ حضرت حافظ صاحب اکثر احتیاج علی صاحب سے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا منظوم کلام سنا کرتے تھے جو وہ بڑی خوش الحانی سے سنایا کرتے تھے۔

جلال نگر سے دو احمدی احباب اکثر حافظ صاحب سے ملنے آتے تھے اور گھنٹوں ان کی خدمت میں حاضر رہ کر علمی و اخلاقی گفتگو سے استفادہ کرتے تھے ان خان صاحبان کے نام اب حافظہ میں نہیں رہے۔ ہاں یاد آیا ایک بزرگ کا نام کرم علی خان تھا محلہ ہاتھی تھان سے میرے محترم استاد اعتبار الملک حضرت دلؔ شاہجہاں پوری بھی اکثر تشریف لایا کرتے تھے۔ اور شعر و ادب کی مجلس گرم کرتے تھے راقم الحروف نے ان ملاقاتوں سے بڑا فائدہ حاصل کیا۔

موضع کٹیا ضلع شاہجہاں پور سے مکرم و محترم الطاف خان صاحب اکثر جمعہ کی عبادت میں شمولیت کے لئے گھوڑے پر تشریف لایا کرتے تھے ان کے ساتھ ساتھ دوسرے احمدی احباب بھی ہوتے تھے جن کے نام اب یاد نہیں آتے۔ خان صاحب مرحوم و مغفور کے صاحبزادے غلام احمد ظہور انسپکٹر بیت المال ہیں اور اپنے والد ماجد کی خوبیوں کے حامل ہیں۔ بڑی تندہی اور اخلاص سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مرحوم الطاف خان صاحب بڑی خوبیوں کے مالک تھے اور اپنے علاقہ میں ہندوؤں اور آریوں سے تبادلہ خیالات ان کا عام مشغلہ تھا۔ ان کے پاس ضروری کتابوں سے مزین ایک لائبریری بھی تھی جس کی کتابیں ان کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔

کٹیا کے دیگر احباب بھی بڑے مخلص اور حافظ صاحب سے بڑی عقیدت رکھتے تھے ان کے گاؤں میں ایک مسجد بھی تھی جس کے مینارے ہندو فسادیوں نے ۱۹۴۷ء میں شہید کر دئے تھے اور علاقہ میں بڑی گڑبڑ مچائی تھی لیکن بفضلہٖ تعالیٰ کسی احمدی کے پائے ثبات میں لغزش پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

شاہجہاں پور کے قریب ایک موضع لودھی پور تھا جو دریائے کھنوت کے دوسری جانب ایک میل کے فاصلہ پر واقع تھا جہاں ایک بزرگ بولن میاں کا مزار تھا اور سالانہ عرس بھی ہوا کرتا تھا۔ یہاں کے منشی قمرالدین صاحب جو پرائمری اسکول میں مدرس تھے اکثر حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے دوسرے احمدی دوست بھی ملنے آجایا کرتے تھے۔ یہاں ایک نوجوان شوکت علی نے بیعت کی تھی لیکن وہ کچھ عرصہ بعد دق کے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے۔ مخالفوں نے بڑی کوشش کی کہ وہ عہد بیعت کو توڑ دیں لیکن ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی اور بیماری کو منجانب اللہ تصور کر کے رضائے الٰہی پر صابر و شاکر رہے اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ (ہم اسی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں)

جماعت احمدیہ شاہجہاں پور کے جن احباب کے نام حافظہ میں محفوظ رہ گئے ہیں یہ ہیں۔

حضرت حافظ سید علی میاں صاحب

سید قاسم علی میاں عرف حاجی بھائی

حضرت حاجی عبدالقدیر صاحب آدب۔ مالک فرم احمدی اینڈ کو

حاجی عبدالقدوس صاحب فرزند اکبر حضرت حاجی عبدالقدیر صاحب

حاجی عبدالجمیل صاحب پسر حضرت حاجی عبدالقدیر صاحب

محمد عقیل صاحب فرزند اصغر حضرت حاجی عبدالقدیر صاحب

حاجی کرم علی صاحب جلال نگر

حافظ سخاوت علی صاحب گھڑی ساز و تاجر

مدد علی صاحب برادر اکبر حافظ سخاوت علی صاحب (ان کے والد حضرت مولا بخش کی قبر مقبرہ بہشتی قادیان میں ہے)

حاجی محمد نظیر صاحب

عبدالباسط صاحب (حاجی عبدالقدیر صاحب کے بھانجے)

سردار محمد خان صاحب پنجابی جو آرمی کلودنگ فیکٹری میں ملازم تھے

محمد امین خان صاحب (مولوی بشیر احمد صاحب معلم سلسلہ احمدیہ اور پیام شاہجہاں پوری ایڈیٹر "تقاضے" کے والد)

مندرجہ بالا احباب میں سے کوئی بھی بقید حیات نہیں۔ سب اللہ کو پیارے ہو چکے حافظ سخاوت علی صاحب عرصہ دراز سے ترک سکونت کرکے قادیان میں بس گئے تھے اور وہیں پچھلے سال قریباً" سو سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ (ہم اسی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کے جانے والے ہیں) محمد علی خان صاحب' اکبر علی خان صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی رستم علی خان صاحب' فدا حسین خان صاحب گاڑیپورہ جنھوں نے ایک مناظرے کے اختتام پر جو

حضرت حافظ صاحب کے مکان میں منعقد ہوا تھا اپنی وابستگی کا اعلان کیا اور اپنی جائداد بھی بحق سلسلہ وقف کردی۔ ان کے چھوٹے بھائی علی حسین خان برق ایک اچھے شاعر تھے جنھیں دشمنی کی بنا پر گولی مار کر ہلاک کردیا گیا تھا۔ ان کی تعمیر کردہ "برق منزل" آج بھی گاڑیپورہ میں موجود ہے۔

عزیز و اقارب

حضرت حافظ صاحب کے ایک بھائی سید انوار احمد میاں تھے جو شاہجہاں پور کی روضہ شوگر مل میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر فائز تھے۔ یہ جوانی کے عالم میں بیمار پڑے۔ وہ ذیابیطس کے مریض تھے اور پیر میں زخم ہوجانے کی وجہ سے صاحب فراش تھے۔ حضرت حافظ صاحب ان کو اپنے گھر لے آئے تھے اور علاج جاری تھا زخم سے جو بدبو پھیلتی تھی اُس کے ازالہ کے لئے حضرت حافظ صاحب دروں میں رکھے ہوئے گملوں میں عطر کی پھریریاں رکھتے تھے تاکہ باہر سے آنے والوں کو بدبو کا احساس نہ ہوسکے باوجود پوری کوشش اور علاج معالجہ کے یہ بھائی جانبر نہ ہوسکے اور عین عالم جوانی میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔

دو بھائی نور احمد میاں اور سید احمد میاں ترک وطن کرکے حیدر آباد دکن چلے گئے تھے۔ نور احمد نے اکوالہ (برار) میں ٹرانسپورٹ کمپنی قائم کی اور کامیاب رہے۔ چھوٹے سید احمد میاں نے تاچناپتھ (باسم) میں جوتوں کی دکان کا کاروبار شروع کیا اور کافی ترقی کی۔ راقم الحروف کی یاد میں یہ دونوں بھائی صرف ایک مرتبہ شاہجہاں پور آئے تھے اور وہ بھی حضرت حافظ صاحب کی تشویشناک علالت کا تار ملنے پر۔ حافظ صاحب کو ڈبل نمونیہ ہوگیا تھا اور مرض شدت اختیار کرچکا تھا۔ ایسی حالت میں دونوں بھائیوں کو بذریعہ تار اطلاع دی گئی تھی اور وہ فوراً" آگئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حافظ صاحب کو اس مرض سے نجات دی اور ایک طویل فعال عمر عطا فرمائی۔ فالحمدللہ

طویل بیماری

حضرت حافظ صاحب کی دونوں رانوں کے درمیان ایک زخم ناسور کی صورت اختیار کر گیا تھا جس سے کافی خون بہہ جاتا تھا۔ اس حالت کے بعد حافظ صاحب بہت مضمحل ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن کچھ وقفہ کے بعد قوت ارادی عود کر آتی تھی اور وہ اپنے آپ کو سنبھال لیا کرتے تھے اور کسی کو ان کی اس تکلیف کا احساس تک نہ ہونے پاتا تھا۔



باب سوم

حضرت حافظ کی بیعت کے متعلق ایک روایت

حضرت حافظ صاحب کی بیعت کے متعلق مختلف روایات ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ مزید شہادتیں درج ذیل ہیں:۔

محترم شیخ محمد احمد صاحب کپور تھلوی کے قریبی رشتہ دار شاہجہاں پور میں حافظ صاحب کے پڑوسی تھے۔ ان کا نام رسالدار میجر عبدالکریم خان تھا اور وہ وائسرائے کے باڈی گارڈ کے افسر تھے۔ ان کا عہدہ OB-IA-DC (او بی آئی اے ڈی سی) تھا۔ حضرت میاں محمد خان نے "براہین احمدیہ" میجر عبدالکریم خان صاحب کو دی اور انہوں نے یہ کتاب شاہجہاں پور پہنچ کر اپنے ہمسایہ حافظ سید علی میاں کو دے دی نتیجہ یہ ہوا کہ میجر صاحب تو احمدی نہیں ہوئے لیکن حافظ سید علی میاں صاحب جیسا عالم "براہین احمدیہ" سے حد درجہ متاثر ہوا اور انہوں نے اور حافظ مختار احمد صاحب نے بیعت کرلی۔ یہ ۱۸۹۲ء کے قریب کا واقعہ ہے۔

دوسری روایت

مکرم بابو نذیر احمد صاحب امرتسری، حافظ صاحب کی بیعت کے متعلق خود حافظ صاحب کے بیان کردہ واقعات روایت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

شاہجہاں پور میں ایک روز میں اپنے دوستوں کے ساتھ بازار سے گذر رہا تھا تو ایک کتابوں کی دوکان نظر پڑی۔ اس میں گھس گیا۔ وہاں آریہ معترض کی ایک کتاب دیکھی جس

طویل بیماری

حضرت حافظ صاحب کی دونوں رانوں کے درمیان ایک زخم ناسور کی صورت اختیار کر گیا تھا جس سے کافی خون بہہ جاتا تھا۔ اس حالت کے بعد حافظ صاحب بہت مضمحل ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن کچھ وقفہ کے بعد قوت ارادی عود کر آتی تھی اور وہ اپنے آپ کو سنبھال لیا کرتے تھے اور کسی کو ان کی اس تکلیف کا احساس تک نہ ہونے پاتا تھا۔



باب سوئم

حضرت حافظ کی بیعت کے متعلق ایک روایت

حضرت حافظ صاحب کی بیعت کے متعلق مختلف روایات ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ مزید شہادتیں درج ذیل ہیں:۔

محترم شیخ محمد احمد صاحب کپور تھلوی کے قریبی رشتہ دار شاہجہاں پور میں حافظ صاحب کے پڑوسی تھے۔ ان کا نام رسالدار میجر عبدالکریم خان تھا اور وہ وائسرائے کے باڈی گارڈ کے افسر تھے۔ ان کا عہدہ OB-IA-DC (او بی آئی اے ڈی سی) تھا۔ حضرت میاں محمد خان نے "براہین احمدیہ" میجر عبدالکریم خان صاحب کو دی اور انہوں نے یہ کتاب شاہجہاں پور پہنچ کر اپنے ہم سایہ حافظ سید علی میاں کو دے دی نتیجہ یہ ہوا کہ میجر صاحب تو احمدی نہیں ہوئے لیکن حافظ سید علی میاں صاحب جیسا عالم "براہین احمدیہ" سے حد درجہ متاثر ہوا اور انہوں نے اور حافظ مختار احمد صاحب نے بیعت کر لی۔ یہ ۱۸۹۲ء کے قریب کا واقعہ ہے۔

دوسری روایت

مکرم بابو نذیر احمد صاحب امرتسری، حافظ صاحب کی بیعت کے متعلق خود حافظ صاحب کے بیان کردہ واقعات روایت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

شاہجہاں پور میں ایک روز میں اپنے دوستوں کے ساتھ بازار سے گذر رہا تھا تو ایک کتابوں کی دوکان نظر پڑی۔ اس میں گھس گیا۔ وہاں آریہ معترض کی ایک کتاب دیکھی جس

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق یہ اعتراض پڑھا کہ قرآن مجید میں لکھا ہے۔"ووجدک ضالا فھدیٰ" یعنی اے رسول ہم نے تجھے گمراہ پایا اور ہدایت دی۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ایک عرصہ تک (نعوذ باللہ۔ناقل) گمراہ رہے ہیں۔ یہ اعتراض پڑھتے ہی میرے دل پر سخت چوٹ لگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عزت پر اس حملہ نے مجھے سخت مضطرب کر دیا۔ میرا کنکوے اڑانے کا پروگرام دھرے کا دھرا رہ گیا اور میں حالت اضطراب میں فوراً گھر واپس لوٹا تاکہ والد صاحب سے اس اعتراض کا جواب معلوم کروں مجھے اعتراض پڑھ کر کوئی وسوسہ تو پیدا نہ ہوا تھا۔ لیکن جواب معلوم کرنے کے لئے بہت بے چین تھا۔ میرے دوستوں نے دریافت بھی کیا کہ تم پروگرام چھوڑ کر واپس کیوں جا رہے ہو تو میں نے انہیں سمجھایا کہ یہ تمہارے مذاق کی بات نہیں ہے اس لئے تم سمجھ نہ سکو گے لیکن میرے ساتھیوں میں سے ایک متمول خاندان کا لڑکا بضد ہو کر بولا کہ آخر معاملہ کیا ہے، مجھے تو کچھ بتاؤ کہ آخر پروگرام کو پس پشت ڈال کر واپسی کا ارادہ کیوں کر لیا۔ لاچار، مجھے حال دل بیان کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ وہ لڑکا غصہ میں آ کر کہنے لگا کہ وہ ہندو لنگوٹ پوش ہمارے رسول کا حال کیا جانے، کیا ہمارے علماء کے پاس اس کا جواب نہیں ہے؟ ہے اور یقیناً ہے تو پھر اس قدر پریشانی کی کیا بات ہے۔ میں نے جواباً کہا کہ تم میں اور مجھ میں یہی تو فرق ہے کہ تم نے اعتراضات کے جواب جاننا علماء کے ذمہ کر رکھا ہے لیکن میں خود وہ جواب معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی محبت کی وجہ سے جو میری سرشت میں تھی، میں سخت بیمار ہو گیا اور میرے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگے۔ میں بے حد نحیف ہو گیا۔ انہیں دنوں میرے کمرے میں ایک پٹھان ایک بوری کتابوں کی اور کاغذات کی لایا جو اس نے میرے بستر کے قریب ہی رکھی تھی۔ میں نے اپنے بیمار اور نحیف ہاتھوں سے بوری کو کھولا تاکہ معلوم کروں کہ بوری میں کس قسم کی کتابیں ہیں۔ کتابوں کے متعلق یہ تجسس میری فطرت ثانیہ بن چکا تھا۔ بوری میں سے جو کتاب سب سے پہلے میرے

ہاتھ لگی وہ بالکل تازہ چھپی ہوئی کوئی کتاب تھی۔ اس میں ٹائٹل صفحہ بھی نہ تھا۔ حتیٰ کہ مصنف کا نام بھی کہیں نظر نہ آیا۔ لیکن چکنے کاغذ پر نہایت خوبصورت کتابت کے ساتھ چھپی ہوئی تھی۔ تازہ چھپائی کی وجہ سے سیاہی کی بو ابھی قائم تھی اور بھینی بھینی مہک آ رہی تھی۔ میں نے اس کتاب کے مضامین معلوم کرنے کے شوق میں جلد از جلد اس کے اوراق الٹنا شروع کئے۔ یکایک موٹے حروف سے وہی آیت ایک صفحہ پر لکھی ہوئی پائی یعنی ووجدک ضالا" فھدی۔ میں اس آیت کی تفسیر معلوم کرنے میں ایسا گم ہوا کہ مجھے یہ بھی محسوس نہ ہو سکا کہ میرے پاؤں دبانے والا کب اٹھ کر چلا گیا مجھے سخت سردی کا بھی احساس نہ ہو سکا جلد جلد بہت سے صفحات پڑھ ڈالے آریہ معترض کا ایسا تشفی بخش جواب آج تک کسی بھی عالم نے نہیں دیا تھا۔ خود والد صاحب نے مجھے جو جواب دیا تھا اس سے بھی شرح صدر نہ ہوا تھا۔ اب میں سخت بے چین ہو گیا کہ ایسا مسکت اور تسلی بخش جواب لکھنے والا کون بزرگ انسان ہے۔ ایسی سکینت بخش تحریر کا مصنف اور آسمانی علوم کا ماہر کون ہے اور کہاں رہتا ہے۔ اس کی زیارت کرنی چاہئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ "آئینہ ء کمالات اسلام" نامی کتاب کے صفحات تھے۔ جن پر ٹائٹل ابھی نہ لگا تھا جلد ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قادیان ضلع گورداسپور، پنجاب میں ایک بزرگ مرزا غلام احمد صاحب ہیں جنھوں نے علوم کے یہ دریا بہائے ہیں۔ تب میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ جلد از جلد قادیان جانا چاہئے۔

افتادگی میں بھی مجھے معراج ہے نصیب
ٹھوکر بھی کھائی ہے تو محبت کی راہ میں

جلسہ سالانہ پر حاضری

بیعت کے بعد ہر سال بلا ناغہ آپ جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے قادیان جایا کرتے تھے۔ بعض اوقات کئی دوست احباب بھی آپ کے ساتھ ہوتے۔ قادیان سے واپسی پر نئی

شائع ہونے والی کتب کا ایک ذخیرہ اپنے ساتھ لاتے اور پھر انہیں غیر احمدی احباب میں قیمتاً" تقسیم کردیتے اور یہ کام راقم الحروف (سید محمد میاں سلیم) کے سپرد تھا۔ اُس زمانے میں صاحب مقدرت لوگ کتابیں مفت لینا معیوب سمجھتے تھے اس لئے قیمت ادا کردیتے تھے۔ پھر سلسلہ کا نیا تعارف بھی ہو رہا تھا اس لئے لوگ ذوق و شوق سے کتابوں کا مطالعہ کرتے اور کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔

جلسہ ءاعظم مذاہب میں حضرت حافظ صاحب کی شرکت اور ایک ایمان افروز واقعہ

جلسہ ءاعظم مذاہب جو لاہور ٹاؤن ہال میں ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء کو منعقد ہوا اس کے متعلق سوامی شوگند چندر صاحب مجوز و مہتمم نے ایک اشتہار شائع کیا تھا جس میں مسلمانوں اور عیسائی صاحبان اور آریہ صاحبان کو قسم دی تھی کہ ان کے نامی علماء اس جلسہ میں اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں ضرور بیان فرمائیں۔ اس اشتہار کے جواب میں حضرت بانیء سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد نے سوامی صاحب کو اطلاع دی کہ "ہم اس جلسہ میں اس بزرگ قسم کی عزت کے لئے آپ کی منشاء کو پورا کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں اور انشاء اللہ ہمارا مضمون آپ کے جلسے میں پڑھا جائے گا"۔ آپ نے یہ بھی اعلان کیا جو بذریعہ اشتہار انعقاد جلسے سے پیشتر تقسیم کیا گیا تھا۔ فرمایا۔ "مجھے خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ وہ مضمون ہے جو سب مضمونوں پر غالب آئے گا اور اس میں سچائی اور حکمت اور معرفت کا وہ نور ہے جو دوسری قومیں بشرطیکہ حاضر ہوں اور اس کو اول سے آخر تک سنیں شرمندہ ہو جائیں گی اور ہرگز قادر نہیں ہوں گی کہ اپنی کتابوں کے یہ کمال دکھلا سکیں خواہ وہ عیسائی ہوں، خواہ آریہ ہوں، خواہ سناتن دھرم والے یا کوئی اور کیونکہ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اس روز اس پاک کتاب (قران کریم) کا جلوہ ظاہر ہو۔"

اس جلسہ میں شرکت کرنے کے لئے حضرت حافظ صاحب بھی تشریف لے گئے۔ دوران سفر ریل کے ڈبے میں دوسرے شریک سفر احمدی احباب سے دوران گفتگو کئی مرتبہ حافظ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت صاحب کی تمام پیشگوئیاں پوری ہوئیں اور یہ تازہ پیشگوئی کہ میرا مضمون سب مضمونوں پر غالب آئے گا کس شان سے پوری ہوئی لوگوں نے کہا کہ حافظ صاحب ابھی تو ہم جلسے میں پہنچے بھی نہیں اور حضرت صاحب کا مضمون پڑھا بھی نہیں گیا پھر آپ یہ کیسے فرما رہے ہیں کہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ حضرت حافظ صاحب نے اپنے بیان کی وضاحت میں فرمایا کہ دوستو آج تک ہم نے حضرت صاحب کی تمام پیشگوئیاں پوری ہوتی ہوئی دیکھیں ہیں تو ہم کو یقین ہے کہ یہ تازہ پیشگوئی بھی گویا پوری ہو گئی اور اس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ لوگ آپ کی اس بات سے بہت محظوظ ہوئے اور آپ کے ایمان کی پختگی پر عش عش کر اٹھے۔ آئندہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت صاحب کا وہ مضمون تمام مضامین پر غالب رہا۔ یہاں اس جلسہ ءاعظم مذاہب کے بارے میں اتنی وضاحت ضروری ہے کہ مذاہب عالم کا یہ عظیم الشان اجتماع ۲۶، ۲۷، ۲۸ اور ۲۹ دسمبر ۱۸۹۷ کو لاہور میں منعقد ہوا۔ اس میں اسلام، مسیحیت، سناتن دھرم، برہمو سماج، آریہ، سکھ، فری تھنکرز، ریلیجن آف ہارمونی اور تھیوسوفیکل سوسائٹی کے نمائندگان نے حصہ لیا۔ سامعین کی تعداد سات آٹھ ہزار اعلیٰ تعلیم یافتہ اصحاب پر مشتمل تھی۔ اور سب سے زیادہ حاضری اس وقت ہوئی جب ۲۸ر دسمبر کو حضرت مولوی عبدالکریم سیالکوٹی نے حضور کا یہ مضمون پڑھ کر سنانا شروع کیا۔ جلسہ کا آخری دن تھا اور اس تقریر کے لئے مقررہ وقت ختم ہو گیا لیکن سامعین کے پیہم اصرار پر ۲۹ر دسمبر کا دن بڑھایا گیا۔ اس زمانے کے مشہور اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ، پنجاب آبزرور، پیسہ اخبار، چودھویں صدی راولپنڈی، صادق الاخبار، فخر دکن اور کلکتہ کے مشہور اخبار جرنل وگوہر آصفی نے اس مضمون کی اہمیت میں کالموں کے کالم تحریر کئے۔ ایک اقتباس بطور نمونہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ "اگر اس جلسے میں

مرزا صاحب (حضرت مرزا غلام احمد صاحب-ناقل) کا مضمون نہ ہوتا تو اسلامیوں پر غیر مذاہب والوں کے روبرو ذلت وندامت کا قشقہ لگتا۔ مگر خدا کے زبردست ہاتھوں نے مقدس اسلام کو گرنے سے بچالیا بلکہ اس کو (اسلام کو-ناقل) اس مضمون کی بدولت ایسی فتح نصیب فرمائی کہ موافقین تو موافقین، مخالفین بھی سچے فطرتی جوش سے پکار اٹھے کہ یہ مضمون سب پر بالا ہے، بالا ہے (جنرل وگوہر آصفی۔ کلکتہ ۲۴؍ جنوری ۱۸۹۷ء)

آج تک اس کتاب کی اردو زبان میں وسیع اشاعت ہوئی ہے اور اس وقت تک اس کے تراجم، عربی، فارسی اور انگریزی کے علاوہ فرانسیسی، ہسپانوی، چینی، مرہٹی، برمی، سنہالی اور گجراتی وغیرہ زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں حال ہی میں اس کا ایک ایڈیشن ایک لاکھ کی تعداد میں لندن سے شائع ہوا ہے۔ دوسرے مذاہب کے علمی حلقوں میں اسے بڑی مقبولیت حاصل ہے۔

حضرت حافظ صاحب کی سیرت کا ایک اور درخشاں پہلو

ہر خط کا جواب دینا

حضرت حافظ صاحب ہر خط کا جواب دینا ضروری خیال کرتے تھے اور اس کے لئے انہیں بڑا اہتمام کرنا پڑتا تھا۔ پوسٹ کارڈ اور لفافے منگوا کر رکھتے اور اس سلسلے میں کافی رقم صرف ہوتی۔ آپ فرماتے تھے کہ خط کا جواب دینا فرض ہی نہیں بلکہ قرض ادا کرنے کے مترادف ہے۔ آپ کا یہ عمل آج کی نسل کے لئے سبق آموز ہے کیونکہ آج کے زمانے میں خط کا جواب خاموشی سے دینا یا بہت تاخیر سے دینا عادت ثانیہ بن چکا ہے۔ قبول احمدیت سے قبل اور اس کے بعد بھی آپ کے اپنے ہم عصر مشاہیر شعراء وادباء کے ساتھ مخلصانہ مراسم تھے اور ان سے اکثر خط وکتابت جاری رہتی تھی۔ ان مشاہیر شعراء وادباء میں سے چند کے نام حافظہ میں محفوظ رہ گئے ہیں جو یہ ہیں۔ (۱) امیر الشعراء حضرت امیر مینائی علیہ الرحمتہ (۲)

فصاحت جنگ بہادر حضرت جلیل مانکپوری استاد نظام دکن (۳) خیام الہند حضرت ریاض خیر آبادی (۴) حضرت مضطر خیر آبادی (۵) عزیز لکھنوی (۶) حضرت نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی (۷) جہاں استاد حضرت داغ دہلوی (۸) حضرت علامہ اقبال (۹) حضرت نیاز فتحپوری (۱۰) حضرت نوح ناروی وغیرہم۔ مکتوبات کا وہ نادر ذخیرہ اگر آج محفوظ ہوتا اور کتابی صورت میں اشاعت پذیر ہو جاتا تو دنیائے شعر وادب میں ہلچل مچ جاتی اور بڑے بڑے ادبی وشعری مسائل حل ہو جاتے کیونکہ اُن مشاہیر کے مکتوبات میں فنی شعری اور ادبی مسائل اور ان کے متعلقات کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا حضرت حافظ صاحب کے ترک وطن کر کے قادیان میں سکونت پذیر ہو جانے تک یہ ذخیرہ عدم توجہی کا شکار ہو کر دیمک کی خوراک بن گیا۔ افسوس صد افسوس۔ آپ کے بعض تربیتی خطوط جن کی نقول اور بعض اصلی صورت میں راقم الحروف کے پاس آج بھی محفوظ ہیں، کتابی صورت اختیار کر لیتے تھے آپ ان خطوط کو پوری توجہ اور دلجمعی سے تحریر فرماتے۔ یہ مکتوبات آج بھی ادب کی جان اور دلائل کی کان ہیں اور آج بھی پورے وثوق کے ساتھ ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے خطوط کے جواب دینے کا یہ اہتمام اس وقت بھی قائم تھا جب حضرت حافظ صاحب عمر کے آخری حصے میں صاحب فراش تھے اور خود کسی خط کا جواب لکھنے کی سکت نہ رکھتے تھے۔ بیماری میں تھوڑا سا بھی افاقہ ہوتا اور طبیعت کچھ سنبھلتی تو اپنی پہلی فرصت میں حاضر الوقت احباب میں سے جس کو بھی موزوں خیال کرتے اس سے خطوط کا جواب املا کرانا شروع کر دیتے۔ لیکن نقاہت کے اس عالم میں بھی خط املا کرانے کے بعد اور سپرد ڈاک کرنے سے قبل ایک مرتبہ سن ضرور لیتے کہ کہیں کاتب نے کوئی ایسی بات تو نہیں لکھدی جس سے آپ کی زباندانی پر حرف آتا ہو آپ کی محتاط طبیعت کا یہ ایک اور سبق آموز پہلو تھا۔

توکل علی اللہ کے چند واقعات

حضرت حافظ صاحب بہت دعاگو اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ لوگ اپنی تکالیف آپ کو لکھ بھیجتے تھے اور قبولیت دعا کے زندہ نشان دیکھتے۔ سید ہاشم بخاری صاحب حضرت حافظ صاحب کے حقیقی بھانجے تحریر فرماتے ہیں۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے "میرا بھی عجیب معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ میری حاجات کا خیال رکھتا ہے اور نصرت فرماتا ہے۔ پھر فرمایا آج میرا دل کڑھی کھانے کو چاہتا ہے۔ میں بازار سے دہی لینے چلا گیا تاکہ کڑھی تیار کراؤں۔ واپس ہوا تو مجھے اپنے پاس بلایا اور ڈھکے ہوئے برتن کی طرف اشارہ کیا جو میز پر رکھا ہوا تھا اور فرمایا دیکھو کیا ہے؟ میں نے دیکھ کر عرض کیا کہ کڑھی ہے۔ فرمایا ابھی حضرت صاحب کے ہاں سے آئی ہے اسی سلسلے میں خواجہ عبدالمومن صاحب گول بازار ربوہ انکشاف فرماتے ہیں:۔

"حضرت حافظ صاحب۔ ناقل" متوکل علی اللہ اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ اکثر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ میری سب حاجات یہاں بیٹھے ہوئے پوری فرمادیتا ہے دل میں جب کسی چیز کی خواہش پیدا ہوتی ہے تو اللہ اسے میسر فرمادیتا ہے اور آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

پوری ہوجاتی ہے پیش آتے ہی حاجت میری
دم بہ دم نصرت حق کرتی ہے نصرت میری

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ ایک دن میں نے سوچا کہ پاکستان آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت عطا کی لیکن کوزہ مصری نہیں ملی لیکن کھانے کو جی چاہتا تھا۔ فرمانے لگے اگلے روز سرگودھا سے مکرمی مرزا عبدالحق صاحب کے لڑکے کچھ پھل میرے لئے تحفہ کے طور پر لائے۔ انھوں نے ایک ہاتھ میں پوٹلی پکڑی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا اس پوٹلی میں کیا ہے تو کہنے لگے اس میں مصری ہے جو میری والدہ نے آپ کے لئے تحفہ کے طور پر بھجوائی ہے۔ فرمانے

لگے دیکھو اللہ تعالیٰ کا تصرف۔ ادھر میرے دل میں ایک چیز کی خواہش پیدا ہوئی اور ادھر کس طرح اللہ تعالیٰ نے دل پر تصرف فرما کر میرے لئے یہ نعمت بھجوادی۔ اس طرح کی کئی اور مثالیں بھی حضرت حافظ صاحب بیان کرتے تھے جس سے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور نور یقین پیدا ہوجاتا تھا۔ راقم الحروف نے بھی، جب سے حضرت حافظ صاحب کی کفالت اور تربیت میں آیا، یہی مشاہدہ کیا کہ باوجود کسی ظاہری آمد کے فقدان کے حضرت حافظ صاحب ہمیشہ اور ہر موقع پر کشادہ دلی کا مظاہرہ فرماتے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کی تمام ضروریات کا ذمہ خود خدائے برتر نے لیا ہوا ہے۔ خوراک و لباس کے علاوہ دیگر ضروریات، مہمانوں کی خاطر تواضع، سفر کے اخراجات، کتابوں کی خرید، ڈاک کے مصارف غرضیکہ جملہ ضروریات بڑی فراخی سے پوری ہوجاتی تھیں لیکن ذرائع آمد کے متعلق راقم الحروف بھی لاعلم ہے۔ سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا خود کفیل تھا اور غیب سے ایسے سامان فراہم ہوجاتے تھے کہ آپ کی تمام ضروریات پوری ہوجاتی تھیں۔ بقول شاعر۔

جھولیاں سب کی بھرتی جاتی ہیں
دینے والا نظر نہیں آتا

حضرت حافظ صاحب کی سیرت کا ایک ممتاز پہلو----
دعوت الی اللہ کا جنون

اس سلسلہ میں سب سے پہلے میں قدرت ثانیہ کے چوتھے مظہر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کی اُس وقت کی شہادت پیش کرتا ہوں جب حضور صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے عہدہ پر فائز تھے۔

"حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہان پوری کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو آپ کا شوق دعوت الی اللہ تھا۔ یہ دعوت آپ کا اوڑھنا، بچھونا اور کھانا پینا ہو چکی تھی اور واقعتاً" نہ

کہ محاورۃ" آپ دعوت الی اللہ سے قوت پاتے تھے۔ایک مرتبہ مجھے حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی تو حافظ صاحب ایک دوست سے پہلے روز کے ایک واقعہ کے متعلق استفسار فرما رہے تھے چنانچہ میرے حاضر ہونے پر مجھے بھی اس گفتگو میں شامل فرمالیا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک روز پہلے یہی دوست جن سے حضرت حافظ صاحب کی گفتگو ہوئی ایک ہمارے ضلع جھنگ کے بڑے زمیندار کو حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں ملاقات کے لئے لائے تھے۔ جب پہنچے تو حضرت حافظ صاحب انتہائی ضعف کے نتیجہ میں لب ہلانے میں بھی دقت محسوس کرتے تھے۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ ان کو لانے کا مقصد دعوت الی اللہ ہے تو رفتہ رفتہ کوشش کر کے بعض مسائل پر کچھ کہنا شروع کیا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا حضرت حافظ کی توانائی بڑھتی گئی یہاں تک کہ خدا کے فضل سے اُٹھ کر بیٹھ گئے اور مختلف کتابیں نکلوا کر اصل حوالہ جات بھی دکھانا شروع کردئے اور تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹہ تک ان سے ہر مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی۔ گفتگو کے بعد وہ دوست باہر تشریف لے جا رہے تھے تو دروازے میں اونچی آواز میں کہا (بلا بدھی ہوئی اے) جسے حافظ صاحب نے بھی سن لیا چنانچہ میرے پہنچنے پر حافظ صاحب اسی بارے میں استفسار فرما رہے تھے کہ اس نے مجھے "بلا" کیوں کہا؟ میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی تھی۔ نیز فرمایا کہ "بدھی" کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا۔ چنانچہ اس پر خاکسار (حضرت مرزا طاہر احمد صاحب) نے عرض کیا کہ اس سے بہتر الفاظ میں پنجابی زبان میں وہ آپ کو خراج تحسین پیش نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے صرف "بلا" کہنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ "بلا بدھی" کہہ کر بلاغت کی انتہا کردی کہ یہ کوئی انسان نہیں بلکہ بلا بندھی ہوئی ہے جس کے ساتھ مقابلہ نہیں ہو سکتا" اس قسم کے بے شمار واقعات دوستوں کے علم میں ہوں گے کہ حضرت حافظ صاحب نے نہایت نقاہت اور ضعف کی حالت میں کسی دینی موضوع پر گفتگو شروع فرمائی رفتہ رفتہ اس موضوع کی لذت سے توانائی حاصل کرتے ہوئے ایسے صحتمند نظر آنے لگے گویا کہ بیمار ہی نہ تھے۔

اس سلسلے میں عزیز مکرمی پروفیسر ناصر احمد صاحب پرویز پروازی صاحب ایم اے پی ایچ ڈی تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے تاثرات بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ حضرت حافظ صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "دین سے انہیں بے پناہ شغف تھا دعوت الی اللہ تو گویا ان کی غذا تھی پہروں بے تکان بولتے چلے جاتے تھے۔ یہ بھی ہوا کہ طبیعت میں نقاہت ہے۔ آواز سے اضمحلال کی کیفیت نمایاں ہے لیکن کسی نے کوئی مذہبی سوال چھیڑ دیا بس پھر کیا تھا۔ حضرت حافظ صاحب اُٹھ بیٹھے۔ نقاہت ہوا ہوگئی۔ آواز میں لوچ اور طنطنہ پیدا ہوگیا اور کچھ اس شرح و بسط سے اُس سوال کا جواب دیا کہ سننے والے بیٹھے سر دھنتے اور لطف اٹھاتے رہتے۔ ان کے پاس بیٹھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وقت کی رفتار رک گئی ہے۔ مکرم چودھری علی محمد صاحب بی اے بی ٹی فرماتے ہیں:۔

"آپ کا (حضرت حافظ صاحب کا) روز کا مشغلہ یا روح کی غذا تھی "دعوت الی اللہ"۔ اس کام میں وہ اپنا ناشتہ اور کھانا بھی بھول جایا کرتے تھے۔ آپ کا روحانی دربار ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ چھوٹے بڑے سب ہی حاضر ہوتے۔ سب سے ذاتی تعلق رکھنے کی کوشش فرماتے۔ اہل حاجات دعا کے لئے عرض کرتے۔ سب کے لئے دعا کرتے اور دوسری ملاقات پر پوچھتے کہ فلاں معاملہ کا کیا بنا؟"

مکرم ملک نسیم احمد صاحب جوئیہ بی اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ ڈیرہ غازی خان حضرت حافظ صاحب کے شوق دعوت الی اللہ کو اس طرح خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ "میرے ساتھ پہلی ہی ملاقات میں اس محبت اور شفقت کا برتاؤ کیا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا برسوں سے ان سے راہ و رسم ہو اور پھر میں بھی ہمیشہ کے لئے ان کا گرویدہ ہوگیا اور جب کبھی ربوہ جاتا ضرور ان سے شرف نیاز حاصل کرتا۔ کبھی کبھی غیر احمدی دوستوں کو بھی ملاقات کے لئے ہمراہ لے جاتا۔ اُس وقت حضرت حافظ صاحب کا جذبہ خلوص و دعوت حق قابل دید ہوتا تھا۔ کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو برداشت کر کے اٹھ بیٹھتے اور بڑے ہی پیارے اور دلکش انداز

میں پیغام حق پہنچانے میں مشغول ہو جاتے اور اس سلسلہ میں بھوک پیاس یا صحت کی ہرگز پروانہ کرتے۔ کئی مرتبہ اُن کا کھانا ان کی میز پر رکھ دیا جاتا مگر وہ اس کی پروا کئے بغیر اپنا کام کئے جاتے ایک مرتبہ مجھے یاد ہے کہ غالباً" ان کے کسی عزیز نے جو وہاں موجود تھے حافظ صاحب کی تکلیف کے پیش نظر "کہ زیادہ بولنے سے ڈاکٹروں نے منع کیا ہوا تھا" اپنی گھڑی کی طرف دیکھا کہ ملاقاتیوں کو خود یہ احساس ہو۔ اتفاق سے حافظ صاحب کی نظر پڑ گئی۔ فرمانے لگے کہ میری زندگی ہی اس ملاقات کی وجہ سے ہے۔ مرحوم ایک نہایت ہی نافع الناس بزرگ تھے۔ اسی ضمن میں خواجہ عبدالمومن صاحب گولبازار ربوہ کے تاثرات بھی ملاحظہ فرمائیے۔

"آپ (حضرت حافظ صاحب۔ ناقل) شاہجہانپور کے رہنے والے تھے۔ بعد میں قادیان آگئے۔ ہجرت کے بعد کچھ عرصہ لاہور رہے۔ اُس کے بعد مستقل طور سے ربوہ میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ آپ گھر کے ایک الگ کمرے میں رہتے تھے تاکہ ملاقات کرنے والوں کو سہولت رہے۔ صبح سے شام تک احمدی اور غیراحمدی احباب آپ کی ملاقات کے لئے بہ کثرت تشریف لاتے رہتے اور آپ ہر آنے والے کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ خیریت دریافت فرماتے بالخصوص جب کوئی غیر از جماعت دوست آجاتے تو پھر باوجود علالت کے اُٹھ جاتے اور کئی کئی گھنٹے پیغام حق پہنچانے میں صرف کردیتے۔ آپ کو بانی سلسلہ احمدیہ کی کتابوں کے حوالے زبانی یاد تھے اور حضور کی کتب بھی موجود ہوتی تھیں آپ حوالے نکال نکال کر دکھاتے۔ اسی طرح غیراحمدی علماء کی کتب بھی آپ کے پاس موجود تھیں۔ آپ ان کی عبارتیں پڑھ کر احمدیت کی تعلیم کے ساتھ موازنہ فرماتے اور احمدیت کی صداقت دل نشین انداز میں بیان فرماتے۔ آپکو اللہ تعالیٰ نے گفتگو کرنے کا ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ سعید الفطرت روح آپ کے دلائل سن کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہتی چنانچہ بہت سے لوگ حضرت حافظ صاحب کی گفتگو سے متاثر ہو کر احمدیت میں داخل ہو جاتے۔

جناب بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ ربوہ فرماتے ہیں:

"یہ خاکسار ۱۹۵۰ سے ۱۹۵۳ تک لاہور ہی میں تعینات تھا۔ آپ کی محفل میں حاضری کی توفیق ملتی رہتی۔ کتنا بھی وقت گزر گیا ہو کبھی ایسا اظہار نہیں ہوا کہ اب دوست چلے جائیں آرام کرنا ہے۔ کیا خوب محفل تھی کہ اُنہیں پلانے کی دھن اور انہیں پینے کا شوق۔ اور دعوت الی اللہ کے جام و سبو۔ حضرت صاحب کمال طمانیت سے ایک چھوٹے سے کمرے میں گزر بسر فرماتے تھے۔ نہ طبیعت کی نزاکت کا اظہار نہ موسم کی شدت کا ذکر۔ لوگ آتے جاتے علم و معرفت کا دریا بہتا چلا جاتا اور ہر آنے والا بقدر ظرف خود علم کی پیاس بجھاتا اور معرفت کے موتیوں سے اپنی جھولی بھرتا۔ تمثیلی صورت گویا یہ تھی کہ ایک رہٹ تھا جو برابر چل رہا ہوتا اور حضرت حافظ صاحب کی فیض رساں زبان ان کے دل و دماغ کے ذخیرہ علم و معرفت میں سے کوزے بھر بھر کر حاضرین کو شاد کام کرتی جاتی۔

ذوق دعوت الی اللہ اور اشاعت سلسلہ احمدیہ

حضرت حافظ صاحب کا دعوت الی اللہ کا ذوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا اور آپ کسی معمولی سے معمولی موقع کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ اُس کی ایک مثال ذیل کے واقعہ سے ملتی ہے۔ حضرت محمد احمد صاحب مظہر حافظ صاحب کے اسی جذبے کی عکاسی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"خاکسار کی کتاب Arabic---The Source of all the Languages شائع ہوئی اور اخبار پاکستان ٹائمز مورخہ ۲۸ر مارچ ۱۹۶۵ء میں کتاب مذکورہ پر ایک عالمانہ اور سیر حاصل تبصرہ شائع ہوا حافظ صاحب نے اس کا ترجمہ اردو میں کروایا اور سارا تبصرہ سنا اور محظوظ ہوئے مجھے فرمانے لگے کہ بھائی ہمیں وہ کتاب دی ہوتی کیا ہوا جو ہم انگریزی نہیں پڑھے۔ ہم کسی سے کتاب پڑھوا کر سنیں گے۔ ہمارے پاس ہر قسم کا آدمی آتا ہے' اسے دکھائیں گے' بات چلے گی اور حضرت صاحب کا ذکر ضرور آئے گا۔ میں نے کتاب آپ کی خدمت میں پیش

کردی"۔

حضرت مظہرؒ آگے چل کر حضرت حافظ صاحب کے ذوق دعوت الی اللہ کو اس طرح خراج تحسین پیش فرماتے ہیں :۔

"حافظ صاحب کی تمام عمر ۱۸۹۲ء سے روز وفات تک جماعت کی خدمت میں بسر ہوئی۔ بہت وسیع مطالعہ رکھنے والے بزرگ تھے۔ شاہجہان پور میں اُن کے مکان کے اندر ان کی ایک بڑی لائبریری تھی۔ مخالفین کے لٹریچر اور اُن کی ایک دوسرے کے خلاف نعرہ بازی سے حافظ صاحب پورے باخبر رہتے تھے اور یوم وفات تک روزانہ اپنے علم میں اضافہ کرتے رہے۔ جماعت کے خلاف یا موافق جو رسالہ یا اخبار کچھ لکھتا حافظ صاحب اُس سے باخبر رہتے تھے۔ اُس پر تنقید و تبصرہ فرماتے، سلسلہ کے لٹریچر کو ہمیشہ زیر مطالعہ رکھتے اور حوالہ جات سے آگاہ رہتے۔ اُن سے حوالے دریافت کئے جاسکتے تھے۔ مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ اُن کی چارپائی کے اردگرد چاروں طرف کتابیں، رسالے اور اخبار پڑے ہوتے۔ نئے سے نیا اخبار اُن کے پاس پہنچ جاتا۔ ملاقاتی جو کثیر تعداد میں ہر روز آپ کے پاس آمدورفت رکھتے تھے، ان سے بھی حافظ صاحب جماعت کے متعلق نئی سے نئی بات دریافت کرتے تاکہ کوئی بات اُن کی نظر سے ڈھکی چھپی نہ رہے اور اپنے وقت پر کام آئے"۔

دینی مہمات کی ابتداء

حلقہ ء بیعت میں داخل ہوجانے کے بعد دونوں باپ بیٹوں کی مخالفت بھی ہوئی اور حافظ سید علی میاں نے مباحثے اور مناظرے بھی کئے۔ رفتہ رفتہ شاہجہان پور میں ایک نہایت مخلص اور فدائی جماعت قائم ہوگئی۔

محترم حضرت محمد احمد صاحب مظہرؔ جن کو عرصہ ء دراز تک بیت الاحمدیہ شاہجہان پور کے مقدمے کے سلسلے میں شاہجہاں پور میں عرصہ تک قیام کا موقع ملا اور جنھیں حضرت حافظ سید

علی میاں صاحب اور ان کے نامور بیٹے حضرت حافظ سید مختار احمد میاں صاحب کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا، فرماتے ہیں :۔

"یو۔پی کی جماعتیں عام طور پر حافظ صاحب کی تربیت یافتہ تھیں چنانچہ حضرت مصلح موعود نے ایک خطبہ جمعہ میں فرمایا کہ "حافظ صاحب یو۔پی کی جماعتوں کے لئے ایک ستون ہیں"۔

راقم الحروف کے حافظہ میں بھی حضرت مصلح موعود کا یہ ارشاد محفوظ ہے۔

حضور نے کسی خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ "یہ دونوں باپ بیٹے (حضرت حافظ سید علی میاں اور حضرت حافظ مختار احمد میاں) یو۔پی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں"۔

حضرت حافظ صاحب کا حلقہ دعوت الی اللہ بہت وسیع تھا اور آپ ہر اس وفد میں جو مرکز سے آتا تھا شامل ہو کر بریلی، رام پور، مراد آباد، لکھنؤ، کان پور اور یو۔پی کے دوسرے اضلاع کے علاوہ بہار اور بنگال بھی جایا کرتے تھے اور فریضہ ء دعوت حق کے سلسلے میں اپنی کسی مصروفیت کو حائل نہیں ہونے دیتے تھے۔ بریلی میں اس وقت حاجی عبدالجبار صاحب اور ان کے فرزند محمد طاہر، محمد یونس اور محمد الیاس تھے دوسرا خاندان حافظ سخاوت حسین صاحب کا تھا جن کے بیٹے محمد عمر صاحب سب سے بڑے تھے اور محمد یوسف سب سے چھوٹے تھے۔ ان کے علاوہ دو بیٹے اور تھے۔ یہ دونوں خاندان جماعت احمدیہ بریلی کے روح رواں تھے۔ اسی طرح مراد آباد میں جناب محمد ایوب خاں صاحب او بی آئی۔اے ڈی سی رسالدار میجر اور ان کے فرزندگان۔ لکھنؤ میں سیٹھ خیرالدین صاحب، سید ارتضٰی علی صاحب، سید ارشد علی صاحب اور عثمان صاحب سلسلہ کے مخلص خدام تھے۔ آگرہ میں سیٹھ اللہ جوایا سوداگر چرم اور الہ آباد میں نسیم صاحب بیرسٹر جماعت کی مالی و قانونی خدمات میں پیش پیش تھے۔ کان پور میں منشی سراج الدین صاحب اور بابو عبدالغفار صاحب مرحوم کے والد ماجد اور رام پور میں حضرت ذوالفقار علی خاں صاحب گوہر تھے۔ حضرت حافظ صاحب کے ان تمام مخلصین جماعت سے

ذاتی مراسم اور برادرانہ تعلقات تھے۔ بہار میں سید وزارت حسین صاحب، پروفیسر عبدالقادر صاحب اور حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری سے آپ کے برادرانہ اور مخلصانہ رشتے قائم و استوار تھے۔ بنگال میں خان بہادر ابوالہاشم خاں صاحب ڈائرکٹر تعلیمات حکومت بنگال بھی آپ کے مداح تھے غرضیکہ حضرت حافظ صاحب نے رضاکارانہ طور سے اپنے آپ کو سلسلہ احمدیہ کی خدمات کے لئے وقف کر رکھا تھا اور دن و رات کے چوبیس گھنٹوں میں انہیں یہی فکر دامن گیر رہتی تھی کہ وقت کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اس جذبہ کو شرف قبول عطا فرماتے ہوئے ان کی انتھک اور شبانہ روز خدمات کا سلسلہ شیریں پھلوں کی صورت میں انہیں عطا فرمایا۔ آپکی دعوت الی اللہ کے نتیجہ میں سینکڑوں سعادت مند روحوں کو حلقہ بگوش احمدیت ہونے کی توفیق ملی اور چراغ سے چراغ جلتا چلا گیا۔

شوق دعوت الیٰ اللہ کے متعلق معتبر شہادتیں

حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر جو حضرت حافظ صاحب کے دلی دوست اور قابل رشک رفیق تھے حضرت حافظ صاحب کی دینی مساعی کو اس طرح خراج تحسین پیش فرماتے ہیں:۔

"آپ کی (حضرت حافظ صاحب کی) عمر سو سال سے اوپر ہوئی۔ ۱۸۹۲ء میں بیعت کی اور ۱۹۶۹ء میں وفات پائی اور ستتر "۷۷" سال کا طویل عرصہ تمام کا تمام سلسلہ کی خدمت، دوستوں کی خیرخواہی، مستحقین کی امداد، وعظ و نصیحت میں گزرا۔ بے نفسی، بے ریائی، طبعاً انکسار اور بے غرضی سے ہر ایک کام کیا۔ اپنے کارناموں کی وجہ سے حافظ صاحب زندہ جاوید ہیں۔ سلسلہ احمدیہ پر ابتلاء و امتحان کے سینکڑوں دور آئے جیسا کہ الٰہی سلسلوں سے اللہ تعالیٰ کی سنت ہے، حافظ صاحب مرحوم اپنے صدق و وفا میں از اول تا آخر پورے ثابت قدم رہے۔

من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللّٰہ علیہ فمنھم من قضٰی نحبہٗ و منھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا"

حضرت حافظ صاحب کے بھانجے سید محمد ہاشم صاحب بخاری (مرحوم) فرماتے ہیں:۔

"حافظ صاحب نے قبول احمدیت کے بعد سے اپنی زندگی خدمت کے لئے وقف کردی تھی۔ ۱۸۹۸ء سے لے کر اپنی وفات کے ایک دن پہلے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ دعوت الی اللہ ان کی روح کی غذا تھی اور اسی میں ان کی راحت تھی کتنے ہی بیمار کیوں نہ ہوں، تھکے ہوئے ہوں مگر جس وقت گفتگو کا سلسلہ شروع ہوجاتا تو آواز میں شوکت اور رعب پیدا ہوجاتا اور پھر آواز بلند سے بلند تر ہوتی چلی جاتی۔ وقت اپنی پرواز سے اڑا چلا جاتا اور یہ نحیف و نزار اللہ کا بندہ عشق خدا میں مدہوش اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوجاتا۔ حوالہ جات اور کتابوں کی بھرمار ہوجاتی۔ کتابیں طالبان حق کے ہاتھوں میں تھمادی جاتیں اور خود پڑھنا شروع کردیتے اور جب تک بات ذہن نشین نہ کرالیتے بس نہ کرتے اس میں چھوٹے، بڑے، پڑھے لکھے اور ان پڑھ کی تمیز اور قید نہ تھی"۔

دعوت الیٰ اللہ میں انہماک

جب سے راقم الحروف نے ہوش سنبھالا حضرت حافظ صاحب کو دعوت حق میں منہمک پایا۔ آپ کے پاس صبح سے شام تک متلاشیاں حق کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ یہ شاہجہان پور کی بات ہے۔ کھانا میری والدہ تیار کرتی تھیں۔ میں تقریباً ساڑھے بارہ یا ایک بجے اپنے گھر سے کھانا لے کر حافظ کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ لیکن اکثر ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ حافظ صاحب حاضرین سے گفتگو میں اس درجہ محو ہوتے تھے کہ مجھے اتنی جرات ہی نہ ہوتی تھی کہ کھانا لے آنے کی اطلاع ہی دیدوں بلکہ میں خود اس محفل کا ایک حصہ بن کر رہ جاتا تھا کیونکہ حافظ صاحب کا طرزبیاں اتنا دل آویز اور دل کو موہ لینے والا ہوتا تھا کہ آپ کی محفل میں پہنچ کر وقت کا احساس ہی ختم ہوجاتا تھا اور یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے جس کا مشاہدہ قریباً روز ہی ہوتا تھا۔ ان کی محفل میں پہنچ کر ہر دوسرا ضروری امر دماغ سے محو ہو کر صرف حافظ صاحب کی

سحر انگیز تقریر کا نقش ہی باقی رہ جاتا تھا۔ اس عرصہ میں کھانا ٹھنڈا ہو کر اپنا رنگ تبدیل کر لیتا۔ روٹیاں اکثر سوکھ جاتیں اور چبانے کے قابل نہ رہتیں لیکن اس خدمت دین مین مست الست کو کچھ پرواہ نہ ہوتی۔ چار پانچ بجے جب لوگ رخصت ہو جاتے تو مین کھانا سامنے رکھ دیتا۔ حافظ صاحب اُسی ٹھنڈے سالن اور سوکھی روٹیوں پر گزارا کر لیتے اور پانی پی کر خدا کا شکر بجالاتے اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لاتے۔ کئی دفعہ دوپہر کا کھانا کھانے کی نوبت ہی نہ آتی اور کھانا جوں کا توں واپس جاتا صرف رات کے کھانے پر قناعت کرتے۔

کھانے اور دیگر ضروریات سے لاپرواہی اور خدمت دین میں ہمہ تن مستغرق ہو جانے کی یہ کیفیت آخر دم تک قائم رہی۔ جن دنوں آپ جودھامل بلڈنگ لاہور کے ایک کمرے میں قیام فرما تھے انہیں ایام کا واقعہ ہے کہ ایک روز مکرم ضیاء الحق صاحب جو ان دنوں اسی بلڈنگ کے زیریں حصے میں سکونت پذیر تھے دوپہر کو حسب معمول حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کمرہ دھوئیں سے بھرا ہوا ہے اور حضرت حافظ صاحب کاغذ وغیرہ جلا کر انگیٹھی میں کوئلہ جلانے کی کوشش کر رہے ہیں تا کہ کھچڑی تیار کریں۔ ضیاء الحق صاحب نے عرض کیا کہ یہ کام اب میں کروں گا تو حافظ صاحب نے سختی سے منع فرمایا اور کہا کہ آپ ابھی باہر سے آئے ہیں کچھ دیر آرام کریں۔ ابھی پانی گرم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ کچھ لوگ آگئے حافظ صاحب نے آگ بجھا دی اور دیگچی چولہے پر سے اتار کر دوسری جگہ رکھ دی اور آنے والوں سے گفتگو میں مصروف ہو گئے اور یہ سلسلہ کافی دیر چلا یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ قبل ازیں گزشتہ روز بھی ایسا ہی واقعہ ہوا تھا اور حافظ صاحب اس روز بھی کچھ نہ کھا سکے تھے۔ ضیاء الحق صاحب تین چار انڈے لے آئے۔ لوگ ابھی تک موجود تھے اس لئے ضیاء الحق صاحب انڈے پیش کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہے تھے۔ غرض اسی حیص بیص میں رات کے گیارہ بج گئے اور اس دوران ضیاء الحق صاحب کئی بار آ آکر دیکھ گئے کہ مجلس کا کیا رنگ ہے۔ کہتے ہیں کہ ساڑھے گیارہ بجے کا وقت ہو گا کہ میں چار

انڈے لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ پر ہلکا سا ضعف طاری تھا چائے پینے کے بعد میرے لئے خصوصی دعا کی۔ اس سے قبل حافظ صاحب اَن گنت بار ضیاء الحق صاحب کو کھانا کھلا چکے تھے مگر وہ کہتے ہیں کہ میری اس حقیری خدمت کا بے حد احساس فرمایا۔

مکرم محمود احمد صاحب وکالت تبشیر ربوہ حضرت حافظ صاحب کے دینی جوش کو اس طرح خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

"حضرت حافظ صاحب کو پیغام حق پہنچانے کا اس قدر جوش تھا کہ بعض اوقات ضعف سے بولنا مشکل ہوتا لیکن جوں ہی کوئی غیر از جماعت دوست آجاتے یا کوئی شخص کسی نئے اعتراض کا تذکرہ کر دیتا تو آپ فوراً گفتگو شروع کر دیتے اور ایسے دل کش اور مدلل انداز سے سمجھاتے کہ سننے والوں کی تسلی ہو جاتی بلکہ اگر سوال کرنے والا اپنا مافی الضمیر اچھی طرح ادا نہ کر سکا ہو تو اس کے سوال کو خود وسعت دے کر سوال کے ایسے پہلو بھی بیان کر دیتے جو معترض بیان نہیں کر سکا تھا اور پھر تفصیلاً تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کرتے۔ ایسا بھی بہت دفعہ ہوا کہ ابھی ناشتہ بھی نہ کیا تھا کہ بعض غیر از جماعت دوست آگئے اور پھر جو گفتگو شروع ہوئی تو ظہر کا وقت آگیا مگر آپ نے کبھی یہ عذر نہ کیا کہ آج طبیعت ٹھیک نہیں ہے یا فرصت نہیں یا کسی سوال کے جواب کو دوسرے وقت پر ٹال دیا ہو"۔

انداز دعوت الی اللہ

حضرت حافظ صاحب کا انداز گفتگو بھی نرالا، اچھوتا اور منفرد ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مردم شناسی کی صفت سے بھی آپ کو وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ جب کوئی متلاشی حق آپ کے پاس آتا تو رسمی طور سے اس کے حالات معلوم کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ جاتے تھے کہ آنے والے کے ساتھ کون سا انداز گفتگو فائدہ مند ثابت ہو گا۔ پھر وہی طریقہ کار اختیار کرتے اور دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی کہ آنے والا ایک مختصر سی گفتگو کے بعد ہی حضرت حافظ صاحب کی

ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہوگیا ہے۔ اسی طرح دو چار ملاقاتوں کے بعد ہر آنے والا احمدیت کی صداقت کا قائل ہوجاتا اور یا تو بشرح صدر اور اعلانیہ احمدیت کو قبول کرلیتا یا اپنی سماجی، معاشی یا دیگر مجبوریوں کی وجہ سے علی الاعلان تو احمدیت کی قبولیت کی ہمت نہ کرسکتا لیکن دل سے احمدیت کی سچائی کا قائل ہوجاتا۔ ایسے واقعات راقم الحروف کے مشاہدے میں قریباً روز ہی آتے تھے۔ تفصیل میں جاؤں تو اس کے لئے ایک علیحدہ دفتر درکار ہوگا۔

آپ کا لہجہ دھیما، انداز تکلم دلنشین اور طرز استدلال حیرت انگیز طریقے سے منطقیانہ، دلچسپ اور انتہائی طور پر موثر ہوتا تھا۔ آپ کی دعوت الی اللہ کے نتیجہ میں جب اکثر لوگ حلقہ بگوش احمدیت ہونے لگے تو مقامی مولوی صاحبان نے مشہور کردیا کہ "مختار میاں کی آنکھوں میں مقناطیسی قوت ہے اور مسمریزم کے ذریعہ لوگوں پر اثر ڈال کر اپنا ہم نوا بنالیتے ہیں اس لئے کوئی شخص ان کے پاس نہ جائے ورنہ اس کے سلب ایمان کا خطرہ ہے"۔

حضرت حافظ صاحب کے پاس ہندو حضرات بھی آتے تھے اور عیسائی بھی اور مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے متلاشیان حق بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے شکوک بیان کرتے اور تسلی بخش جواب پاکر واپس جاتے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی کتابوں سے حضرت حافظ صاحب کا عاشقانہ لگاؤ
اور اس کے مفید اثرات

مکرم لطف الرحمٰن فرماتے ہیں:۔

"حضرت حافظ صاحب ایک بہت بڑے عالم دین تھے۔ ان کو بانی سلسلہ احمدیہ کی کتب تقریباً حفظ تھیں۔ بعض کتب کے صفحات تک یاد تھے۔ مخالفین کے لٹریچر کا محاسبہ کرتے تھے اس لئے ان کتابوں کے صفحات اور مقامات بھی یاد ہوگئے تھے جب گفتگو کے دوران کبھی

موازنہ فرماتے یا مخالفین کے پیش کردہ حوالہ جات کا تجزیہ کرتے تو سننے والے جہاں ان کے حیران کن حافظہ سے متاثر ہوتے وہیں دین کے نام پر کی جانے والی فنی خیانتوں پر بھی انگشت بدنداں رہ جاتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ابتدائی دور میں کسی مخالف نے کہا کہ اگر احمدیت سچی ہے تو آنے والے رمضان میں قرآن حفظ کرکے مسجد میں سناؤ۔ آپ نے اس چیلنج کو منظور کرلیا اور جب اگلا رمضان آیا تو آپ نے سارا قرآن اللہ تعالیٰ کے فضل سے سنا دیا یہ غیر معمولی حافظہ اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ تھا۔ اللہ نے غیر معمولی برکت ڈالی اور یہ امتیازی کیفیت آخر دم تک قائم رہی۔"

حضرت حافظ صاحب کی بعض قابل رشک خصوصیات

حضرت حافظ صاحب حضرت بانی جماعت احمدیہ کے قدیمی جاں نثاروں میں ایک خاص مقام پر فائز تھے اس لئے آپ کو اپنے پیرو مرشد کے انفاس قدسیہ سے براہ راست فیضیاب ہونے کے زریں مواقع حاصل ہوئے۔ حضرت اقدس سیدنا مرزا صاحب کا طریق یہ تھا کہ کسی کتاب کا جتنا حصہ تصنیف فرماتے اسے ساتھ ہی ساتھ آپ کی مجلس عرفان میں سنا دیا جاتا۔ حضرت حافظ صاحب کو ان مجالس میں حضرت صاحب کی متعدد کتب کو از اول تا آخر سننے کا شرف حاصل تھا اسی طرح آپ کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ آپ نے اپنے مرشد کے ساتھ ہی ایک دسترخوان پر مائدہ تناول فرمایا کیونکہ ابتدائی دور میں حضرت اقدس اپنے مہمانوں کے ساتھ کھانا باہر ہی تناول فرمایا کرتے تھے۔ پھر آپ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے تاریخ احمدیت کے ایک بڑے حصہ کو اپنی آنکھوں سے بنتے دیکھا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ آپ خود بھی تاریخ احمدیت کا ایک ناقابل فراموش حصہ تھے آپ نے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود(-----) کا زمانہ دیکھا اور اس آفتاب صداقت سے براہ راست اکتساب کیا۔ بعد ازاں حضرت خلیفہ اول(-----) کا چھ سالہ دور دیکھنے اور اس نابغہ ء روزگار ہستی سے

اکتساب فیض کرنے کا نادر موقعہ پایا۔ بعد ازاں حضرت المصلح موعود کے مبارک زمانہ سے جو اکیاون سال پر ممتد تھا فیضیاب ہونے کی سعادت حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت حافظ صاحب کو اتنی طویل زندگی عطا فرمائی کہ آپ نے قدرت ثانیہ کے تیسرے مظہر کا شاندار ابتدائی دور بھی دیکھ لیا۔

پھر آپ کی ایک قابل رشک خصوصیت یہ تھی کہ تقسیم برصغیر کے موقعہ پر سیدنا حضرت مصلح موعود نے جن خاص بزرگان سلسلہ کو جماعتی نظام کے حفاظتی انتظام کے ساتھ پاکستان بھجوایا تھا اس میں حضرت حافظ صاحب بھی شامل تھے۔

ایک اور قابل رشک خصوصیت

حضرت حافظ صاحب کا امام وقت کی نگاہ میں کیا مقام تھا اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی وفات پر حضرت امام جماعت احمدیہ الثالث نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی جنازے کو کندھا دیا اور پھر جنازے کے ساتھ قبر تک تشریف لے گئے اور قبر تیار ہونے پر دعا کی۔ دوسرے دن خطبہ میں آپ کی وفات کا ذکر فرمایا اور آپ کی خوبیوں پر روشنی ڈالی۔ نیز اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ احمدیت کو حضرت حافظ صاحب جیسے سینکڑوں بلکہ ہزاروں فدائیوں کی ضرورت ہے۔

حضرت امام جماعت احمدیہ الثالث اور دیگر اکابرین سلسلہ کی جانب سے حضرت حافظ صاحب کی ضروریات کا مناسب انتظام

مکرم عبدالواحد صاحب نائب ناظر اصلاح و ارشاد کا بیان ہے کہ حضرت میر داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ حضرت حافظ صاحب کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اکثر اوقات آکر خیریت اور ضروریات کے بارے میں دریافت فرماتے تھے۔ کئی اخبارات حضرت حافظ

صاحب کے نام لگوا رکھے تھے۔ کھانے کے بارے میں اکثر دریافت کیا کرتے حضرت حافظ صاحب کے لئے دارالضیافت سے کھانا آتا تھا اس کے ساتھ روزانہ ایک روپیہ نقد آتا۔ بوجہ دانت نہ ہونے کے حافظ صاحب کھانا کھانے میں تکلیف محسوس کرتے تھے یہ بات حضرت امام جماعت الثالث کے نوٹس میں آئی حضور نے فرمایا حافظ صاحب کو کھانے کے بارے میں کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔ صدر انجمن نے ایک رزولیوشن کے ذریعہ خاکسار راقم الحروف (عبدالواحد صاحب۔ ناقل) کی ڈیوٹی لگائی۔ بالاخر یہ فیصلہ ہوا کہ حافظ صاحب کے لئے کھانا بدستور دارالضیافت سے آتا رہے۔ حافظ صاحب کے لئے تازہ کھانا اہلیہ صاحبہ سید عبدالباسط صاحب تیار کیا کرتیں دارالضیافت سے آنے والا کھانا گھر میں استعمال ہو جاتا۔

رجوع خلق اور روزانہ ملاقاتوں کا سلسلہ

مکرم چودھری عبدالواحد صاحب نائب ناظر اصلاح و ارشاد یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ "۱۹۳۸ء میں جبکہ لاہور میں پڑھا کرتا تھا' گرمیوں کی تعطیلات میں میرے بہنوئی چودھری سردار خاں صاحب نے جو ان دنوں کلودنگ فیکٹری شاہجہان پور میں ملازم تھے' مجھے شاہجہان پور بلالیا۔ اوقات دفتر کے بعد بھائی صاحب حضرت حافظ صاحب کی مجلس میں بلاناغہ جایا کرتے تھے (کلوونگ فیکٹری سے حضرت حافظ صاحب کے مکان کا فاصلہ دو ڈھائی میل تھا اور سردار خاں صاحب وہاں سے روزانہ سائیکل پر آیا کرتے تھے۔ مولف) اور ان کے ساتھ میں بھی (عبدالواحد صاحب۔ مولف) جایا کرتا تھا۔ حضرت حافظ صاحب کے پاس علم دوست اصحاب کی محفل لگی رہتی۔ حافظ صاحب مسلسل گھنٹوں مختلف مسائل پر بولتے رہتے۔ حافظ صاحب جس چارپائی پر بیٹھے ہوتے وہاں صرف ان کے بیٹھنے یا رات کو سکڑ کر لیٹنے کے لئے جگہ ہوتی باقی جگہ پر اخبارات اور کتابیں ہوتیں۔ ایک کمرہ تھا جس میں چارپائیوں پر ڈھیروں کتابیں پڑی رہتیں۔ اس کمرے میں چڑیوں کے بے شمار گھونسلے ہوتے۔ گویا اس کمرے میں

چڑیوں کا پورا قبضہ ہوتا۔ گھونسلوں سے رسیاں اور دھاگے تقریباً فرش تک لٹکے ہوتے۔ حافظ صاحب کو جب اس کمرے سے کسی کتاب کے لانے کی ضرورت پڑتی تو بڑی احتیاط سے سر جھکا کر اس کمرے میں جاتے مبادا کہیں کسی گھونسلے سے کوئی رسی یا دھاگہ نہ کھینچا چلا آئے اور اس طرح کسی گھونسلے کو نقصان پہنچ جائے۔

حضرت حافظ صاحب کی مجلس علم و عرفان

راقم الحروف نے حضرت حافظ صاحب کی مجلس علم و عرفان کے سینکڑوں روح پرور مناظر دیکھے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ قریباً روز ہی ان مناظر سے لطف اندوز ہونے اور بقدر ظرف استفادہ کرنے کے مواقع فراہم ہوتے تھے سوائے اس زمانے کے جب حضرت حافظ صاحب قادیان یا کسی دوسری جگہ بغرض دعوت الی اللہ تشریف لے جاتے۔ ان مجالس سے کسب فیض کرنے والے بلا مبالغہ ہزاروں اہل علم حضرات ہوں گے جنھوں نے حافظ صاحب کی ان مجالس علمی کی شمع سے روشنی حاصل کرکے خدا جانے کتنے چراغ روشن کیئے اور یہ سلسلہ ان کی وفات کے بعد بھی جاری ہے۔ ان روح پرور مجالس میں سے ایک مجلس کا ایک دلکش نقشہ مکرم ملک نسیم احمد صاحب جوئیہ' بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈوکیٹ ڈیرہ غازی خاں نے کھینچا ہے جو قارئین کی دلچسپی اور ازدیاد معلومات کے لئے یہاں پیش کیا جارہا ہے:۔

"حضرت حافظ صاحب سے میرا غائبانہ تعارف تو عرصے سے تھا مگر ان سے میرا باقاعدہ تعارف اور ملاقات آج سے آٹھ نو سال قبل میرے بڑے بھائی مکرم ملک مسعود احمد صاحب ایم۔ اے لیکچرر گورنمنٹ کالج جڑانوالہ کے ذریعہ سے ہوا جبکہ حضرت حافظ صاحب ریلوے لائن کے قریب کچے کوارٹر میں مقیم تھے۔ مختصر سا کچا مکان تھا جس کی باہر کی بیٹھک میں حضرت حافظ صاحب رہتے تھے۔ ہم ملاقاتیوں کی قطار میں باہر ہی اپنی ملاقات کی باری کے

انتظار میں کھڑے ہوگئے کیونکہ اندر کافی لوگ تھے۔ آخر کچھ دیر بعد ہماری باری آگئی۔ ہم کمرے میں داخل ہوئے کمرے کی فضا نیم روشن سی تھی۔ حضرت حافظ صاحب بالکل سادہ لباس میں درویش صورت' درویش سیرت بزرگ ایک کونے میں پڑی ہوئی چارپائی پر کسی قدر گاؤ تکیہ کا سہارا لئے ہوئے بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے اور آس پاس کرسیوں پر اور بینچوں پر ملاقاتی بیٹھے تھے۔ حافظ صاحب کی چارپائی کے آگے ایک چھوٹی سی تپائی رکھی تھی جس پر کچھ کتابیں' رسالے' خطوط اور دوائیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک دو الماریاں کتابوں سے بھری ہوئی کمرے کی دیواروں کے ساتھ کھڑی تھیں۔ جن میں سے حافظ صاحب کبھی کبھی کسی ملاقاتی سے اشارہ کرکے کتاب نکلواتے اور کوئی صفحہ کھولنے کا ارشاد فرماتے پھر خود ہی عبارت پڑھتے جاتے۔ حافظ صاحب ایک ملاقاتی کے جواب میں نہایت متانت و سنجیدگی کے ساتھ اور ٹھیٹھ یو۔ پی کے صحیح تلفظ میں نہایت بارعب اور اعتماد کے لہجہ میں محو خطاب اور باقی سامعین محو سماعت تھے۔ بار بار اپنے مخصوص انداز میں انگلی کے اشارے سے کتاب حوالہ کے لئے نکلواتے۔ گفتگو کے دوران کبھی کبھی کوئی مزاح کا پہلو نکل آتا تو بڑی سنجیدگی سے ایسا نکتہ بیان کرتے کہ محفل زعفران زار بن جاتی۔ ملاقاتیوں میں بڑے بڑے علماء' پروفیسر' ڈاکٹر' وکلاء' طالب علم' تاجر' شاعر' ادیب' بچے' بوڑھے' جوان غرضیکہ ہر عمر اور ہر طبقہ اور ہر مکتبہ فکر کے لوگ شامل ہوتے۔ حافظ صاحب باری باری ہر ایک کا حال پوچھتے اور نہایت خندہ پیشانی سے ہر ایک کے استفسارات کا نہایت مدلل اور تسلی بخش جواب دیتے۔ کئی دوست دعا کی درخواست لے کر آتے۔ ان کے لئے دعا کرتے۔ ہر موضوع پر نہایت عالمانہ اور جامع انداز میں گفتگو فرماتے۔ انداز بیان اس قدر دل نشین ہوتا کہ ان کی محفل سے اٹھنے کو جی نہ چاہتا۔ پہلی ہی ملاقات میں میں نے یہ اندازہ لگالیا کہ حضرت حافظ صاحب بیک وقت ایک درویش' عالم باعمل' اعلیٰ درجہ کا نہایت منجھا ہوا ادبی مذاق رکھنے والے' ایک منفرد انداز کے شاعر' بلند پایہ نقاد اور ساتھ ہی ساتھ احمدیت اور دین حق کے فدائی اور عاشق نبی اکرمؐ' حضرت اقدس

مرزا صاحب اور ان کے جانشینوں سے بے حد محبت اور عقیدت رکھنے والے، پیکر صدق و صفا بزرگ ہیں۔ میں نے ہر پہلو سے ان کی شخصیت کو نہایت بلند و بالا پایا اور ہر لحاظ سے منفرد بھی"۔



باب چہارم

جماعت احمدیہ شاہجہانپور کی تربیت اور فریضہء اصلاح وارشاد

حضرت حافظ صاحب کی شبانہ روز کوششوں اور دعاؤں کے نتیجہ میں شاہجہان پور میں جو مخلص جماعت قائم ہوئی اس کی تربیت کا فریضہ بھی آپ نے کلیتہً اپنے ذمہ لیا ہوا تھا۔ اور ہر فرد جماعت آپ کی ذاتی اور براہ راست تربیت میں رہتا تھا۔ آپ نہ صرف ان کی اخلاقی اصلاح ہی پر توجہ دیتے بلکہ ان کے گھریلو مشکلات کا حل بھی بتاتے اور اپنے قیمتی مشوروں سے ان کی رہنمائی فرماتے۔ ان کو ہر فرد جماعت کے تفصیلی حالات سے آگاہی تھی۔ ان کے افراد خانہ کی تعداد اور ان کے معاشی حالات کا بھی علم تھا۔ ان کی امداد صرف زبانی اصلاح تک ہی محدود نہ تھی بلکہ وہ ہر قسم کی امداد فراہم کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ ہر فرد جماعت کے لئے سرپرست اعلیٰ کی حیثیت رکھتے تھے۔

خطبات

آپ ایک فصیح البیان اور فتیق اللسان مقرر اور خطیب بھی تھے۔ آپ کا ہر خطبہ فصاحت کی جان اور بلاغت کی کان ہوتا تھا۔ اپنے خطبات میں آپ ضروری مسائل کو بالوضاحت بیان فرماتے اور ایسا پیرائیہ بیان اختیار فرماتے کہ آپ کی کوئی نصیحت ناگوار خاطر نہ ہوتی اور ہر فرد اپنی اصلاح کی طرف مائل ہوجاتا۔

جلسہ ہائے سیرت النبیؐ

شاہجہان پور میں آپ بالالتزام سالانہ سیرت النبیؐ کے اجلاس منعقد کراتے اور اس میں غیراز جماعت اصحاب بھی شرکت کرتے بلکہ بعض کی تقاریر بھی ہوتیں۔ ان تقاریر میں ایک ہندو وکیل بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ یہ اجلاس حضرت حافظ صاحب کے مکان کی پشت پر ان کے ایک مملوکہ احاطہ میں ہوا کرتے تھے۔ یہ اراضی پختہ دیواروں کے اندر آج بھی قائم ہے۔ سامنے کی دیوار اور دروازہ غائب ہے اور شمال کی طرف ایک حصہ پر مبارک علی خاں صاحب (کوتوال شہر بریلی) کے چھوٹے صاجزادے نے غیر قانونی قبضہ کر کے اپنے مکان میں شامل کر لیا ہے۔

سالانہ دعوت الی اللہ کانفرنس

سیرت النبیؐ کے جلسوں کے علاوہ حضرت حافظ صاحب سالانہ کانفرنسوں کا انتظام بھی فرمایا کرتے تھے۔ جن میں ہر سال مرکز سلسلہ سے حضرت مفتی محمد صادق صاحب (-----------)، حضرت حافظ روشن علی صاحب (-----------)، حضرت سید محمد سرور شاہ صاحب تشریف لایا کرتے تھے۔ اس کانفرنس کے متعلق سارے شہر کو بذریعہ اشتہارات بھی مطلع کر دیا جاتا تھا اور منادی کے ذیعہ بھی اعلان کرا دیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک اونٹ کرایہ پر لیا گیا جس کے دونوں پہلوؤں میں لکڑی کے دو فریم جن پر کپڑا منڈھا ہوا ہوتا تھا اور کانفرنس کے انعقاد کی تاریخیں تحریر ہوتی تھیں لٹکا دیئے گئے اور سارے شہر میں اونٹ کو گھمایا گیا اور اس طرح کانفرنس کے متعلق خوب چرچا ہوا اور گھر گھر اطلاع پہنچ گئی یہ یاد نہیں کہ تجویز کس دوست کی تھی۔

ایک کانفرنس کے سلسلے میں ایک افسوسناک مگر ایمان افروز واقعہ

ان کانفرنسوں کے سلسلہ میں ایک افسوسناک مگر عبرتناک اور ایمان افروز واقعہ میرے حافظہ میں اب تک محفوظ ہے۔ حاجی محمد سعید خاں صاحب جو حضرت سید علی میاں کے دوست تھے اور جن کا ذکر سطور بالا میں آچکا ہے، ان کے ایک نوجوان صاجزادے محمد صدیق نامی تھے جو مخالفین کے زیر اثر سلسلہ کے خدام سے نقار رکھتے تھے۔ ایک کانفرنس کے اختتام پر جب معزز مہمان رخصت ہو کر اسٹیشن پہنچے تو یہ صاجزادے بھی اسٹیشن پہنچ گئے اور پلیٹ فارم کے آخری حصے میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ جب گاڑی آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی ان کے پاس پہنچی تو یہ صاجزادے کھڑکی میں سر ڈال کر اور معزز مہمانوں سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے "فی النار والسقر۔ فی النار والسقر" گاڑی تیز ہو گئی اور مہمان رخصت ہو گئے، لیکن قضاوقدر کے فرشتوں نے صاجزادے کے یہ فقرے نوٹ کر لیئے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جب یہ صاجزادے گھر پہنچے تو ان کی طبعیت خراب ہو گئی۔ معالج فوراً بلائے گئے لیکن کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ تکلیف کا باعث کیا ہے۔ مرض بڑھتا گیا اور صاجزادے کی زبان پر یہ فقرہ بار بار آنے لگا کہ "ہائے آگ لگی ہے، ہائے آگ لگی ہے" مرض نے جب شدت اختیار کی تو لکھنؤ سے نامی گرامی معالج بلائے گئے۔ انہوں نے بھی بہت زور لگایا اور مختلف ادویہ استعمال کرائیں لیکن بقول شاعر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اور ایک روز ایسا آیا کہ صاجزادے اس نوجوانی کے عالم میں اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مباحثے اور مناظرے

حضرت سید علی میاں تو آریوں اور ہندو پنڈتوں سے مباحثے اور مناظرے کرتے ہی رہتے تھے۔ لیکن بعد قبول احمدیت حضرت حافظ سید مختار احمد میاں نے بھی نہ صرف اس

سلسلہ کو برقرار رکھا بلکہ انفرادی رنگ میں دعوت الی اللہ کا فریضہ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ علاوہ ازیں جب بھی کبھی موقع ملا آپ نے مباحثہ کے عمل کو بھی جاری رکھا اور مناظرے بھی کئے اور ابلاغ کے اس ذریعہ کو بھی نظرانداز نہیں کیا۔ انہیں مباحثوں اور مناظروں کی کڑی شاہجہان پور کا وہ یادگار مناظرہ بھی تھا جو حکومت وقت کی اجازت سے خود حافظ صاحب کے مکان کے اندر پولیس کی موجودگی میں منعقد ہوا اور فریقین میں شرائط مناظرہ طے ہونے کے بعد انعقاد پذیر ہوا۔ فریق مخالف کی طرف سے مولانا بدر عالم میرٹھی مشہور مناظر اور ان کے ساتھی علماء پیش ہوئے اور احمدیوں کی طرف سے حضرت مولانا جلال الدین شمس اور مولوی غلام احمد بدوملہوی پیش ہوئے۔ یہ مناظرہ فدا حسین خاں صاحب رئیس شاہجہان پور کے ایماء پر منعقد ہوا تھا اور وہی اس کی صدارت کر رہے تھے۔ اختتام جلسہ پر انہوں نے بشرح صدر احمدیت کو قبول کیا اور اپنی جائیداد بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وقف کرنے کا اعلان کیا۔ مولف کتاب ہذا بھی اس یادگار مناظرہ میں شریک ہوا اور ساری کاروائی بچشم خود دیکھنے کی توفیق ملی مجھے آج تک یاد ہے کہ گھبراہٹ کے عالم میں مولانا بدر عالم کے منہ سے ایک حوالہ پڑھتے ہوئے "آں اُمت" کی جگہ "آن اَمُت" نکل گیا جس پر حافظ صاحب نے آہستہ سے فرمایا کہ "بدر کو تو گہن لگ گیا"۔

حضرت حافظ صاحب سے جماعت کے افراد کی عقیدت و اطاعت کا ایک ایمان افروز واقعہ

ذیل کے واقعہ سے آپ کو اس بات کا ثبوت مل جائے گا کہ حضرت حافظ صاحب نے افراد جماعت کے دلوں میں کتنا گھر کر لیا تھا کہ وہ بڑے سے بڑا نقصان برداشت کر کے بھی آپ کے ساتھ اپنے جذبۂ عقیدت و اطاعت کو آنچ نہیں آنے دیتے تھے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مکرم محترم حافظ سخاوت علی صاحب شاہجہان پور کی جماعت کے ایک مخلص، نیک اور

فدائی فرد تھے۔ الیکشن کا زمانہ تھا اور پرانے چیئرمین خاں بہادر منسوب حسن خاں اور نئے امیدوار خاں فضل الرحمٰن خاں عرف چھوٹے خاں کے درمیان مقابلہ تھا۔ دونوں امیدوار شہر میں اثر و رسوخ رکھتے تھے اور قابلیت، صلاحیت اور جذبۂ خدمت میں ایک دوسرے کا مد مقابل تھا۔ حضرت حافظ صاحب کے خان بہادر منسوب حسن خان سے دیرینہ مراسم تھے اور وہ ہمیشہ ان کا ساتھ دیتے تھے۔ اب اتفاق ایسا ہوا کہ حافظ سخاوت علی صاحب نے جس قطعہ اراضی پر مکان بنایا ہوا تھا وہ خان بہادر فضل الرحمٰن خاں کی ملکیت تھی۔ حضرت حافظ صاحب نے سخاوت علی صاحب کو بلوا بھیجا اور فرمایا کہ آپ جائیں اور فضل الرحمٰن خاں سے یہ کہہ دیں کہ آپ ان کو ووٹ نہیں دے سکتے۔ لیکن ساتھ ہی ان کو خبردار کیا کہ ہو سکتا ہے کہ اس انکار کے رد عمل میں ان کو اپنے مکان سے بیدخل ہونا پڑے اور وہ اس کے لئے بھی تیار رہیں۔ حافظ سخاوت علی صاحب الیکشن کے مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ فضل الرحمٰن خاں صاحب فرش پر ایک جانب سے دوسری جانب ٹہل رہے ہیں اور فکر کے آثار ان کے چہرے سے عیاں ہیں۔ اُس وقت فریقین میں کانٹے کا مقابلہ تھا اور ایک ایک ووٹ بڑا قیمتی تھا۔ صرف ایک ووٹ کی کمی بیشی فیصلہ کن ثابت ہو سکتی تھی۔ حافظ سخاوت علی صاحب نے جذبۂ اطاعت سے سرشار ہو کر اور آنے والے خدشات سے صرف نظر کرتے ہوئے جب خاں بہادر فضل الرحمٰن خاں سے معذرت کی کہ وہ اپنا ووٹ ان کے حق میں استعمال نہیں کر سکتے تو خاں بہادر صاحب کی زبان سے صرف یہی الفاظ نکلے "آپ کی خوشی، آپ کی مرضی"۔ اس کے علاوہ اس انکار کا رد عمل نہ اس وقت ظاہر ہوا اور نہ اس کے بعد۔ اللہ اللہ کیا ظرف تھا اس گئے گزرے زمانے میں بھی ہمارے آباؤ اجداد کا کہ آراضی سے بیدخل کرنا تو کجا انہوں نے کوئی نازیبا لفظ بھی استعمال نہ کیا عالی ظرفی کی ایسی مثالیں اور جذبہ اطاعت کا اس سے زیادہ حیرت انگیز نمونہ اِس زمانے میں تلاش کرنا تحصیل حاصل ہے۔

رسالدار عبدالکریم خاں کی مخالفت

حضرت حافظ صاحب کے ایک پڑوسی رسالدار میجر عبدالکریم خان وائسرائے کے باڈی گارڈ کے افسر تھے ان کو O.B.I. ADC کا خطاب گورنمنٹ برطانیہ سے ملا ہوا تھا۔ ملازمت سے ریٹائر ہو کر جب شاہجہانپور آئے تو احمدیت کے بعض مخالفین نے اُن سے شکایت کی کہ آپ کے پڑوسی مختار میاں لوگوں کو قادیانی بناتے چلے جارہے ہیں آپ اس کی روک تھام کریں۔

میجر صاحب فوجی آدمی تھے لوگوں کے بہکانے میں آگئے اور ایک روز جب کہ احمدی لوگ مغرب کی عبادت کے لئے عبادت گاہ میں جمع تھے۔ میجر صاحب تشریف لے آئے اور آتے ہی دھمکیاں دینا شروع کر دیں کہ دیکھتا ہوں کہ کون مصلے پر قدم رکھتا ہے۔ اُن کے ساتھ سینکڑوں غیراحمدی عبادت گاہ میں داخل ہو چکے تھے اور عبادت گاہ کے باہر بھی ایک جم غفیر رسالدار صاحب کی حمایت کے لئے موجود تھا۔ اُس موقعہ پر مولف کتاب ہذا بھی وہاں موجود تھا جس وقت رسالدار صاحب نے الٹی میٹم دیا تو حضرت حافظ صاحب آگے بڑھے اور ایک' دو' تین کہہ کر مصلے پر پہنچ گئے اور بڑے رعب دار لہجہ میں فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ خدا کے شیروں کے کوچے کون کاٹتا ہے شاید رسالدار صاحب کو اس ردعمل کی توقع نہ تھی لہٰذا بوکھلا گئے اور اپنے ساتھیوں سے بولے "لانا میری بندوق' لانا میرا پستول" اور یہ کہتے ہوئے پیچھے مڑ کر بھیڑ میں غائب ہو گئے اور حضرت حافظ صاحب نے عبادت شروع کر دی اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حافظ صاحب واقعی اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔

حضرت حافظ صاحب کی بے خوفی کی ایک مثال

حضرت حافظ صاحب کے رشتہ کے ایک بھائی سید الطاف حسن میاں تھے جن کا مکان

اسی گلی کے کونے پر تھا جس کے اندرونی حصہ کے کونے پر حضرت حافظ صاحب کا مکان تھا۔ یہ بڑے جری اور بہادر انسان تھے جوانی میں بے شمار کارنامے انجام دئے۔ بنوٹ کے ماہر تھے۔ اور دس دس پندرہ آدمی لاٹھیاں برسائیں تو یہ اپنے جسم پر آنچ نہ آنے دیتے تھے۔ سارے شہر میں ان کی شجاعت اور مردانگی کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ غریبوں کے ہمدرد اور سرکشوں کے جانی دشمن تھے۔ ایک مرتبہ کوئی افغانی سید الطاف میاں سے ملنے آیا۔ اتفاق سے حضرت حافظ صاحب بھی وہاں موجود تھے' حضرت حافظ صاحب تو ایسے موقعوں کی تلاش ہی میں رہتے تھے۔ سلسلہ کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔ وہ شخص کسی بات پر مشتعل ہو گیا اور کمر میں بندھی ہوئی تلوار میان سے نکال کر اپنے غضب کا اظہار کرنے لگا۔ حضرت حافظ صاحب نے اس کے اس فعل کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بلا جھجک فرمایا کہ تمہارا یہ تنکا میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے اس فعل نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تم ایک غیر مہذب انسان ہو جسے آداب مجلس کا بھی شعور نہیں سید الطاف حسن میاں نے بھی اس شخص کو ڈانٹا تو وہ اپنا سامنہ لے کر رہ گیا اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

شاہجہانپور کے ایک اور مخالف احمدیت رئیس فقیرے خان کا عبرتناک انجام

شاہجہان پور کے ایک رئیس جو فقیرے خاں کے نام سے مشہور تھے ایک مرتبہ لوگوں کے اکسانے پر حضرت حافظ صاحب سے ملنے آئے۔ دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ ایک موقعہ پر فقیرے خاں بول اٹھے کہ مختار میاں آپ کی ایک آنکھ تو قدرت نے پھوڑ دی ہے دوسری میں پھوڑ دوں گا۔ حضرت حافظ صاحب نے بڑے اطمنان سے فرمایا کہ خاں صاحب میں نے حضرت مرزا صاحب کی صداقت کے سلسلے میں جو دلائل آپ کے سامنے رکھے ہیں ان کا بطلان میری آنکھ پھوڑ دینے سے کس طرح ہو جائے گا۔ اس پر فقیرے خاں سوچ میں پڑ گئے

اور خاموشی کے ساتھ اٹھ کر چلے گئے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ فقیرے خاں صاحب جنگل میں شکار کے لئے گئے۔ اتفاق سے کسی ساتھی کی گولی اُن کی آنکھ میں لگی اور وہیں ڈھیر ہو گئے۔
حضرت اقدس مرزا صاحب نے سچ ہی تو فرمایا تھا۔

جو خدا کے ہیں انہیں للکارنا اچھا نہیں
ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہ ء زار و نزار

سچ تو یہ ہے حضرت حافظ صاحب کی ساری زندگی اِن مہمات سے بھری پڑی ہے کوئی کہاں تک کھوج لگائے اور کہاں تک ضبط تحریر میں لائے۔ میں نے حضرت حافظ صاحب کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات جو میرے مشاہدے میں آئے یا جن کا مجھے علم ہو سکا تحریر کر دیئے ہیں ورنہ ۔

سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لئے



باب پنجم

حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ اور حضور کے تمام افراد خاندان کے لئے حضرت حافظ صاحب کا جذبہ ء عقیدت، محبت، والہیت و فداکاری

حضرت حافظ صاحب کے قلبِ صافی میں حضرت اقدس بانیِ سلسلہ احمدیہ اور حضور انور کے خاندان کے ہر فرد کے لئے عقیدت و محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہمہ وقت موجزن رہتا تھا۔ بعض اوقات حضرت اقدس مسیح موعود (-----) کے عربی، فارسی اور اردو اشعار گنگناتے اور ایک ہی شعر کی تکرار کرتے ہوئے لہجہ میں ایک عجیب قسم کی کیفیت پیدا ہو جاتی جس سے مولف کتاب ہذا حد درجہ متاثر ہو جاتا تھا۔ یوں تو "احرار" کی شورش ۱۹۳۱ء، ۱۹۳۲ء میں اپنی حدوں سے نکل چکی تھی لیکن ۱۹۳۵ء کے بعد تو یہ دہکتا ہوا لاوا پھٹ کر باہر آگیا اور نوبت بہ ایں جا رسید کہ ایک شرپسند شخص نے بہ نیت فساد حضرت صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحب پر راستے میں اچانک حملہ کر دیا۔ یہ سانحہ اُس بستی میں ہوا جہاں جماعت کا مرکز تھا اور احمدیوں کی تعداد غیر احمدی ساکنین قادیان سے کہیں زیادہ تھی۔ لیکن قدرت ثانیہ کے دوسرے مظہر حضرت المصلح موعود کی ہدایت پر قادیان کے احمدیوں نے صبر و ضبط کا مکمل مظاہرہ کیا اور مفسدین کو فساد برپا کرنے کا کوئی موقع نہ مل سکا۔ حضرت حافظ صاحب ان دنوں شاہجہان پور میں تھے اور اس صدمے نے ان کو بہت نڈھال کر دیا تھا۔ اسی کرب کے عالم میں

آپ نے ایک پر درد نظم لکھی جو آپ کے دلی کرب کی آئینہ دار ہے۔ یہ نظم مکمل طور سے اسی کتاب کے حصہ منظومات میں شامل ہے۔ ہم یہاں اس کے چند اشعار بطور نمونہ نقل کئے دیتے ہیں۔

حملہ ہو شریف احمد ذی جاہ پر افسوس
حیف ایک شقی ہاتھ سر راہ چلا دے
آنکھیں ہیں کھلی اور نظر کچھ نہیں آتا
گویا کہ یہ ارض وفلک اوراق ہیں سادے
زندہ ہوں مگر زیست کی اب تاب نہیں ہے
روٹھے ہوئے ہیں مجھ سے مرے دل کے ارادے
اے خوں بہت کھول چکا بس اب ابل جا
اے جان تو کس دن کے لئے ہے یہ بتا دے

حضرت مختار اور حضرت بسمل

شورش احرار کے زمانے میں حضرت حافظ صاحب بہت بے چین اور افسردہ نظر آتے تھے یہاں تک کہ آپ نے اپنے دلی کرب کا اظہار پُر درد نظموں کی صورت میں شروع کیا جس کی ردیف ''اہل درد'' اور قوافی بیاں' زباں' فغاں وغیرہ تھے۔ آپ نے اس زمیں میں دل کھول کر اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا اور فصاحت وبلاغت کے دریا بہادئے۔ ایک نظم کا مقطع یہ تھا۔

مظہر و گوہر کہاں ہیں' صادق و بسمل کہاں
آج پھر مختار ہے محو بیان اہل درد

یہ گویا اشارۃً مذکورہ بالا شعرائے احمدیت کو ہم نوائی کی دعوت تھی۔ پھر کیا تھا۔ اسی بحر

میں اور اسی ردیف و قافیہ کے التزام کے ساتھ نظموں کا دریا اُمنڈ آیا اور یہ منظومات عرصہ تک روزنامہ ''الفضل'' کے صفحات کی زینت بنتی رہیں۔ وقت نے موقع دیا تو انشاء اللہ ان تمام منظومات کو جو تاریخ احمدیت کا حصہ اور ''متاع درد'' کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں' کتابی صورت میں شائع کرنے کی کوشش کروں گا۔

اس سلسلے میں حضرت مولانا عبید اللہ بسمل نے بھی فارسی زبان میں ایک طویل نظم لکھی جس کا ایک ایک لفظ موتیوں میں تولنے کے لائق ہے۔ حضرت حافظ صاحب نے حضرت بسمل کی اس معرکۃ الاراء نظم کو اپنی ایک نظم میں اس طرح خراج تحسین پیش کیا

حضرت بسمل نے دی داد بیان اہل درد
درد والے ہی سمجھتے ہیں زبان اہل درد

خلافت کے ساتھ آپ کی عقیدت' والہیت اور ادب واحترام کے امتزاج کا حسین مرقع تھی۔ حضرت حافظ صاحب ہر اس امر سے خوش ہوتے جس میں خلافت کے ساتھ وابستگی اور خلیفہء وقت کے ساتھ ادب واحترام کا پہلو اختیار کیا گیا ہو۔ اس ضمن میں برادر مکرم پرویز پروازی صاحب کا ایک مشاہدہ ملاحظہ ہو:۔

''حضرت حافظ صاحب کو خلافت کے ساتھ انتہائی وابستگی تھی۔ پچھلی عید الفطر پر میں حاضر ہوا تو وہاں ایک صاحب بیٹھے تھے۔ میں گیا تو وہ صاحب اُٹھے اور حضرت حافظ صاحب سے اپنے پنجابی انداز میں کہا ''میں ذرا حضرت صاحب سے مل آوٴں'' اپنی دانست میں ان صاحب نے اجازت رخصت چاہی لیکن انداز کچھ ایسا تھا کہ فقرہ میں استفہامی رنگ پیدا ہوگیا۔ آپ نے یہ سمجھا کہ وہ صاحب پوچھ رہے ہیں کہ ''کیا میں حضرت صاحب سے مل آوٴں''؟ حضرت حافظ صاحب کے چہرے پر اتنا غصہ اور انقباض میں نے پہلی اور آخری بار دیکھا۔ آپ نے بڑے غصے سے ان کا ہاتھ جھٹک دیا اور حاضرین کی طرف اس طرح دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ دیکھو اس شخص کو کیا ہوگیا ہے؟ خلافت کے مقام بلند کے لئے اتنی غیرت!

اب تک میری آنکھوں کے سامنے وہ نقشہ ہے۔ اُس وقت مجھے احساس ہوا کہ خلیفہ وقت کا مقام کتنا ارفع واعلیٰ مقام ہے اور زبان کی ذرا سی لغزش سے سوءِ ادب کی صورت پیداء ہو جاتی ہے۔ اُن صاحب کے چلے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک حضرت حافظ صاحب خاموش رہے۔ اُس شخص کی نادانستہ لغزش نے انہیں بڑا دکھ پہنچایا۔ یہ واقعہ حضرت حافظ صاحب کی خلافت سے وابستگی اور خلافت کے مقام ارجمند کے ادراک پر دلالت کرتا ہے"۔

حضرت مصلح موعود کی ایک ٹیپ شدہ تقریر کے متعلق جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ سننا چاہیں گے تو آپ نے بخوشی اس کی خواہش ظاہر کی لیکن اس کے لئے ایک لائحہ عمل تجویز فرمایا اور ایک وقت مقررہ پر دوستوں کو حضرت مصلح موعود کے ملفوظات کو سننے کی دعوت دی، وقت مقررہ پر بہت سے احباب جمع ہو گئے اور جب مکرم محمد احمد صاحب وہ کیسٹ لے کر حاضر ہوئے تو حافظ صاحب لیٹے ہوئے تھے فوراً" اٹھ کر بیٹھ گئے۔ سر ڈھانپ لیا اور نہایت انہماک سے سنتے رہے جب تقریر ختم ہوئی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ فرمایا جب خلیفہ وقت کی آواز آرہی ہو تو ادب سے بیٹھنا اور توجہ سے سننا چاہئے۔

خلیفہ ءوقت کے لئے ادب واحترام کا نرالا انداز

اس سلسلہ میں مولف کتاب ہذا برادر مکرم چوہدری ضیاء الحق صاحب امریکہ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے جن کے تعاون سے حضرت حافظ صاحب کی سیرت کے کئی حسین اور ایمان افروز پہلو سامنے آئے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"ملک عطاء الرحمٰن صاحب واقف زندگی دعوت الی اللہ کے لئے فرانس جانے والے تھے۔ دارالواقفین کی بالائی چھت پر ایک برآمدہ تھا وہاں ان کو الوداعی چائے دی گئی جس میں حضرت امام جماعت الثانی بھی تشریف لائے۔ متعدد رفقاء کار بھی موجود تھے۔ حضرت صاحب نے کسی بات کے سلسلے میں فرمایا کہ "رفقاء کے بارے میں تو میرا طریق یہ ہے کہ وہ کسی بھی

وقت بغیر پیشگی وقت لئے آسکتے ہیں" اس کے بعد جب میری ملاقات حضرت حافظ صاحب سے ہوئی اور میں نے آپ کو کمرے میں تنہا پایا (ایسے اوقات بہت کم ہوتے تھے کہ آپ تنہا ہوں) تو گزارش کی کہ میں ایک بات کرنا چاہتا ہوں لیکن اس کے لئے مجھے اردو کے متبادل الفاظ نہیں مل رہے۔ حافظ صاحب نے بے ساختہ فرمایا "تُسیں گل کرو جی" میری جہالت کہ میں نے فوراً" کہا کہ "پھیر گل ایہہ جے کہ تہاڈیاں تاں موجاں، موجاں" متبسم ہوئے اور فرمایا یہ موجاں موجاں کیا ہوتا ہے۔ میں نے عرض کی کہ آپ کے تو مزے ہی مزے ہیں۔ جب چاہیں حضرت صاحب سے مل سکتے ہیں ساتھ ہی میں نے حضرت صاحب کے ارشاد کا حوالہ بھی دیا۔ آپ خاموش ہو گئے۔ آپ سر کے اوپر ہمہ وقت ایک سبز رنگ کا رومال آنکھ کی خرابی کی وجہ سے رکھتے تھے جو کہ ریش مبارک کے نیچے تک لٹکتا رہتا تھا۔ اس سے چہرہ چھپا لیا۔ جسم پر رعشہ طاری ہوا اور ضعف ہو گیا۔ میں نے پکڑ کر لٹایا۔ تلوے ملنے شروع کئے۔ جسم دبایا۔ خمیرہ پاس رکھا تھا وہ دیا میں اس قدر پریشان ہوا کہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ کیا کروں عرض کیا کسی کو بلاؤں۔ ہاتھ کے اشارے سے منع فرما دیا۔ میری جو حالت تھی میں ضبط تحریر میں لانے سے قاصر ہوں۔ سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ کیا کروں۔ اپنی حماقت کا قطعی احساس نہیں تھا صرف یہ خیال تھا کہ اچانک کسی بیماری کا حملہ ہوا ہے۔ کافی وقت کے بعد طبیعت سنبھلی۔ اٹھ کر بیٹھے تو ارشاد فرمایا "میاں میں اگر حلفاً" کہوں کہ میں نے آج تک حضرت صاحب کا چہرہ نہیں دیکھا تو کیا مان لو گے۔ اس جلال و جمال کے برداشت کرنے کی طاقت کہاں سے لاؤں"۔ بس اسی قدر فرمایا پھر سسکیوں سے رو دیئے اور لیٹ گئے۔ یہ تھا عرفان مقام امامت۔ اس روز یہ عقدہ کھلا کہ

"ہر کہ عارف تر است ترساں تر"

بزرگان سلسلہ کا احترام

مکرم محمد ضیاء الحق صاحب لاہور تحریر فرماتے ہیں:۔

"ابتدائی ملاقات کے بعد خاکسار کا تعلق نیاز مندی آخر دم تک قائم رہا۔ دوسری جنگ عظیم کے درمیان محترم بشیر احمد صاحب آرچرڈ جب تحقیق و مطالعہ کے لئے قادیان آئے' انہیں دنوں میں بھی دہلی سے قادیان پہنچا اور مہمان خانہ میں مقیم ہوا۔ جس کوارٹر میں قیام پذیر تھا اُسی میں ساتھ والے کمرے میں آرچرڈ صاحب قیام فرما تھے۔ حضرت حافظ صاحب آرچرڈ صاحب سے گفتگو فرماتے تو کسی صاحب علم کی عدم موجودگی میں خاکسار مترجم ہونے کی سعادت حاصل کرتا۔ شام کو عموماً" حضرت مفتی صاحب حضرت حافظ صاحب والے کواٹر کے بیرونی دروازے میں داخل ہوتے۔ حضرت حافظ صاحب عقیدت و احترام سے اٹھ کر کھڑے ہو جاتے۔ غالباً" وہ حضرت مفتی (محمد صادق صاحب۔ مولف) صاحب کے قدموں کی چاپ پہچانتے تھے"۔

حضرت چودہری ظفر اللہ خاں صاحب سے حضرت حافظ صاحب کو بڑی محبت تھی۔ مولف کتاب ہذا کو قادیان میں جلسہ سالانہ کے وہ مناظر آج تک یاد ہیں جب یہ دونوں بزرگ یکجا ہوتے اور مسرت و شادمانی ان کے شگفتہ چہروں کی بلائیں لیتی نظر آتی۔

خدام سلسلہ کا اکرام

اسی طرح مربیان سلسلہ اور دیگر کارکنان جماعت کی دل سے قدر کرتے اور ان کے خلاف کوئی بات سننا گوارا نہ کرتے۔ اُن کی خامیوں کو نظر انداز کر دیتے' کوتاہوں سے چشم پوشی فرماتے اور ان کے کارناموں کو اجاگر کرتے۔ یہ اُن کی سیرت کا ایک درخشاں اور سبق آموز پہلو تھا۔ مکرم لطیف الرحمٰن صاحب محمود حضرت حافظ صاحب کی سیرت کے اِس پہلو کی

نقاب کشائی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت حافظ صاحب کے دل میں سلسلہ کے خدام کا بڑا احترام تھا اور ان تمام احباب کو بڑا خوش قسمت سمجھتے تھے جو سلسلہ کے کاموں پر مامور ہوئے۔ مربیان کرام کا ان کے دل میں خاص احترام تھا اور ان کے لئے بہت دعائیں کرتے تھے"۔ جب کسی بزرگ یا سلسلہ کے دیرینہ خادم کا انتقال ہوتا تو آپ کو بہت رنج اور قلق ہوتا۔ کمزوری اور ضعف کی وجہ سے آخری برسوں میں جنازوں میں شمولیت کے لئے بہت مشکل تھی لیکن بہشتی مقبرے کے سامنے صدر انجمن احمدیہ کے کوارٹر میں منتقل ہونے کے بعد آپ نے جنازوں میں شمولیت کی ایک ترکیب نکال لی تھی۔ آپ نے معمول بنالیا تھا کہ جب کوئی ایسا جنازہ گزرتا تو آپ عصا کے سہارے کمرے سے باہر برآمدے میں تشریف لے آتے اور تدفین اور احباب کی واپسی تک وہیں رہتے اور مرحوم کی بلندی درجات کے لئے دعا میں مصروف رہتے۔ حضرت حافظ صاحب نے اپنے اس معمول کا عاجز سے ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"جنازے میں شامل ہونے کے قابل نہیں۔ اس طرح دعا میں شامل ہو کر تلافی کرنے کی کوشش کرتا ہوں"۔

مربیان سلسلہ احمدیہ کی حوصلہ افزائی

بزرگان سلسلہ یعنی حضرت اقدس بانی سلسلہ کے رفیقان باصفا کے علاوہ مربیان سلسلہ کی جو جماعت تیار ہوئی ان میں حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس (خالد احمدیت) مولانا ابو العطا جالندھری صاحب (خالد احمدیت) مولانا غلام احمد صاحب بدو ملہی اور مولانا عبدالغفور صاحب پیش پیش تھے۔ زور خطابت طرز استدلال اور تبحر علمی کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک ممتاز و منفرد مقام رکھتا تھا۔ دعوت الی اللہ اور تربیتی دوروں کے سلسلہ میں یہ نامور علماء شاہجہان پور میں بھی تشریف لایا کرتے تھے اور حضرت حافظ صاحب کے پاس قیام فرمایا کرتے

تھے۔ یہ تمام جید علماء سلسلہ حضرت حافظ صاحب کا بڑا احترام کرتے تھے اور مقامی حالات کے لحاظ سے دعوت الی اللہ اور تربیتی مہمات میں ان سے مشورہ طلب ہوتے تھے اور حافظ صاحب بکمال شفقت ان کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرماتے لیکن خود بھی ان علماء سلسلہ کا بے حد احترام فرماتے' اور قدر کرتے تھے۔ اور اکثر ان کی گرانقدر خدمات سلسلہ اور کمالات علمیہ کو ہدیہء تحسین پیش کرتے رہتے تھے۔

مولانا غلام احمد بدو ملہی تو ایک عرصہ تک شاہجہان پور میں "احمدیہ پاکٹ بک" کی ترتیب میں مشغول رہے یہ کام حضرت حافظ صاحب کے قیمتی مشوروں سے پایہء تکمیل تک پہنچا۔ مولف کتاب ہذا کو اس عرصے میں مولانا صاحب کو بہت قریب سے دیکھنے اور ان کے مجاہدانہ دینی و تربیتی سرگرمیوں کو مشاہدہ کرنے اور ان سے سبق حاصل کرنے کا زریں موقع میسر آیا۔ میں نے ان سے عربی کی ابتدائی کتب کا درس بھی لیا اور ان کی صحبت میں میرے علمی ذوق نے مزید جلا پائی۔ مکرم ملک نسیم احمد صاحب جوئیہ بی۔اے۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ ڈیرہ غازی خاں اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

"میرے خسر حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس سے حضرت حافظ صاحب بڑی محبت کرتے تھے۔ اور باوجود اپنی بزرگی اور علمی فضیلت کے ان کو "علامہ شمس" کے لقب سے یاد کرتے تھے اور ان کی علمی قابلیت کے بے حد مداح تھے۔ ان کی وفات پر حضرت حافظ صاحب کو دلی صدمہ اور قلق ہوا جس کا ذکر اکثر کرتے رہتے تھے۔ مقدمہ بھاول پور میں جس خوبی سے شمس صاحب مرحوم نے حصہ لیا تھا اس کا تذکرہ اکثر کرتے اور دوستوں کو اس کتاب کے پڑھنے کی ہدایت کرتے۔ حضرت مولانا شمس بھی ان کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے رہتے تھے اور حضرت صاحب سے بڑی عقیدت رکھتے تھے"۔

باب ششم

حضرت حافظ صاحب کا تبحر علمی مشاہیر سلسلہ کی نگاہ میں

(۱) اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو میں محترم شیخ محمد احمد صاحب مظہر کے ایک طویل مضمون کا ایک اقتباس یہاں نقل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جس سے حضرت حافظ صاحب کی وسعت علمی کا اندازہ قارئین کو لگانے میں آسانی ہوگی۔ حضرت شیخ صاحب رقم طراز ہیں:۔

"خدا بھلا کرے تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے منتظمین کا کہ سال ۱۹۶۴ء میں ان کی نظر انتخاب حضرت حافظ صاحب پر پڑی۔ حضرت حافظ صاحب اپنی عمر کے آخری سالوں میں بہت بیمار اور ضعیف رہنے لگے تھے ایسی حالت میں آپ نے خطبہء صدارت لکھوایا جو مولانا جلال الدین صاحب شمس نے کانووکیشن کے اجلاس میں پڑھا۔ یہ خطبہء صدارت اردو ادب کا ایک شاہکار' سوز و گداز کا ایک مرقع اور طلبہ کی آئندہ زندگی کے لئے مشعل راہ ہے۔ کانووکیشن میں ایسے خطبات بہت کمیاب ہیں۔ یہ خطبہ اس قابل ہے کہ طلبہ اسے بار بار پڑھیں اس خطبہ سے ظاہر ہے کہ یہ فقیر گوشہ نشین تعلیمی اداروں اور طلبہ کی ضروریات سے ایسا باخبر ہے کہ گویا کسی یونیورسٹی کا اعلیٰ کارکن ہے۔

ہمارا نرم رو قاصد پیام زندگی لایا
خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے

تھے۔یہ تمام جید علماء سلسلہ حضرت حافظ صاحب کا بڑا احترام کرتے تھے اور مقامی حالات کے لحاظ سے دعوت الی اللہ اور تربیتی مہمات میں ان سے مشورہ طلب ہوتے تھے اور حافظ صاحب بکمال شفقت ان کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرماتے لیکن خود بھی ان علماء سلسلہ کا بے حد احترام فرماتے' اور قدر کرتے تھے۔ اور اکثر ان کی گرانقدر خدمات سلسلہ اور کمالات علمیہ کو ہدیہ ء تحسین پیش کرتے رہتے تھے۔

مولانا غلام احمد بدوملہی تو ایک عرصہ تک شاہجہان پور میں "احمدیہ پاکٹ بک" کی ترتیب میں مشغول رہے یہ کام حضرت حافظ صاحب کے قیمتی مشوروں سے پایہ ء تکمیل تک پہنچا۔ مولف کتاب ہذا کو اس عرصے میں مولانا صاحب کو بہت قریب سے دیکھنے اور ان کے مجاہدانہ دینی و تربیتی سرگرمیوں کو مشاہدہ کرنے اور ان سے سبق حاصل کرنے کا زریں موقع میسر آیا۔ میں نے ان سے عربی کی ابتدائی کتب کا درس بھی لیا اور ان کی صحبت میں میرے علمی ذوق نے مزید جلا پائی۔ مکرم ملک نسیم احمد صاحب جوئیہ بی۔اے۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ ڈیرہ غازی خاں اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

"میرے خسر حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس سے حضرت حافظ صاحب بڑی محبت کرتے تھے۔ اور باوجود اپنی بزرگی اور علمی فضیلت کے ان کو "علامہ شمس" کے لقب سے یاد کرتے تھے اور ان کی علمی قابلیت کے بے حد مداح تھے۔ ان کی وفات پر حضرت حافظ صاحب کو دلی صدمہ اور قلق ہوا جس کا ذکر اکثر کرتے رہتے تھے۔ مقدمہ بھاول پور میں جس خوبی سے شمس صاحب مرحوم نے حصہ لیا تھا اس کا تذکرہ اکثر کرتے اور دوستوں کو اس کتاب کے پڑھنے کی ہدایت کرتے۔ حضرت مولانا شمس بھی ان کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے رہتے تھے اور حضرت صاحب سے بڑی عقیدت رکھتے تھے"۔

باب ششم

حضرت حافظ صاحب کا تبحر علمی مشاہیر سلسلہ کی نگاہ میں

(۱) اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو میں محترم شیخ محمد احمد صاحب مظہر کے ایک طویل مضمون کا ایک اقتباس یہاں نقل کردینا ضروری سمجھتا ہوں جس سے حضرت حافظ صاحب کی وسعت علمی کا اندازہ قارئین کو لگانے میں آسانی ہوگی۔ حضرت شیخ صاحب رقم طراز ہیں:۔

"خدا بھلا کرے تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے منتظمین کا کہ سال ۱۹۶۴ء میں ان کی نظر انتخاب حضرت حافظ صاحب پر پڑی۔ حضرت حافظ صاحب اپنی عمر کے آخری سالوں میں بہت بیمار اور ضعیف رہنے لگے تھے ایسی حالت میں آپ نے خطبہ ء صدارت لکھوایا جو مولانا جلال الدین صاحب شمس نے کانووکیشن کے اجلاس میں پڑھا۔ یہ خطبہ ء صدارت اردو ادب کا ایک شاہکار' سوز و گداز کا ایک مرقع اور طلبہ کی آئندہ زندگی کے لئے مشعل راہ ہے۔ کانووکیشن میں ایسے خطبات بہت کمیاب ہیں۔ یہ خطبہ اس قابل ہے کہ طلبہ اسے بار بار پڑھیں اس خطبہ سے ظاہر ہے کہ یہ فقیر گوشہ نشین تعلیمی اداروں اور طلبہ کی ضروریات سے ایسا باخبر ہے کہ گویا کسی یونیورسٹی کا اعلیٰ کارکن ہے۔

ہمارا نرم رو قاصد پیام زندگی لایا
خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے

(۲) چودہری محمد علی صاحب بی۔اے بی ٹی جن کا خدام سلسلہ کی صف میں اپنا ایک منفرد مقام ہے فرماتے ہیں:۔

"حضرت حافظ صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ان کے تبحر علمی کا صحیح اندازہ لگانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔دینی و دنیوی علوم میں کامل دسترس رکھتے تھے۔سلسلہ کی کتب کا وسیع مطالعہ کیا تھا اور ہر ایک کتاب کے مضامین پر پورا پورا عبور تھا۔حوالے کے حوالے ازبر تھے اور عبارتوں کی عبارتیں حفظ تھیں۔حافظہ بھی غضب کا پایا تھا۔پرانے واقعات نہایت صحت کے ساتھ یاد تھے اور اکثر بیان فرمایا کرتے تھے۔آپ ۱۸۹۶ء کے جلسہ مہوتسو (جلسہ ء اعظم مذاہب) میں بھی شریک ہوئے جس کے چشم دید حالات آپ بیان فرمایا کرتے تھے جو نہایت دلچسپ ہوتے تھے۔طرز بیان نہایت دلچسپ اور موثر ہوتا تھا۔اُن کی صحبت میں بیٹھ کر تکان محسوس نہیں ہوتا تھا۔ہر ایک شخص کے مناسب حال گفتگو فرماتے۔اگر کوئی شاعر ہوتا تو شاعری پر بات کرتے اور کلام پر جرح فرماتے۔مجھے حافظ صاحب سے شرفِ تلمذ بھی حاصل تھا۔احمدیت کے شیدائی تھے۔ساری عمر احمدیت کی خدمت میں صرف کردی۔خلافت کا بے حد احترام کرتے تھے۔حضرت خلیفہ ء اول کے بے حد مداح تھے۔اُن کی بزرگی کے قائل اور دیگر مشاہیر احمدیت کو نہایت عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔حضرت حافظ صاحب کا اصل مقام داعی الی الحق کا تھا۔تربیتی وفود جو قادیان سے یو۔پی کے شہروں میں جاتے حضرت حافظ صاحب ان کے ساتھ مامور کئے جاتے۔"

ادب اور فن شعر میں حضرت حافظ صاحب کے کامل الفن ہونے کے متعلق مشاہیر کی آراء

"حضرت حافظ صاحب نے ابتدائے عمر میں ایک واسوخت لکھا تھا جس کی شہرت دور دور تک پہنچی یہاں تک کہ جہاں اُستاد حضرت داغ دہلوی تک اس کا مسودہ پہنچا تو استاد نے خود داد

دی اس سے آپ اس واسوخت کی شعری اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔حضرت داغ نے حضرت حافظ صاحب کو جو پوسٹ کارڈ روانہ کیا تھا وہ راقم الحروف نے خود دیکھا ہے۔کاش کہ اُس وقت اس پوسٹ کارڈ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا تو آج وہ تاریخی یادگار میرے پاس محفوظ ہوتی۔مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس پوسٹ کارڈ پر ملکہ وکٹوریہ کی تصویر تھی اُس پوسٹ کارڈ کی ساری عبارت تو راقم الحروف کو یاد نہیں رہی لیکن یہ فقرہ تو اچھی طرح یاد ہے کہ:۔

"میں آپ کو اس نومشقی میں ایک کہنہ مشق شاعر ہونے کی داد دیتا ہوں"

اس خط میں حضرت داغ نے ایک تاریخی قطعہ بھی رقم فرمایا تھا جس کا ایک مصرعہ جو تاریخی ہے حافظہ میں محفوظ رہ گیا ہے۔وہ مصرعہ یہ تھا۔

عجب لکھا جلا کے جل کے واسوخت

اس مصرعہ میں بحساب ابجد تاریخ موجود ہے۔

جہاں تک میرا حافظہ مدد کرتا ہے مجھے یاد ہے کہ "الفضل" کے خاتم النبیین نمبر کے لئے آپ نے غالباً ۱۹۳۱ء میں ایک طویل نعت لکھی تھی جو ساٹھ ستر اشعار پر مشتمل تھی۔"الفضل" نے بڑے اہتمام کے ساتھ پورے صفحہ پر اسے چھاپا تھا وہ نعت جب عزیز لکھنوی تک پہنچی تو انہوں حضرت حافظ صاحب کو ایک تعریفی خط لکھا اور تحریر کیا کہ میں باوجود پوری کوشش کے اس بحر میں چند اشعار سے زیادہ نہ کہہ سکا۔لیکن آپ نے تو کمال ہی کردیا"۔یہ شاہکار نعت شامل کتاب ہذا ہے۔

جس نادر الوجود واسوخت کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اس کے چند بند ملاحظہ ہوں۔

للہ الحمد کہ پھر فصلِ بہار آپہنچی
اینڈتی جھومتی مانند نگار آپہنچی

رند سو جان سے جس پر ہیں نثار آپہنچی
یہی غل ہے یہی رندوں میں پکار آپہنچی
رنگ میخانہ گلستاں میں جما جاتا ہے
ساغر گل کف بلبل پہ نظر آتا ہے
ہو جو محتاج سند وہ نہیں میری تحریر
جو میرے منہ سے نکل جائے وہ پتھر کی لکیر
غیرت سلک گہر میری مسلسل تقریر
کیوں نہ ہو، پائی ہے کس مہر مبیں سے تنویر
نشہ کیونکر نہ ہو سر میں سخن آرائی کا
نام لیوا ہوں امیر احمد مینائی کا

حضرت حافظ صاحب کے کامل الفن ہونے کے متعلق مشاہیر کی مزید آراء

اب ذرا فارسی اور اردو کے نغز گو اور قادر الکلام شاعر جن کی فارسی دانی کا لوہا اہل زبان بھی مانتے ہیں، حضرت محمد احمد صاحب مظہر کی رائے ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:۔

"حافظ صاحب فن شعر میں کامل اور زبان کے بادشاہ تھے۔ فن شعر میں حضرت امیر مینائی لکھنوی کے شاگرد تھے اور ہمیشہ ان کی زبان پر استاد کے لئے جناب امیر کے الفاظ سنے۔ ہمارے طلبہ کے لئے استادوں کا ادب کرنے میں حافظ صاحب کا یہ طریق قابل تقلید ہے"۔

"جناب امیر کو عام لوگ محض ایک شاعر سمجھتے ہیں لیکن وہ ایک صاحب ارشاد بزرگ تھے۔ بہت بڑے عالم اور فن نعت میں ماہر تھے۔ اور حافظ صاحب بھی فن نعت میں اپنے استاد کی طرح بڑی دستگاہ رکھتے تھے اور الفاظ کے استعمال میں بڑے محتاط تھے اور ہر لفظ پر نظر رکھتے

تھے، اور جب تک شعر کی نوک پلک درست نہ ہو جاتی اس پر مطمئن نہ ہوتے تھے"۔

"حافظ صاحب بڑے ادیب و شاعر تھے اور زبان اردو پر بے نظیر دسترس رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں سلسلہ کی تاریخ، روایات، لٹریچر اور مخالفین کے لٹریچر پر بھی عبور رکھتے تھے۔ اس لئے ہماری جماعت کے اکثر مصنف، مقالہ نگار اور مضمون نویس حافظ صاحب سے استفادہ کرتے تھے۔ اور بہت سی تصانیف حافظ صاحب کی نظر ثانی کی رہین منت ہیں۔ نظر ثانی کرنے میں حافظ صاحب بڑی احتیاط برتتے تھے جس میں مندرجہ ذیل باتیں مدنظر رکھتے تھے:۔

(الف) محاورے اور زبان کا درست استعمال، عبارت سلیس اور رواں
(ب) سلسلہ کی روایات اور تاریخ کا لحاظ رکھا جائے
(ج) کوئی سخت یا دل آزار بات ہو تو اس کی ترمیم یا اصلاح ضرور کرتے
(د) اس بات کو بھی ملحوظ رکھتے کہ پڑھنے والے پر نفسیاتی لحاظ سے کتاب یا مضمون کا کیا اثر ہوگا

آپ کی نظر سے گزری ہوئی تحریر ٹکسالی ہو جاتی۔ ساری عمر اس قسم کی خدمت گوشہ نشینی میں، بیماری اور بڑھاپے کے باوجود بطیب خاطر بجالاتے اور کبھی اپنے کام کا اظہار کسی جگہ نہ کرتے۔ بے نفسی، بے ریائی، بے نیازی اس شمشیر آبدار کے جوہر تھے"۔

اصلاح زبان و بیان میں حضرت حافظ صاحب کو ید طولیٰ حاصل تھا

اب ذرا چودہری علی محمد صاحب بی اے بی ٹی کی رائے بھی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:۔

"حضرت حافظ صاحب سلسلہ کے نوجوان علما اور مصنفین کو قیمتی مشوروں سے نوازا کرتے اور ان کی تربیت فرماتے۔ مکرم شیخ عبدالقادر صاحب مرحوم نے "حیات نورالدین" لکھی تو اس کا مسودہ شروع سے لے کر آخر تک حضرت حافظ صاحب کو سنایا بعد ازاں کتاب طبع کرائی۔ ایسا ہی سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب بخاری شریف کا اردو ترجمہ حضرت

حافظ صاحب کو سنایا کرتے تھے اور پھر طباعت کے لئے پریس میں بھیجتے۔"

حضرت حافظ صاحب کی پہلودار شخصیت اہل علم کی نظر میں

مکرم لطف الرحمن صاحب محمود ایم۔اے سرالیون سے رقم طراز ہیں:۔

"آپ کی (حضرت حافظ صاحب کی۔ مولف) کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی زبان جماعت کے مصنفین کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ تھی۔ جماعت کے علم کلام پر عبور، تاریخ احمدیت سے پوری واقفیت اور زبان دانی کے اسالیب اور رموز پر "اتھارٹی" ہونے کی وجہ سے جماعت کے مصنفین آپ کے گرانقدر مشوروں سے ہمیشہ مستفید ہوتے اور ان کی طرف سے شائع ہونے والی کتب اکثر نظر ثانی کے لئے آپ کے پاس بھیجی جاتیں۔ بڑھاپے اور ضعف کے ایام میں بھی اس دماغ سوز اور محنت طلب کام کو ہمیشہ بڑے انہماک اور استغراق سے انجام دیتے۔ اکثر کتب کے دیباچوں میں حضرت حافظ صاحب کے گرانقدر مشوروں اور نظر ثانی کا ذکر موجود ہے۔ متعدد کتابچے اور رسائل آپ نے خود بھی رقم فرمائے لیکن وہ سب قلمی نام سے شائع ہوتے رہے۔ حضرت حافظ صاحب حافظ قرآن، عالم دین، بلند پایہ شاعر، صاحب طرز ادیب، کامیاب مناظر اور بالغ نظر نقاد ہونے کے علاوہ زبان اردو کی ایک اہم شخصیت بھی تھے۔

باب ہفتم

شاعری میں تلمذ

مکرم لطف الرحمن صاحب محمود، ایم۔اے مزید رقم طراز ہیں کہ:۔

"حضرت حافظ صاحب حضرت امیر مینائی کی یادگار تھے۔ ریاضؔ خیرآبادی اور جناب دلؔ شاہجہانپوری وغیرہ مشہور شعراء اور شاگردان امیر کے خواجہ تاش تھے۔ فخر سے فرمایا کرتے تھے کہ امیر مینائی کے کسی شاگرد نے حضرت اقدس بانیء سلسلہ احمدیہ کی مخالفت نہیں کی اور اپنی زبان اور قلم کو احمدیت کی مذمت سے آلودہ نہیں ہونے دیا اس حقیقت کو بیان کر کے آپ بہت مسرور نظر آتے تھے۔ یہ بھی عشق کی ایک ادا ہے۔ "الفضل" کے خاتم النبیین نمبروں میں حضرت حافظ صاحب کی عشق رسولؐ کے جذبات میں ڈوبی ہوئی نظموں کے علاوہ جناب امیر مینائی کے متعدد شاگردوں کا کلام بھی شائع شدہ موجود ہے۔ جن سے ان اصحاب کے جماعت احمدیہ سے لگاؤ اور حضرت حافظ صاحب سے مخلصانہ تعلق پر بھی روشنی پڑتی ہے۔"

بعض مشاہیر شعراء کے متعلق حضرت حافظ صاحب کا اظہار خیال

غالب کی شاعری اور اس کے مقام اور کلام کے بارے ایک دوست کے استفسار پر فرمایا۔ غالب سب سے بڑا غلط گو شاعر ہے۔ وہ صاحب یہ جواب سن کر حیران رہ گئے۔ اس پر

حضرت حافظ صاحب نے غالب کے متعدد اشعار میں سے فنی اور شعری نقائص گن گن کر بتلائے۔ اس کے بعد خود ہی فرمانے لگے کہ اس کے باوجود غالب سب سے اچھا اور بڑا شاعر ہے اس پر وہ صاحب اور بھی حیرت زدہ ہوئے اور عرض کیا حضرت وہ کس طرح؟ فرمایا' وہ یوں کہ اگر غالب کے تمام غلط اشعار اس کے دیوان سے نکال دیئے جائیں پھر بھی جو اشعار باقی رہ جائیں گے وہ سب شعراء کے کلام پر غالب رہیں گے۔"

ایک مرتبہ حضرت حافظ صاحب کے پاس (شاہجہان پور میں) ان کے ایک عقیدت مند شاعر حاضر ہوئے اور دوران گفتگو کہنے لگے کہ اقبال کی شاعری میں بہت سی خامیاں ہیں لیکن پنجاب والوں کے پاس پریس کی طاقت ہے وہ ان کے کلام کو نمایاں حیثیت دے کر اچھال رہے ہیں۔ حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ "صاحبزادے! شاید آپ کا خیال ہے کہ آپ اقبال کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں جو یہ انوکھی دریافت میرے پاس لائے ہیں۔ پھر اسی نشست میں اقبال کے چند اشعار سے لفظی و معنوی خامیاں بیان کیں جن میں سے ایک بطور نمونہ یہاں درج کی جاتی ہے۔ اقبال کا مشہور شعر ہے۔

مرا سجدہ سہو میں پڑ گیا میں قضا کہوں کہ ادا کہوں
تری یاد نے یہ غضب کیا کہ ستایا آ کے نماز میں

فرمایا کہ سجدۂ سہو تو اسی حالت میں کیا جاتا ہے جب نماز میں کوئی بھول ہو جائے۔ جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے لیکن اقبال کا جو سجدہ یاد یار نے سہو میں ڈال دیا وہ سجدہ سہو نہیں بلکہ وہ بھول تھی جس کے یاد آنے کے بعد سجدہ سہو لازم تھا جو کیا نہیں گیا اس لئے اس پر نہ قضا کا اطلاق ہو سکتا ہے اور نہ ادا کا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اقبال بھی دوسرے شاعروں کی طرح انسان تھے اور انہوں نے کہیں پر یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میرا کلام تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ پھر فرمایا کہ اقبال کی مادری زبان اردو نہیں تھی اس کے باوجود اس نے اردو زبان کے دامن میں فصاحت و بلاغت کے جو موتی بکھیرے ہیں وہ اگرچہ اردو زبان میں

عدیم المثال نہیں لیکن اہل زبان کے لئے ایک انمول اور بے بہا خزانہ کی حیثیت ضرور رکھتے ہیں۔

بعض دیگر دلچسپ واقعات

شاہجہان پور کی جامع مسجد سعیدیہ کے پیش امام مولوی نور احمد صاحب رات کی تاریکی میں لوگوں سے چھپتے چھپاتے حضرت حافظ صاحب کے پاس آیا کرتے تھے اور گھنٹوں تبادلہ خیال کرتے تھے۔ لیکن چند ہی ملاقاتوں کے بعد حضرت حافظ صاحب کی دلچسپ صحبت نے رفتہ رفتہ وہ خوف دل سے نکال دیا اور طبیعت میں دلیری پیدا ہوئی تو دن کے اجالے میں بھی آنے لگے۔ مولوی صاحب کی اس قلب ماہیئت نے حضرت حافظ صاحب کے سمند طبع پر تازیانے کا کام دیا اور آپ کی جولانیء طبع اس نظم کو معرض وجود میں لے آئی۔

نرالا مست ہوں زاہد بھی مشتاقانہ آتا ہے
کبھی چھپ چھپ کے آتا تھا اب آزادانہ آتا ہے
ہوائے آب و دانہ میں جو اڑتے ہیں تو اڑنے دو
مرے لب تک تو خود اڑ اڑ کے اک اک دانہ آتا ہے
نکل آیا ہے موقع آپ بیتی کیوں نہ کہہ ڈالوں
یہ فرمائش ہوئی ہے کیا کوئی افسانہ آتا ہے

بعض ادبی نکتے

شاہجہان پور میں زمانہ طالب علمی میں مولف کتاب ہذا ایک مرتبہ دیوان ناسخ لکھنوی کا مطالعہ کر رہا تھا لیکن باوجود تلاش بسیار راقم الحروف کو اس دیوان میں کوئی خوبصورت شعر نہ مل سکا۔ حضرت حافظ صاحب اس وقت اپنے مکان کے صدر دالان میں تشریف فرما تھے اور

حضرت حافظ صاحب نے غالب کے متعدد اشعار میں سے فنی اور شعری نقائص گن گن کر بتلائے۔ اس کے بعد خود ہی فرمانے لگے کہ اس کے باوجود غالب سب سے اچھا اور بڑا شاعر ہے اس پر وہ صاحب اور بھی حیرت زدہ ہوئے اور عرض کیا حضرت وہ کس طرح؟ فرمایا 'وہ یوں کہ اگر غالب کے تمام غلط اشعار اس کے دیوان سے نکال دیئے جائیں پھر بھی جو اشعار باقی رہ جائیں گے وہ سب شعراء کے کلام پر غالب رہیں گے۔"

ایک مرتبہ حضرت حافظ صاحب کے پاس (شاہجہان پور میں) ان کے ایک عقیدت مند شاعر حاضر ہوئے اور دوران گفتگو کہنے لگے کہ اقبال کی شاعری میں بہت سی خامیاں ہیں لیکن پنجاب والوں کے پاس پریس کی طاقت ہے وہ ان کے کلام کو نمایاں حیثیت دے کر اُچھال رہے ہیں۔ حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ "صاحبزادے! شاید آپ کا خیال ہے کہ آپ اقبال کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں جو یہ انوکھی دریافت میرے پاس لائے ہیں۔ پھر اُسی نشست میں اقبال کے چند اشعار سے لفظی و معنوی خامیاں بیان کیں جن میں سے ایک بطور نمونہ یہاں درج کی جاتی ہے۔ اقبال کا مشہور شعر ہے۔

مرا سجدہ سہو میں پڑ گیا میں قضا کہوں کہ ادا کہوں
تری یاد نے یہ غضب کیا کہ ستایا آ کے نماز میں

فرمایا کہ سجدۂ سہو تو اُسی حالت میں کیا جاتا ہے جب نماز میں کوئی بھول ہو جائے۔ جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے لیکن اقبال کا جو سجدہ یاد یار نے سہو میں ڈال دیا وہ سجدہ سہو نہیں بلکہ وہ بھول تھی جس کے یاد آنے کے بعد سجدہ سہو لازم تھا جو کیا نہیں گیا اس لئے اس پر نہ قضا کا اطلاق ہو سکتا ہے اور نہ ادا کا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اقبال بھی دوسرے شاعروں کی طرح انسان تھے اور انہوں نے کہیں پر یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میرا کلام تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ پھر فرمایا کہ اقبال کی مادری زبان اردو نہیں تھی اس کے باوجود اس نے اردو زبان کے دامن میں فصاحت و بلاغت کے جو موتی بکھیرے ہیں وہ اگرچہ اردو زبان میں

عدیم المثال نہیں لیکن اہل زبان کے لئے ایک انمول اور بے بہا خزانہ کی حیثیت ضرور رکھتے ہیں۔

بعض دیگر دلچسپ واقعات

شاہجہان پور کی جامع مسجد سعیدیہ کے پیش امام مولوی نور احمد صاحب رات کی تاریکی میں لوگوں سے چھپتے چھپاتے حضرت حافظ صاحب کے پاس آیا کرتے تھے اور گھنٹوں تبادلہ خیال کرتے تھے۔ لیکن چند ہی ملاقاتوں کے بعد حضرت حافظ صاحب کی دلچسپ صحبت نے رفتہ رفتہ وہ خوف دل سے نکال دیا اور طبیعت میں دلیری پیدا ہوئی تو دن کے اجالے میں بھی آنے لگے۔ مولوی صاحب کی اس قلب ماہیئت نے حضرت حافظ صاحب کے سمند طبع پر تازیانے کا کام دیا اور آپ کی جولانیء طبع اس نظم کو معرض وجود میں لے آئی۔

نرالا مست ہوں زاہد بھی مشتاقانہ آتا ہے
کبھی چھپ چھپ کے آتا تھا اب آزادانہ آتا ہے
ہوائے آب و دانہ میں جو اڑتے ہیں تو اڑنے دو
مرے لب تک تو خود اڑ اڑ کے اک اک دانہ آتا ہے
نکل آیا ہے موقع آپ بیتی کیوں نہ کہہ ڈالوں
یہ فرمائش ہوئی ہے کیا کوئی افسانہ آتا ہے

بعض ادبی نکتے

شاہجہان پور میں زمانہ طالب علمی میں مولف کتاب ہذا ایک مرتبہ دیوان ناسخ لکھنوی کا مطالعہ کر رہا تھا لیکن باوجود تلاش بسیار راقم الحروف کو اس دیوان میں کوئی خوبصورت شعر نہ مل سکا۔ حضرت حافظ صاحب اس وقت اپنے مکان کے صدر دالان میں تشریف فرما تھے اور

راقم الحروف اسی دالان کی مشرقی صحنچی میں کرسی پر کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ اچانک حضرت حافظ صاحب نے سوال کیا کہ کون سی کتاب زیر مطالعہ ہے۔ عرض کیا کہ دیوان ناسخ دیکھ رہا ہوں لیکن اس میں ابھی تک کوئی کام کا شعر نظر نہیں آیا فوراً" فرمایا' اچھا! ناسخ کے کلام میں کوئی کام کا شعر نظر نہیں آیا؟ غور سے دیکھو گے تو تم کو یہ شعر اسی کتاب میں مل جائے گا۔

دست سوال سینکڑوں عیبوں کا عیب ہے
جس ہاتھ میں یہ عیب نہ ہو دست غیب ہے

پھر فرمایا کہ استاد ناسخ نے صحت زبان و سلاست بیان پر زیادہ زور دیا ہے اور ساری عمر نگار اردو کی زلفیں سنوارنے اور نوک پلک درست کرنے میں گزار دی۔

ایک دوسرے موقع پر جبکہ راقم الحروف کلیات اکبر الٰہ آبادی کا مطالعہ کر رہا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جب راقم الحروف مختلف مشاہیر شعراء کے ہم مفاہیم اشعار جمع کر رہا تھا۔ کلیات اکبر الٰہ آبادی کے ایک شعر کے سامنے حاشیہ پر میں نے "غالب" لکھ دیا تھا۔ حضرت حافظ صاحب نے غیر ارادی یا ارادی طور سے وہ کتاب میری میز سے اٹھا کر ورق گردانی شروع کردی۔ اور جب ایک جگہ حاشیہ پر غالب لکھا ہوا پایا تو فرمایا کہ حاشیہ پر غالب لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ میں نے عرض کیا کہ مختلف شعراء نے ایک ہی مفہوم کو اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ میں ایسے اشعار جمع کر کے ایک مضمون تیار کرنا چاہتا ہوں۔ اکبر الٰہ آبادی کے جس شعر کے سامنے حاشیہ پر میں نے غالب لکھ دیا تھا' وہ یہ ہے۔

اپنے غم خانے کا دروازہ کرو بند اکبر
اب سوا موت کے کوئی نہیں آنے والا

حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ اس مفہوم کا غالب کا کون سا شعر ہے۔ میں نے شعر پڑھا۔

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

جب میں نے یہ شعر پڑھا تو حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ کس کا شعر مفہوم و معنویت کے لحاظ سے بلند ہے میں نے عرض کیا کہ اکبر الٰہ آبادی کا۔ ارشاد ہوا کس طرح؟ اس پر میں نے عرض کیا کہ غالب موت کو منجملہ از بلیات تصور کرتے ہیں جب کہ اکبر الٰہ آبادی اسے غم و اندوہ سے نجات دینے والا فرشتہ قرار دیتے ہیں۔ پھر غالب کے شعر میں ایک اور بھی معنوی سقم ہے اور وہ یہ کہ انہیں کیا معلوم کہ ان کو مرگ ناگہاں کا سامنا کرنا پڑے گا یا طویل بیماری سے تنگ آکر موت کا انتظار کرنا پڑے گا۔ میرے جواب پر حضرت حافظ صاحب نے خوشنودی کا اظہار فرمایا اور اپنے محترم استاد حضرت امیر مینائی کا ایک شعر سنایا جو اسی مفہوم کا حامل اور فلسفہء موت پر حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ فرمایا۔

مدت سے امیر اس کے ملنے کی تمنا تھی
آج اس نے بلایا ہے لینے کو قضا آئی

حضرت امیر نے تو اس شعر میں کمال ہی کردیا۔ غالب نے جس "موت" کو "بلا" قرار دیا تھا' اور اکبر الٰہ آبادی نے جس کا قبلہ درست کرتے ہوئے' اسے دنیوی مصائب و آلام سے نجات دلانے والا فرشتہ ٹھہرایا تھا اسی "موت" کو حضرت امیر نے اپنی بصیرت و عرفان سے محبوب حقیقی کا پیام بر اور وصال یار کے حصول کا زینہ بنا دیا۔

ایک مرتبہ حضرت حافظ صاحب کے پاس ایک شاعر صاحب تشریف لائے اور عرض کیا کہ حضور! بیباک میاں نے ایک مطلع کہا ہے جس کا مفہوم میری سمجھ میں نہیں آیا اور کوئی دوسرا شاعر بھی مجھے اس کا حل نہ بتا سکا۔ شعر کیا ہے۔ کوئی چیستان یا معمہ ہے۔ حضرت حافظ صاحب کے استفسار پر ان شاعر صاحب نے یہ شعر پڑھا۔

کچھ عجب عالم ہے جذب حسن جاناں دیکھ کر
محو ہوں میں نکہتِ گل کو پریشاں دیکھ کر

حضرت حافظ صاحب نے شعر سنتے ہی برجستہ فرمایا کہ اس شعر میں چیستان یا معمہ والی تو کوئی بات نہیں۔ مطلب صاف ہے بیباک میاں فرماتے ہیں کہ نکہت گل کی پریشانی پر جب میں نے غور کیا تو اس کا سبب میری سمجھ میں آگیا اور وہ یہ کہ خوشبو کا مسکن تو پھول ہے لیکن جب ہمارا گلعذار محبوب اپنا پھول جیسا خوبصورت چہرہ لے کر چمن میں پہنچا تو اسکے جذب حسن نے خوشبو کو اپنے مسکن سے باہر آنے پر مجبور کیا اور اس کشاکش میں خوشبو کسی ایک مقام پر قائم نہ رہ سکی بلکہ منتشر ہو کر سارے چمن میں پھیل گئی۔ اسی مفہوم کا حضرت داغ کا بھی ایک شعر ہے۔ فرماتے ہیں۔

رخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اِدھر آتا ہے دیکھیں یا اُدھر پروانہ جاتا ہے

حضرت فضل عمر کے بچپن کا ایک تاریخی واقعہ

مکرم عبدالواحد صاحب نائب ناظر اصلاح و ارشاد اس واقعہ کے راوی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت حافظ صاحب نے فرمایا۔ "ایک دن میں اور حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب بیت الاقصیٰ سے آرہے تھے۔ کوچہ بندی میں سے گزر کر جب مولوی غلام رسول صاحب پٹھان کی دوکان کے پاس پہنچے تو وہاں کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ فرمایا ان بچوں میں ہمارے میاں فضل عمر بھی تھے جو صرف ایک قمیض میں تھے۔ حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب وہیں اکڑوں ہو کر بیٹھ گئے اور میاں کی دونوں بغلوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑا کر لیا اور فرمایا۔ میاں تم بھی......! ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ میاں نے کیا برجستہ جواب دیا "ہاں! جب ہم

بڑے ہوں گے تو ہم بھی کام کریں گے"۔ حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا "خیال تو تمہارے پیو کا بھی یہی ہے" اس وقت (حافظ صاحب فرماتے ہیں) ہمیں "پیو" کے معنی سمجھ نہ آئے۔ بعد میں علم ہوا "پیو" باپ کو کہتے ہیں۔ اور پھر میاں نے خوب کام کر کے دکھایا"۔

اسی سلسلے میں محترم عبدالشکور صاحب ریڈیو الیکٹرک سینٹر ملتان چھاؤنی کی ایک روایت اس طرح ہے:۔

"حضرت حافظ صاحب وہ خوش قسمت بزرگ ہیں جن کے بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب (---) خود چل کر ان کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے اور حضرت حافظ صاحب بھی آپ کی آمد کی قدر و قیمت کو خوب سمجھتے تھے اور اس سے حظ بھی اٹھایا کرتے تھے۔ حضرت میاں صاحب (---) کے وصال کے بعد ایک مرتبہ آپ نے حضرت میاں صاحب کے ایک پرانے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میں تو حضرت کی دلفریب مسکراہٹ کا دیوانہ تھا کوشش کر کے ایسی بات کرتا کہ آپ مسکرادیں اور میں بیخود ہو جاؤں۔ کیونکہ آپ کی مسکراہٹ میں مجھے حضرت مسیح پاک (---) کی مسکراہٹ کی جھلک نظر آتی تھی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت میاں (بشیر احمد) صاحب (---) احمدیہ چوک قادیان میں چند خدام کے ساتھ کھڑے تھے۔ یہ خادم (حضرت حافظ صاحب) بھی ذرا ہٹ کر کھڑا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ حضرت (میاں بشیر احمد) نے دو تین بار گوشہ ءِ چشم سے میری طرف دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ کچھ ارشاد فرمانا چاہتے ہیں۔ میں قریب ہو گیا۔ فرمایا "حافظ صاحب آپ کی عمر کتنی ہو گی۔ میں تو جب سے یاد پڑتا ہے آپ کو ایسا ہی دیکھتا چلا آتا ہوں"۔ میں نے (حضرت حافظ صاحب نے۔ مولف) عرض کیا حضور! عمر کا اندازہ فرمالیں کہ اس غلام نے اپنے آقا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو اسی جگہ جہاں آپ کھڑے ہیں، تین چار سال کی عمر میں دیکھا ہے کہ اتنے میں حضرت حکیم مولانا نورالدین

صاحب (---) تشریف لائے۔ آپ اکڑوں بیٹھنے کے خلاف تھے مگر فرط محبت سے بے ساختہ زمیں پر اکڑوں بیٹھ گئے اور بازوؤں میں حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کو لے لیا اور فرمایا "میاں! آپ کام کاج تو کرتے نہیں۔ سارا دن بس کھیلتے ہی رہتے ہیں۔" کس شوکت سے میرے امام نے جواب دیا "جب ہم بڑے ہوں گے تو ہم بھی کام کریں گے"۔

حضرت مولانا نور الدین تو جیسے یہ سن کر کہیں کھو گئے فرمایا:۔

"خیال تو تمہارے پیو کا بھی یہی ہے اور نور الدین کا بھی۔ واللہ علم بالصواب۔"

اب ہم سوچ میں ڈوب گئے۔ باقی تو کچھ پلے پڑ گیا مگر یہ "پیو" سمجھ میں نہ آیا۔ آخر کسی دوست نے بتایا کہ پنجابی میں "پیو" باپ کو کہتے ہیں۔ تب ہم تہہ کو پہنچے۔ حضرت قمرالانبیاء نے یہ سنا تو تبسم فرمایا اور ہم سیر ہو گئے"۔

مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق حضرت مسیح موعود کا دوٹوک فیصلہ

مکرم عبدالواحد صاحب فرماتے ہیں:۔

"یہ ۲۹ جون ۱۹۶۵ء کی بات ہے۔ حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت بانیء سلسلہ کی مجلس میں ایک شخص نے جس کا نام صوفی علی محمد یا محمد علی تھا اجازت چاہی کہ انہیں بھی تقریر کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضور اقدس نے اجازت عطا فرمائی۔ انہوں نے بانی سلسلہ کی ایک کتاب کے اقتباس پڑھ کر وحدت الوجود پر بڑی برجستہ اور موثر تقریر کی۔ ہم کہتے تھے کہ حضور وحدت الوجود کے قائل نہیں پھر یہ کیا بات ہے؟ تقریر ختم ہوئی تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس مسئلہ کا ذکر تو اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں فرمادیا ہے۔ یہ کہہ کر سورہ فاتحہ کی پہلی آیت پڑھی۔ حضور کا اتنا فرمانا تھا کہ صوفی علی محمد چیخ مار کر حضور کے قدموں میں گر پڑے اور پکارنے لگے 'میں مارا گیا' میں برباد ہو گیا۔ حضور نے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر تسلی دی اور فرمایا کہ جو پہلے گزر چکا اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ جب حضرت مسیح موعود (---) نے سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت پڑھی تو ہمارے پلے کچھ نہ پڑا۔ صوفی علی محمد صاحب چونکہ صوفی تھے وہ اس امر کو فوراً سمجھ گئے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت اقدس نے یہ آیت پڑھ کر وحدت الوجود کا رد فرمایا ہے کہ رب، عالمین سے جدا ہے۔

حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ ہم نے دو شخصوں کے متعلق دیکھا جن کے سر پر حضور اقدس نے شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ ایک یہی صوفی علی محمد صاحب اور دوسرے خان ذوالفقار علی خاں صاحب۔



باب ہشتم

یادِ رفتگاں و غمِ عزیزاں

مکرم چودہری عبدالواحد صاحب نائب ناظر اصلاح و ارشاد تحریر کرتے ہیں کہ حضرت میاں بشیر احمد صاحب وفات پا گئے۔ جنازہ مقبرہ بہشتی کی طرف جا رہا تھا۔ حضرت حافظ صاحب اپنے کمرے سے نکل کر باہر برآمدے میں کھڑے رہے تا آنکہ حضرت میاں صاحب کی تدفین ہو گئی۔ بعد تدفین لوگ واپس ہونا شروع ہوئے۔ حافظ صاحب اسی حالت غم زدگی میں کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گئے۔ رات بھر نیند نہیں آئی۔ صبح تک تین سو شعر کہہ دئے۔ صبح کو جب حضرت حافظ صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اپنی ساری کیفیت سنائی اور کہا صبح ثاقب زیروی صاحب آئے تھے۔ کچھ اشعار طلب کئے۔ میں نے کہا ان اشعار میں سے چن لو۔

حضرت حافظ صاحب کی عمر کے متعلق ایک اور شہادت

حافظ صاحب کسی کو اپنی عمر نہیں بتایا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت میاں عزیز احمد صاحب نے پوچھا۔ حافظ صاحب آپ کی عمر کیا ہے۔ حافظ صاحب نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولے۔ جب بانیء سلسلہ ہوشیار پور میں چلہ کر رہے تھے تو ہم بھی وہاں ایک کمرے میں رہا کرتے تھے۔ ایک دن وہاں دو لمبے تڑنگے جوان آئے۔ ایک نے تو اچکن پہنی ہوئی تھی اور سر پر ترکی ٹوپی تھی' اس کو تو میں جانتا ہوں دوسرے کو نہیں پہچانتا تھا میں نے حضرت

میاں بشیر احمد صاحب سے دریافت کیا۔ حضرت وہ دوسرا شخص کون تھا؟ حضرت میاں عزیز احمد صاحب نے فرمایا' حافظ صاحب آپ نے اپنی عمر تو پھر بھی نہیں بتائی۔ مسکرا کر کہنے لگے۔ میاں خاموش رہو۔ فرشتے نے سن لیا تو کہے گا کہ یہ بڈھا ابھی تک یہیں ہے۔

بابو فضل احمد بٹالوی کو حضرت حافظ صاحب سے بڑی عقیدت تھی۔ حافظ صاحب بھی ان سے بہت انس رکھتے تھے۔ بابو صاحب فوت ہو گئے۔ ان کی وفات کی خبر اچانک سن کر چونک اُٹھے اور فرمایا "بابو صاحب فوت ہو گئے' وہ تو مجھ سے تیس سال چھوٹے تھے۔ حضرت حافظ صاحب کی عمر کا مسئلہ حل کرنے میں یہ بات بہت ممد ثابت ہوئی اور پتہ چل گیا کہ آپ نے سو سال سے اوپر عمر پائی۔ حضرت حافظ صاحب نے ۸ جنوری ۱۹۶۹ء کو وفات پائی ان کا وصیت نمبر ۱۴۸۰۲ ہے اور بہشتی مقبرے کے قطعہ خاص میں مدفون ہیں۔

(اقتباس از مضمون رقم کردہ مکرم چودھری عبدالواحد صاحب نائب ناظر اصلاح و ارشاد مطبوعہ روزنامہ الفضل ۱۷ جولائی ۵۹ء)

اپنی وفات کی خبر حضرت حافظ صاحب کو قبل از وقت مل گئی تھی

حضرت حافظ صاحب نے ایک ملاقات میں دوران گفتگو فرمایا:۔

"بیٹا! میں سیدھا جنت میں جاؤں گا۔ لیکن اپنے اعمال کے بل پر نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے۔ حضرت حافظ صاحب کی تمام عمر اعلاء کلمتہ الحق' خدمت دین اور خلق خدا کی خدمت میں گزری جیسا کہ اوپر بیان کردہ شہادتوں سے واضح ہے لیکن اوپر کے جملے میں آپ نے ہمیں نصیحت فرمائی ہے کہ بھول کر بھی اپنی خدمات پر ناز نہ کرنا بلکہ خدمات دین کی توفیق کو بھی محض فضل الٰہی جانو اور اسی کے فضل پر بھروسہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے کشف و رویا کے ذریعہ آپ کو جنت کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنی وفات سے چند روز قبل فرمایا:۔

"ہمیں مرنے کا کوئی ڈر نہیں' ہمارا ٹھکانہ تو بہشت ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں تسلی دی

ہے کہ دوزخ کی آگ تم پر حرام ہے۔ پھر ہمیں موت سے کیا خوف ہو سکتا ہے"۔

(بحوالہ روزنامہ "الفضل" ۹ر فروری ۱۹۶۹ء)

عرض مولف کتاب ہذا

میرے مہربان و شفیق مربی، میرے قابل صد احترام استاد، سلسلہ ء احمدیہ کے مخلص و دیرینہ خادم، جید عالم، عظیم شاعر، منفرد ادیب و نقاد، ساری عمر دعوت الی اللہ اور خدمت انسانیت میں گزار دینے والے بے نفس اور درویش صفت بزرگ حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہان پوری ایک سو دس سال کی طویل اور فعال زندگی گزار کر ۸ جنوری ۱۹۶۹ء بروز بدھ بوقت چھ بجے شام اپنے مولائے حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے (---) ہم اسی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی۔

خبر وفات

حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہان پوری وفات پا گئے (---) ہم اسی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

ربوہ۔ ۹ صلح --- نہایت افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ حضرت (---) بانی سلسلہ ء احمدیہ کے قدیمی اور مخلص رفیق، نامور بزرگ حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہان پوری ۸ ماہ صلح ۱۳۴۸ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۶۹ء بروز بدھ بوقت چھ بجے شام وفات پا گئے (---) ہم اسی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

نماز جنازہ آج بعد نماز ظہر ادا کی جائے گی جس کے بعد تدفین عمل میں آئے گی۔ احباب

جماعت دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ حضرت حافظ صاحب کے جنت الفردوس میں درجات بلند کرے اور آپ کو اپنے خاص مقام قرب سے نوازے۔ آمین

(منقول از اخبار "الفضل" مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۶۹ء)

بعد وفات اور تدفین سے قبل کے مراحل

حضرت حافظ صاحب موصی تھے۔ آپ کی وفات پر مقبرہ بہشتی کے اراکین نے حضرت حافظ صاحب کا حساب چیک کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت حافظ صاحب کے ذمہ حصہ آمد کا دوسو (۲۰۰) روپیہ ہے یہ معاملہ صدر انجمن احمدیہ میں پیش ہوا۔ اس رقم کی ادائیگی کی جو صورت تجویز ہوئی، از روئے قواعد حضرت صاحب (قدرت ثانیہ کے تیسرے مظہر) کی منظوری حاصل کرنا ضروری تھی۔ محترم صدر صاحب صدر انجمن احمدیہ نے وہ تجویز مکرم مولانا ابو العطاء صاحب (---) کے سپرد کی تاکہ وہ حضرت صاحب سے منظوری حاصل کرلیں۔ مولوی صاحب (---) جب حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا کہ حضرت حافظ صاحب مرحوم کے ذمہ دوسو روپیہ حصہ واجب الادا ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اپنی جیب سے دوسو روپیہ نکال کر مولوی صاحب کو دیتے ہوئے فرمایا کہ حضرت حافظ صاحب کے ذمہ کوئی بقایا نہیں اور اس سلسلے میں کسی رزولیوشن کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ چنانچہ یہ رقم حضرت حافظ صاحب کے کھاتہ میں درج کردی گئی اور بقایا صاف ہو گیا۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت صاحب کو سلسلہ کے دیرینہ خدام کے ساتھ کیسا قلبی تعلق تھا اور حضور کے دل میں حضرت حافظ صاحب کی کتنی محبت اور قدر تھی۔ حضور کے خاص ارشاد سے حضرت حافظ صاحب کو بہشتی مقبرے کے قطعہ خاص میں دفن کیا گیا۔

(منقول از روزنامہ "الفضل" مورخہ ؟ ر فروری ۱۹۶۹ء - یہ واقعہ حضرت مولانا ابو العطاء صاحب کے مضمون سے اخذ کیا گیا ہے)

تدفین

حضرت حافظ صاحب نے ساری عمر عہد بیعت کو پوری طرح نبھایا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو اس کا اجر عظیم اس دنیا میں بھی عطا فرمایا اور آخرت میں بہشت کی خوش خبری سنائی۔ دنیوی زندگی میں آپ کو درویشی میں شاہی کا اعزاز عطا فرمایا اور ساری عمر آپ کی کفالت فرمائی۔ ان کی زندگی میں کوئی ایسی ضرورت نہ تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے پورا نہ کر دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے علم و معرفت کا وہ خزانہ آپ کو عطا فرمایا تھا جس کے سامنے دنیا کی ہر نعمت ہیچ نظر آتی ہے۔ آپ نے علم سے بھرپور استفادہ کیا اور اس کے بدلے میں کوئی اجر طلب نہ کیا۔ بعد وفات بھی اللہ تعالیٰ نے جس اعزاز کے ساتھ آپ کو آپ کی آخری آرام گاہ میں پہنچایا وہ ہر دیندار کے لئے قابل رشک ہے۔ آپ کی تدفین کا حال ہم روزنامہ "الفضل" مورخہ ۱۱ جنوری ۱۹۶۹ء کے پرچہ کی وساطت سے آپ تک پہنچاتے ہیں:۔

مورخہ ۹ جنوری ۱۹۶۹ء کو عصر کی نماز کے بعد حضرت صاحب (قدرت ثانیہ کے تیسرے مظہر، حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب) نے خود تشریف لے جا کر آپ کی نماز جنازہ پڑھائی جس میں لاہور اور سرگودھا تک کے احباب آکر شریک ہوئے۔ نماز جنازہ کے بعد حضور نے ازراہ شفقت جنازے کو کندھا دیا۔ آپ کا جنازہ اس قطعہ خاص میں لایا گیا جو حضرت بانیء سلسلہ کے بزرگ اور نامور رفقاء کے لئے مخصوص ہے۔ تابوت کو قبر میں اتارنے میں علماء سلسلہ کے علاوہ خود حضرت اقدس نے بھی حصہ لیا قبر تیار ہونے پر حضرت اقدس نے دعا کرائی جس میں جملہ احباب شریک ہوئے۔"

حضرت حافظ صاحب کی وفات حسرت آیات پر حضرت امام جماعت احمدیہ کا اظہار تعزیت

حضرت حافظ صاحب کی وفات حسرت آیات پر حضرت امام جماعت احمدیہ (قدرت ثانیہ کے تیسرے مظہر) ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ میں نہایت پر سوز الفاظ میں اظہار تعزیت فرمایا

۱۰ جنوری ۱۹۶۹ء کو الیبت المبارک میں حضور اقدس نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"ہماری جماعت کے ایک اور سردار حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کل ہم سے جدا ہو گئے (---) آپ ایک بے نفس خدمت کرنے والے بزرگ تھے جنھوں نے بیماری کی حالت میں بھی بظاہر ایک مختصر سی دنیا میں جو ان کے ایک کمرے پر مشتمل تھی دعوت الی اللہ اور تربیت کا ایک وسیع میدان پیدا کر دیا تھا۔ آخر وقت تک آپ کا ذہن بالکل صاف اور حافظہ پوری طرح کام کرنے والا رہا۔ آپ اس قدر دعوت الی اللہ کرنے والے اور اس رنگ میں تربیت کرنے والے بزرگ تھے کہ ہماری جماعت میں کم ہی اس قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ہماری زندگی کے لمحات، ہمارے اموال، ہماری خواہشات، ہمارے جذبات اور ہمارے آرام سب کچھ اسی کے حضور پیش ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ایک دن ہم اس کے حضور پیش ہوں گے تو وہ ہماری ان حقیر کوششوں کی بہت جزا دے گا۔ اللہ کرے ہمارے اس بزرگ بھائی کو جو اپنے آقا کے پاس پہنچ گیا ہے احسن جزا ملے اور خدا کرے کہ ہم بھی (اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی) اس کے فضلوں کے وارث بنیں۔ حضرت حافظ صاحب کی وفات پر میں نے بہت دعا کی کہ اے میرے رب غلبہ ءدین کی جو مہم تو نے حضرت اقدس (بانی

سلسلہ احمدیہ - مولف) کے ذریعہ جاری کی ہے' اس کی سرحدوں میں وسعت پیدا ہو رہی ہے' ہمارے کام بڑھ رہے ہیں اور ہماری ضرورتیں زیادہ ہو رہی ہیں ہمیں حضرت حافظ صاحب جیسے ایک نہیں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں فدائی اور دین کے جاں نثار چاہئیں۔ تو اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا کردے کہ جہاں جہاں اور جس قدر دین کی ضرورت تقاضہ کرے تیرے فضل سے (---) دین کو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی ملتے رہیں تا تکمیل اشاعت ہدایت یعنی دین حق کی اشاعت کی تکمیل کا جو زمانہ آج پیدا ہوا ہے اس زمانے کے تقاضوں کو جماعت پورا کرتی رہے اور (---) دین حق ساری دنیا میں غالب آجائے۔"

(منقول از روزنامہ "الفضل" مورخہ ۲۵ فروری ۱۹۶۹ء)

ادارہ "الفضل" کا حضرت حافظ صاحب کی وفات پر اظہار تعزیت

۱۱ جنوری ۱۹۶۹ء کے "الفضل" میں جو تعزیتی الفاظ شائع ہوئے وہ یہاں نقل کئے جاتے ہیں:-

"ادارہ "الفضل" حضرت حافظ صاحب ایسے علم دوست' فیض رساں اور نافع الناس بزرگ کی رحلت پر دلی غم والم کا اظہار کرتے ہوئے آپ کے جملہ لواحقین سے دلی ہمدردی اور تعزیت کا اظہار کرتا ہے اور دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت حافظ صاحب کے جنت الفردوس میں درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں آپ کو خاص مقام قرب سے نوازے نیز آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اسے اپنے فضل سے پر فرمادے اور جماعت میں ایسے فیض رساں اور نافع الناس وجود بکثرت پیدا ہوتے رہیں۔ آمین اللھم آمین"۔

ماہنامہ "خالد" ربوہ کا اظہار تعزیت

مرکز سلسلہ کے ماہنامہ "خالد" نے بھی حضرت حافظ صاب کی وفات پر تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی بے لوث خدمات سلسلہ کو اس طرح خراج تحسین پیش کیا:-

"سلسلہ کے جلیل القدر خادم اور بے نفس مربی حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری نے ۸ جنوری کو اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی (---) حضرت حافظ صاحب کی وفات سے جماعت میں جو خلاء پیدا ہوا ہے اسے اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے پر فرما سکتا ہے"۔

(ماہنامہ "خالد" فروری ۱۹۶۹ء)

حضرت مولانا ابو العطاء کا خراج تحسین و اظہار عقیدت

حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جنھوں نے حضرت حافظ صاحب کو بہت قریب سے دیکھا اور ان کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو پرکھا تھا' اپنے ایک طویل مضمون میں جو ۳۰ جنوری ۱۹۶۹ء کے "الفضل" میں اشاعت پذیر ہوا' اپنی تعزیت کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:-

قصہ مختصر یہ کہ حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری جماعت کے ایک زبردست ستون تھے' ایک برگزیدہ شخصیت تھے' جماعت کے اصلاح و ارشاد کے کام کا ایک مرکز تھے۔ جماعت کی ادبی زندگی کی روح رواں تھے۔ سلسلہ کے لئے ایک دردمند دل رکھنے والے بزرگ تھے۔ آپ کی وفات سے بڑا خلاء پیدا ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات جنت الفردوس میں بلند فرمائے اور جماعت کو ایسے مخلص کارکنوں سے ہمیشہ نوازتا رہے۔ آمین اللھم آمین۔"

اس کے علاوہ بھی سلسلہ کے اخبارات و رسائل نے حضرت حافظ صاحب کی وفات پر اظہار تعزیت اور اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کیا اور آپ کی وفات کو سلسلہ کے لئے نقصان عظیم قرار دیا گیا۔ حضرت حافظ صاحب کی وفات کے بعد آپ کے مداحین و معتقدین نے دل کھول کر آپ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ علاوہ ازیں احمدی شعراء نے بھی حضرت حافظ صاحب کی وفات پر تعزیتی نظمیں لکھیں اور خراج عقیدت پیش کیا۔ ان میں سے چند یہاں درج کی جاتی ہیں۔

حضرت حافظ صاحب کی وفات پر احمدی شعراء کا اظہار تعزیت

حضرت حافظ صاحب کی وفات حسرت آیات پر متعدد احمدی شعراء نے منظوم اظہار تعزیت کیا ہے اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ ہم چند احمدی شعراء کے جذبات قارئین تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں راقم الحروف اپنے شفیق و ہمدرد مربی، اپنے استاد محترم اور ہمیشہ کے لئے اس دنیائے فانی سے کوچ کر جانے والے خادم سلسلہ کے لئے اپنا جذبہ ء عقیدت و محبت پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

آج کیوں ششدر و حیران و پریشاں ہوں میں
کیوں ہوا نالہ کناں کس لئے گریاں ہوں میں
آج کیوں گوشہ ء عزلت سے گریزاں ہوں میں
کیوں رواں آج سوئے شہر خموشاں ہوں میں
دامن ضبط الم ہاتھ سے کیوں چھوٹ گیا
کس کی فرقت کا تقاضہ ہے کہ نالاں ہوں میں

کیسے تبدیل ہوئی وہ روش صبر و رضا
آج کیوں خاک بسر، اشک بد اماں ہوں میں
کون رخصت ہوا فردوس بریں کی جانب
یاد میں کس کی اسیر غم ہجراں ہوں میں
سالک راہ ہدیٰ حضرت مختار احمد
جن کے اوصاف حمیدہ کا ثنا خواں ہوں میں
حیف صد حیف کہ رخصت ہوئے اس دنیا سے
ان کی بخشش کا اب اللہ سے خواہاں ہوں میں
اب سے چالیس برس پہلے کی ہوگی یہ بات
یاد کرتا ہوں جسے آج تو گریاں ہوں میں
مجھ کو بھی ان کے تلمذ کا شرف حاصل تھا
اس تعلق پہ مجھے فخر ہے نازاں ہوں میں
مہر انور تھے وہ، میں ذرہ ء ناچیز مگر
فیض سے ان کے حریف مہ تاباں ہوں میں
مجھ میں جو کچھ ہے وہ سب ان کے کمالات کا عکس
ورنہ سادہ سا اک آئینہ ء بے جاں ہوں میں
میری تابانی ہے سب ان کی ضیا پاشی سے
للہ الحمد چراغ رہ ایماں ہوں میں
سرو شمشاد تھے وہ برگ خزاں دیدہ ہوں میں
گل خوش رنگ تھے وہ خار بیاباں ہوں میں

در نایاب تھے وہ میں ہوں سرشک دامن
وہ سرافراز تھے اور سر بہ گریباں ہوں میں
بحر زخار تھے وہ، قطرہ ء ناچیز ہوں میں
عکس دلدار تھے وہ دیدہ ء حیران ہوں میں
خار ناکارہ سہی سبزہ ء پامال سہی
گلشن حضرت استاد کا ساماں ہوں میں
آپ کی دید سے محروم رہا آخری وقت
اپنی محرومی کا صدمہ ہے پشیماں ہوں میں
اللہ اللہ وہ شفقت وہ محبت وہ خلوص
اور وہ رعب کہ انگشت بدنداں ہوں میں
پھول جھڑتے تھے دم جوش تکلم منہ سے
ان کی تقریر یہ کہتی تھی گلستاں ہوں میں
ضعف پیری کا یہ عالم تھا کہ اک مورضعیف
جوش تقریر یہ کہتا تھا کہ طوفاں ہوں میں
دم گفتار یہ عالم کہ ہر اک تیغ دلیل
ہر مخالف سے یہ کہتی تھی کہ براں ہوں میں
ان کی محفل تھی کہ اک مجلس علم و عرفان
قول تھا ان کا کہ اک خادم قرآں ہوں میں
حافظ بے بدل و منعم درویش صفت
زہد کا جن کے یہ عالم تھا کہ حیراں ہوں میں

فاضل عصر و سخن فہم و سخن سنج و ادیب
آپ میں تھے وہ کمالات کہ نازاں ہوں میں
نثر میں تھی وہ سلاست کہ نہیں جس کی مثال
نظم کہتی تھی کہ سلک در تاباں ہوں میں
اک طرف تھا یہ تفقہ، یہ تبحر یہ کمال
ایک جانب یہی کوشش تھی کہ پنہاں ہوں میں
آپ تھے والہ و شیدائے مسیح موعود
ان کے اس وصف کا مداح و ثنا خواں ہوں میں
صرف کی دین کی خدمات میں سب عمر عزیز
یہی خواہش تھی کہ اس راہ میں قرباں ہوں میں
بارہا آپ نے فرمایا بقول احباب
مرگ سے اپنی ہراساں ہوں نہ ترساں ہوں میں
سوئے فردوس سدھاروں گا کرم سے اس کے
اپنے اللہ کے افضال پہ نازاں ہوں میں
خوشہ چیں ان کے خیالات کا ہوں میں بھی سلیم
یہ الگ بات کہ شہرت سے گریزاں ہوں میں
میرے اللہ عطا کر انھیں درجات بلند
اور مجھے صبر عطا کر کہ پریشاں ہوں میں

حضرت حافظ صاحب کے ایک اور شاگرد برادرم سید ادریس احمد صاحب عاجز عظیم آبادی نے اپنے بزرگ استاد کی وفات پر اس طرح اظہار غم کیا۔

آسمان احمدیت کا تھا نجم ضوفشاں
بوستان مہدوی کا بلبل شیوہ بیاں
خوش نہاد و پاک طینت، نیک خصلت باوقار
حافظ قرآن و دین حق کا اک خدمتگذار
لب کشا ہوتا تھا جب وہ محفل احباب میں
جگمگا اٹھتا تھا ایماں قلب شیخ و شاب میں
دشمنان دیں کے حملوں کا دیا ایسا جواب
کردیا منہ بند ان کا، ہوگئے سب لاجواب
جذبۂ عشق و وفا کا نام اونچا کرگیا
خدمت دیں متیں کا کام اونچا کر گیا

(ماہنامہ خالد فروری ۱۹۶۹ء)

روزنامہ الفضل مورخہ جنوری ۱۹۶۹ء میں بھی سید ادریس احمد صاحب کی نظم حضرت حافظ صاحب کی یاد میں شائع ہوئی۔

سمائے احمدیت کا وہ اک مہر درخشاں تھا
فدائے دین احمد، افتخار اہل ایماں تھا
محقق تھا، سخن ور تھا، سخن سنج و زباں داں تھا
وہ جید عالم دیں حافظ قرآن رحماں تھا

تڑپ تھی اس کے دل میں دین حق کا بول بالا ہو
محمد مصطفیٰؐ کے نور سے ہر سو اجالا ہو
یہی تھی آرزو اس کی، یہی اس کی تمنا تھی
اسی اک کام میں اس نے گزاری زندگی اپنی
ہزاروں بھولے بھٹکوں کو دکھائی راہ حق اس نے
نمائش اور نمود و نام کی پروانہ کی اس نے
وہ تھا اک عاشق صادق غلامان محمد کا
دل و جاں سے محب تھا میرزا محمود احمد کا
وہ عالی مرتبت تھا، پاک طینت، نیک فطرت تھا
ہے قصہ مختصر پروانۂ شمع ہدایت تھا

مکرم رانا منیر احمد صاحب بدر نے آپ کی رحلت کو بری طرح محسوس کیا اور اپنے درد کا اظہار مندرجہ ذیل اشعار میں کیا۔

یہ ہے معلوم سب کی زندگی ہے آنی و جانی
سوائے قادر مطلق یہاں ہر چیز ہے فانی
کہاں ممکن کہ مل جائے کوئی تقدیر یزدانی
دعائیں تو بہت مانگیں مگر تھی زندگی فانی
بہت سی خوبیاں تھیں حضرت مختار احمد میں
سخن گوئی، سخن فہمی، سخن بینی سخن دانی
قلم میں کس کے تھا وہ سحر جو تیرے قلم میں تھا
زباں میں کس کے تھی تاثیر کی اتنی فراوانی

ترے طرز تکلم سے تو محفل جھوم اٹھتی تھی
نہ کرسکتا تھا کوئی شخص دعوائے سخن دانی
محبت نام ہے جس کا ترے چہرے سے ظاہر تھی
فقیری تھا چلن تیرا مگر شوکت سلیمانی
بدر مختار حضرت کی جو شاگردی مجھے ملتی
سمو دیتا میں لفظوں میں سرور درد پنہانی



باب نہم

(تتمہ)

کتاب "حیات حضرت علامہ مختار شاہجہانپوری" کی تدوین کے بعد چند مستند حوالہ جات میسر آگئے جن کو کتاب کی افادیت کے پیش نظر تتمہ کے طور پر شامل اشاعت کیا جاتا ہے۔

ان حوالہ جات میں سے ایک حوالہ کا تعلق حضرت حافظ صاحب کی خداداد فراست سے ہے جو میرے بہت ہی پیارے مربی سلسلہ احمدیہ مکرم محمد داؤد احمد صاحب بھٹی نے تاریخ احمدیت حصہ پنجم سے فراہم کیا جس کے لئے میں عزیز مکرم مربی صاحب کا بیحد ممنون ہوں۔ دیگر حوالہ جات جو حضرت حافظ صاحب کی سیرت کے بعض اُن پہلوؤں سے تعلق رکھتے ہیں جو ابھی تک پردہ خفا میں تھے، میں برادر مکرم سید محمد الیاس ناصر صاحب دہلوی کا ممنون ہوں کہ انہوں نے وقتاً" فوقتاً" اپنے مکتوبات میں ان کا انکشاف کیا اور میں ان کے فراہم کردہ حوالہ جات کو بھی اس تتمہ میں شامل کررہا ہوں۔

ایک حوالہ جو حضرت حافظ صاحب کی شادی نہ کرنے سے تعلق رکھتا تھا اور جس کا جواب برادرم الیاس ناصر صاحب نے بھی دیا ہے مکرم و محترم سید مسعود احمد صاحب ربوہ کے گرامی نامہ کی صورت میں شامل کردیا گیا ہے جس سے اس سوال کا جواب مل جاتا ہے کہ حضرت حافظ صاحب نے شادی کی تھی یا نہیں اور اگر کی تھی تو کب اور کہاں؟

چونکہ مندرجہ بالا حوالہ جات کتاب کے موضوع کی نسبت سے افادیت کے حامل تھے اس لئے ان کو بھی تتمہ کی شکل میں شامل کتاب کیا جاتا ہے۔ خاکسار ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرنا ضروری خیال کرتا ہے جنھوں نے یہ حوالہ جات مہیا فرمائے اور اس کام میں میرا ہاتھ بٹایا۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

مؤلف

مکرم مولوی عبدالمنان صاحب شاہد مربی سلسلہ بھی اس سلسلہ میں اظہار خیال فرماتے ہیں:۔

"حضرت حافظ صاحب ہمیشہ مربیان سلسلہ کے علمی کام کی بہت قدر کرتے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور ان کے مضامین کی خوشی سے اصلاح فرماتے اور نہایت محبت اور پیار سے ان کی کامیابی کے لئے ہدایات دیتے مگر اپنے مشورہ اور نصیحت پر اصرار نہ فرماتے بلکہ یہی فرماتے کہ اس معاملہ میں میرا یہ مشورہ ہے اس کے بعد آپ خود اختیار رکھتے ہیں۔
خاکسار نے حضرت حافظ صاحب کی ان اعلیٰ صفات کو اس وقت دیکھا جب ۶۱-۱۹۶۲ء میں اپنی کتاب "شہادات فریدی" کا مسودہ تصحیح اور اصلاح کے لئے پیش کیا۔ اس کتاب میں سیدنا حضرت اقدس بانیء سلسلہ احمدیہ کی حضرت خواجہ فرید صاحب سجادہ نشین چاچڑاں شریف سے خط و کتابت اور حضرت اقدس کے بارے میں حضرت خواجہ صاحب کی تصریحات مندرج تھیں۔ مسودہ دیکھتے ہی باغ باغ ہو گئے اور فرمایا "آپ نے میری دلی مراد پوری کر دی۔ میں دیر سے چاہتا تھا کہ ایسا مجموعہ شائع ہو تاکہ سلسلہ کی یہ ضرورت پوری ہو۔" بہت دعائیں دیں اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا کہ "میں یہ سارا مسودہ خود دیکھوں گا اور اس کی تصحیح کے لئے وقت دوں گا۔" حضرت حافظ صاحب زیادہ تر ادبی غلطیوں کی اصلاح کی طرف توجہ دیتے اور کوشش فرماتے کہ خاکسار کا ہی مضمون اور مفہوم قائم رہے اور ربط و تسلسل قائم رکھنے کی خاص ہدایت فرماتے۔ اگر بالمشافہ سنانے کی فرصت نہ ہوتی تو مضمون کا حصہ رکھ لیتے اور جب دوسرے دن حاضر خدمت ہوتا تو پنسل سے اصلاح شدہ مضمون عنایت فرماتے اور بعض حصے اپنے لکھے ہوئے اس کتاب میں درج کرنے کی ہدایت فرماتے۔ ایک دفعہ فرمایا میں نہیں چاہتا کہ میرا نام شکریہ کے طور پر کتاب میں درج ہو اور مجھے بھی منع فرمایا۔ آپ ہمیشہ نمائش اور شہرت سے بہت اجتناب فرماتے اور اس طرح اپنی بے نفسی اور انقطاع تام کا ثبوت پیش

فرماتے۔

حضرت حافظ صاحب دوسروں کے جذبات و احساسات کا پورا خیال رکھتے اور کسی نامناسب امر کی نہایت دل نشین پیرائے میں باتوں باتوں میں نصیحت فرماتے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ بعض دوست ملاقات کے لئے آتے ہیں تو میز پر سے کوئی کتاب یا اخبار اٹھا کر پڑھنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب یا نوٹ بک میں کوئی ایسی بات درج ہو جس کا دوسروں پر اظہار ناپسندیدہ ہو۔ اس لئے صاحب خانہ سے اجازت حاصل کر کے کتاب یا اخبار پڑھنے کے لئے اٹھانا چاہئے۔

دعوت الی اللہ کے سلسلے میں فرماتے کہ مخالف کے علم اور رجحانات کا مطالعہ کر کے گفتگو کرنی چاہئے۔ بعض دفعہ مسکت جواب دینے سے سلسلہ ء گفتگو رک جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے غلط فہمیوں کو ذرا تفصیل سے بیان کرنا چاہئے تاکہ پورا مضمون دوسرے پر روشن ہو جائے اور یہی طریق حضرت اقدس مسیح موعود کا تھا۔

نوجوانوں کی حوصلہ افزائی

حضرت حافظ صاحب کی سیرت کا ایک روشن پہلو جو ابتدا سے میرے مشاہدے میں آیا یہ تھا کہ حضرت حافظ صاحب نوجوانوں کی تربیت کا بطور خاص خیال رکھتے تھے اور ایسی شفقت اور حکیمانہ انداز سے گفتگو فرماتے کہ ہر مخالف یہی خیال کرتا کہ حضرت حافظ صاحب اسی پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ اس ضمن میں مکرم لطف الرحمن صاحب محمود مبلغ سرالیون کے خیالات ملاحظہ ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"نوجوانوں کی حوصلہ افزائی حضرت حافظ صاحب کی سیرت کا ایک روشن پہلو تھا۔ جو بھی نوجوان ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اس کے ساتھ ایسی بزرگانہ شفقت اور التفات سے پیش آتے کہ وہ گرویدہ ہو جاتا اور ان کی ذاتی دلچسپی کی محبت آمیز تپش اپنے سینے میں محسوس کرنے

لگتا- ۱۹۵۵ء میں حضرت حافظ صاحب کا نیاز حاصل ہوا-اس پہلی ملاقات سے ۱۹۶۷ء میں سرالیون آنے تک حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں کثرت سے حاضر ہونے کا موقع ملا- طالب علمی کے ایام میں تو تقریباً" روزانہ ہی در دولت پر حاضر ہوتا- مجھے ایک عرصہ تک حضرت حافظ صاحب کے خطوط کے جواب لکھنے کا بھی شرف حاصل ہوا- گیارہ بارہ سال کے عرصہ میں آپ کے وجود سے وابستہ روحانی ا بجذاب کے علاوہ آپ کے علمی و ادبی فیوض سے بھی بہرہ مند ہونے کے مواقع ملتے رہے اور اس سارے عرصہ میں اپنی بزرگانہ 'مربیانہ' مشفقانہ اور محسنانہ عنایات کا سلسلہ جاری رہا"-

حضرت حافظ صاحب کی زندگی کے چند محیرا لعقول واقعات

حضرت حافظ صاحب کی زندگی کے چند محیرا لعقول واقعات اوپر کے اوراق میں تحریر کئے جا چکے ہیں- آج ہم برادرم سید الیاس ناصر صاحب کے مکتوب گرامی سے چند مزید واقعات یہاں نقل کرتے ہیں-وہ لکھتے ہیں:-

"حضرت حافظ صاحب(--) نے تین موقعوں پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بھی ہم کلام ہوتا ہے خاکسار (سید محمد الیاس ناصر صاحب) والدہ کے ساتھ قبلہ (حضرت حافظ صاحب) کی خدمت میں حاضر ہوا- قبلہ نے دیکھتے ہی فرمایا خاں صاحب (سید الیاس ناصر صاحب کے والد محترم) کہاں ہیں؟-کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے عرض کیا کہ ہم ان کو نہیں لائے کیونکہ ان کا ردعمل آپ کی سابقہ تقریر سننے کے بعد مثبت نہیں تھا- فرمایا "نہیں نہیں آپ ایسا نہ کریں- ہم نے پہلی مرتبہ جب ان کو دیکھا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتادیا تھا کہ یہ شخص تمہارا رشتہ دار ہے- اُب تک جسمانی طور سے ہمیں پتہ نہیں چلا کہ کیا رشتہ داری ہے- کیونکہ ہمارے یہاں بھی رشتہ داریاں پٹھانوں اور سیدوں میں ہیں- ہم نے خاں صاحب سے پوچھ گچھ کی ہے- ہم نے اس بات کا یہ مطلب لیا ہے کہ جسمانی رشتہ داری ہو یا نہ ہو'

روحانی رشتہ داری ضرور ہے- لہٰذا آپ مایوس نہ ہوں اور انہیں ہمیشہ اپنے ساتھ لانے کی کوشش جاری رکھیں-"

دوسرا واقعہ جس نے مجھے آج تک حیرت میں ڈال رکھا ہے- وہ والدہ صاحبہ کے فارم بیعت سے متعلق ہے- میری والدہ ماجدہ نے کسی سے مشورہ کئے بغیر بیعت کا پختہ ارادہ کرلیا- مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس بیعت فارم ہے میں نے ان کے سامنے رکھ دیا- آپ نے پڑھا اور دستخط کرکے واپس کردیا اور فرمایا کہ یہ جائے گا تو حضور ہی کی خدمت میں لیکن تم اسے حافظ صاحب کے سپرد کر آؤ کیونکہ میں نے انہیں کے ذریعہ بیعت کی توفیق پائی ہے- میں وہ فارم ملفوف کرکے حضرت حافظ صاحب کے پاس لے گیا- قبلہ حافظ صاحب نے لفافہ کھولے بغیر توشک کا پلہ اٹھایا اور لفافہ اس کے نیچے رکھ دیا- میں نے قدرے توقف کے بعد عرض کیا کہ قبلہ آپ نے دیکھا نہیں کہ لفافے میں کیا ہے- فرمایا "اگر بارش نہیں ہوتی تو پھوار ہم پر بھی پڑتی ہے- لفافہ میں آپ کی والدہ کا بیعت فارم ہے-" ہم ان کی استقامت کے لئے دعا کر رہے تھے-" یہ فقرہ آپ نے عینک کے اوپر سے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا جس کا اثر آج تک میرے دل پر ہے اور تازیست فراموش نہ ہوگا-

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ میری والدہ مرحومہ کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں بشارت دی اور جنت میں آپ کا مکان بھی دکھایا گیا- اور اسی رویا میں فرشتہ نے یہ بھی بتایا کہ حافظ صاحب کا مکان بھی پاس ہی ہے- والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ چونکہ اس رویا میں حافظ صاحب کے لئے بھی بشارت ہے لہٰذا آپ میرے سامنے ان سے اس بات کا اظہار کردیں لہٰذا میں نے اس رویا کا تذکرہ حضرت حافظ صاحب سے کیا- فرمایا ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی بتایا ہے- بہشتی مقبرہ میں والدہ مرحومہ کی قبر اور حافظ صاحب کی قبر میں دس پندرہ قدم کا فاصلہ ہے-"

حضرت حافظ صاحب کی نفاست طبع کے چند واقعات اوپر درج ہوچکے ہیں یہاں ہم برادرم سید محمد الیاس ناصر صاحب کے مکتوب کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جس سے حضرت

حافظ صاحب کی نفاست طبع پر روشنی پڑتی ہے:۔

"قبلہ کی طبیعت میں نفاست انتہا درجہ کی تھی آپ سالن میں زیادہ گھی ناپسند فرماتے تھے۔ آپ کا قول تھا کہ اچھا کھانا وہی ہوتا ہے جس میں مصالحہ اور گھی صحیح تناسب سے استعمال کیا گیا ہو۔ بعض کھانے مثلاً مچھلی اور کڑھی وغیرہ تیل میں پکے ہوئے پسند فرماتے تھے۔ سویاں نہیں کھاتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ ہمیں سویاں اس لئے پسند نہیں کہ کھاتے وقت کچھ چمچے میں، کچھ راستے میں اور کچھ رکابی میں گرتی پڑتی ہیں۔ پال کا آم پسند نہیں تھا۔ ڈال کا آم جو باغ سے توڑ کر براہ راست نہ لایا گیا ہو، پسند نہیں کرتے تھے۔ فرماتے بازار میں فروخت ہونے والے آم کو ہر خریدار سونگھتا اور ناک کو لگاتا ہے، ہم ایسے آموں کو کس دل سے چوسیں۔ کھانا بہت تھوڑا کھاتے تھے۔ چاول اگر ہوں تو ایک رکابی میں دوسرے کی شرکت پسند نہ کرتے۔ کھانا اگر قلیل مقدار میں ہوتا تو پاس بیٹھنے والے کو شرکت کی دعوت نہ دیتے جیسا کہ عام طور سے کیا جاتا ہے۔ ایسا واقعہ خاکسار (سید محمد الیاس ناصر صاحب) کے ساتھ گزرا ہے۔ ایک دفعہ کی بات ہے کہ ابھی میں آپ سے اتنا قرب نہ رکھتا تھا۔ کھانے کا وقت ہوا تو کھانا مجھ سے نکلوایا اور گرم کر کے کھانا شروع کر دیا مجھ کو شریک طعام ہونے کے لئے نہ کہا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ قبلہ نے مروجہ طریقہ پر صلاح بھی نہ لی اور کھانا شروع کر دیا۔ میرے دل میں ابھی خیال آ ہی رہا تھا کہ قبلہ نے فرمایا "ہمارے کھانے کا کوئی انتظام نہیں۔ کبھی کوئی دوست لے آتے ہیں، کبھی کوئی۔ اکثر ہم ایک وقت کا کھانا دو تین وقت تک کھا لیتے ہیں اگر موسم مناسب ہو اور کھانا خراب نہ ہو گیا ہو۔ اس وقت کھانا بہت قلیل مقدار میں تھا۔ ایسی حالت میں اگر ہم کسی کو شرکت کی دعوت دیں تو ہمیں ڈر ہے کہ دل کی اور زبان کی دو حالتیں نہ ہو جائیں۔ دل کہے کہ یہ کھانا تو صرف تیرے لئے بھی کافی نہیں اور زبان کہے کہ آیئے کھانا کھا لیں۔ یہ منافقت ہے ہم اس کو اچھا نہیں سمجھتے کہ رسمی طور سے دعوت دی جائے۔ اس وقت یہ کھانا بھی بچا ہوا رکھا تھا اس لئے ہم نے آپ کو شرکت کی دعوت نہیں،

دی"۔ اللہ اللہ، کس قدر احتیاط سے زندگی بسر کرتے تھے"۔

آگے چل کر سید محمد الیاس ناصر صاحب ایک اور محیرالعقول واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"قبلہ صاحب کرامات ہوں یا نہ ہوں مگر ایک واقعہ جو خاکسار کے ساتھ گذرا ہے وہ نہایت ہی عجیب و غریب نوعیت کا ہے جس کا تجزیہ مادی طریقہ سے نہیں کیا جا سکتا۔ میں اس زمانہ کے معمولات کے مطابق شعراء کی محفل سے گیارہ بارہ بجے گھر آیا۔ گھر والے سب بالائی منزل پر کھلی ہوئی چھت پر سو چکے تھے۔ سب کی چارپائیاں برابر برابر بچھی ہوئی تھیں۔ میں بھی کپڑے اتار کر اوپر آیا اور اپنے پلنگ پر لیٹ رہا۔ ابھی لیٹا ہی تھا کہ ایسا محسوس ہوا کہ سارے جسم میں ناقابل برداشت درد ہے۔ سوچا کہ کہاں درد ہے اور کیسا درد ہے تو درد بالکل غائب ہو گیا۔ مگر دماغ میں بجلی کی رو کی طرح خیال آیا کہ جا اور حافظ صاحب کے پیر دبا۔ دماغ نے کہا کہ یہ کیا حماقت ہے۔ رات اتنی گزر چکی۔ دنیا محو خواب ہے۔ یہ تو چوروں کے باہر جانے کا وقت ہے۔ میں نے ذہنی طور سے پھر اپنے آپ کو سونے کے لئے تیار کیا کہ معاً" پھر وہی گھبراہٹ وہی وحشت جس کو میں الفاظ کے سانچے میں آج تک نہ ڈھال سکا۔ پھر سوچا کہ مجھے کیا تکلیف ہے تو یکایک پھر سب کچھ رک گیا اور وہی خیال دوبارہ دامن گیر ہوا کہ جا اور حافظ صاحب کے پیر دبا پھر دماغ نے پہلے کی طرح اس خیال کی مخالفت کی کہ پاگل ہو گیا ہے۔ خدا جانے یہ کشمکش کب تک رہی۔ آخر میں مجبور ہو گیا اور آہستگی سے نیچے آیا۔ باہر جانے کے لئے کپڑے پہنے۔ سارے مکان کو کھلا چھوڑا یعنی صدر دروازہ بند نہ کیا۔ آخر اس اندھیری رات میں (اس وقت لاہور میں دس گیارہ بجے سڑکوں پر سناٹا ہو جاتا تھا) جودہامل بلڈنگ میں داخل ہوا۔ روشنی کے بلب بھی بجھائے جا چکے تھے۔ زینہ میں بھی اندھیرا تھا۔ آخر دروازے کے قریب پہنچا تو میں نے قبلہ حافظ صاحب کے کراہنے کی آواز سنی۔ دروازے کو دیکھا، کھلا ہوا تھا۔ اندر بالکل اندھیرا گھپ تھا میں خاموشی کے ساتھ پائنتی کی طرف بیٹھ گیا

اور پیر دبانا شروع کئے۔ کچھ دیر بعد کراہنے کی جگہ تسبیح کرنے کی آواز آنے لگی۔ پھر فرمایا ہم دعا کر رہے تھے کہ تم آجاؤ۔ اب ہمیں آرام ہے۔ آپ جاکر آرام کرو۔ آپ کی والدہ اگر آپ کو چارپائی پر نہ پائیں گی تو فکر مند ہوں گی۔ میں نے کوئی بات نہیں کی تھی نہ سلام کیا تھا لیکن قبلہ اس اندھیرے گھپ میں جانتے تھے کہ میں کون ہوں۔ اس سے قبل کبھی میں نے قبلہ (حافظ صاحب) کے پیر بھی نہ دبائے تھے اس لئے یہ بھی گمان نہیں کیا جا سکتا تھا کہ پیر دبانے کے انداز سے پتہ چل جاتا کہ کون پیر دبا رہا ہے۔ یہ سب کچھ کیسے ہوا اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں سوائے اس کے کہ یہ باور کر لیا جائے کہ خدا تعالیٰ زمین و آسمان کو اپنے نیک بندوں کی خدمت پر مامور کر دیتا ہے اور کب، کیسے اور کیا کرتا ہے یہ اس کی مشیت جانتی ہے، اس معاملہ میں انسان کی عقل دنگ اور فہم و فراست حیران رہ جاتے ہیں۔

اس وقت میرے لئے مزید لکھنا ممکن نہیں کیونکہ میری آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری ہیں اور مجھے کچھ نظر نہیں آرہا۔ دل کی حالت بھی بدل گئی ہے۔ انشاء اللہ آئندہ جو کچھ یاد آئے گا لکھتا رہوں گا۔

والسلام سید محمد الیاس ناصر دہلوی (لندن)

۶ر دسمبر ۱۹۹۰ء

ایک مرتبہ جب برادرم سید محمد الیاس ناصر صاحب حضرت حافظ صاحب کی مجلس (جودہامل بلڈنگ، لاہور) میں حاضر تھے حضرت حافظ صاحب نے فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے ہم پر تین بڑے انعامات فرمائے۔ (۱) والد محترم (--) تو وہ اپنے زمانہ کے جید عالم اور متقی وجود تھے۔ حضرت حافظ صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب ابّا نے بیعت کی تو ہندوستان کے بہت سے اخبارات نے لکھا کہ سید صاحب آپ نے پنجاب کے ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اُس کو مہدی زماں مان لیا۔ اس زمانہ میں اگر کوئی مہدی زماں ہوتا تو

وہ آپ کی ذات تھی۔ قبلہ حافظ صاحب اللہ تعالیٰ کے بڑے انعامات میں سے پہلا انعام اپنے والد محترم کو سمجھتے تھے۔

دوسرے انعام کے متعلق فرماتے تھے کہ (شاعری میں) استاد ملا تو وہ بھی اپنے زمانے کا عالم تھا، یعنی حضرت امیر مینائی لکھنوی مرحوم۔ بعض دفعہ ان کی غزل بڑے جوش اور عقیدت سے پڑھ کر سناتے تھے اور ان کی زبان دانی کو خراج تحسین پیش کرتے تھے۔

تیسرا انعام وہ حضرت مسیح موعود (---) کو سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے اللہ تعالیٰ نے باپ دیا تو وہ نہایت متقی اور علامہ ء زماں، استاد دیا تو وہ یکتائے روزگار، پیر دیا تو وہ کامل۔ ان تینوں مقدس وجودوں کا ذکر کرتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔"

برادر مکرم سید محمد الیاس ناصر دہلوی صاحب نے حضرت حافظ صاحب کے اپنے والد محترم کے متعلق بعض تاثرات بھی جو انہوں نے حضرت حافظ صاحب کی زبان سے سنے اپنے خط میں تحریر فرمائے ہیں جو معلومات عامہ کے لئے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ حضرت حافظ صاحب نے فرمایا:۔

(۱) میرے والد محترم نے حضرت مسیح موعود (---) کو مسجد اقصیٰ میں داخل ہو کر اسی طرح سلام پہنچایا جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں حکم فرمایا ہے۔

(۲) فرمایا "ہم حضرت مسیح موعود (---) کی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ایک مقام ایسا آیا جہاں بظاہر اعتراض پڑتا نظر آیا ہم والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس عبارت پر یہ اعتراض پڑتا ہے۔ اس کا جواب ارشاد فرمائیں"۔ والد بزرگوار نے فرمایا، مختار! حضرت مسیح موعود (---) کی تحریر دو دھاری تلوار کی مانند ہے، وہ ہر طرف کاٹ کرتی ہے۔ آپ محل اعتراض عبارت کو اس کے سیاق و سباق سے ملا کر پڑھیں، آپ کو اس کا جواب مل جائے گا"۔ حافظ صاحب فرماتے تھے کہ یہ نسخہ ہم نے ساری زندگی آزمایا اور ایسا

ہی مفید پایا جیسا کہ والد بزرگوار نے فرمایا تھا۔

حضرت حافظ صاحب نے احمدیت کس طرح قبول کی' اس کے متعلق چند شہادتیں اوپر قلمبند کی جاچکی ہیں۔ ایک تازہ شہادت جو برادر مکرم سید محمد الیاس ناصر دہلوی صاحب نے لکھ کر بھیجی ہے وہ بھی پیش خدمت ہے۔

انھوں نے جو خط مجھے لندن سے کیلیفورنیا (امریکہ) روانہ کیا اس کا اقتباس درج ذیل ہے:۔

"حضرت قبلہ حافظ سید مختار احمد شاہجہانپوری کا قبول احمدیت"

حضرت حافظ صاحب نے فرمایا:۔

"جب ہم تحصیل علم میں مصروف تھے' عربی فارسی پڑھنے کے بعد قرآن کریم کی تفسیر پڑھتے ہوئے سورہ والضحیٰ کی آیتہ **ووجدک ضالا" فھدیٰ** پر پہنچے۔ اس آیتہ کا ترجمہ عام طور پر کیا جاتا تھا "کیا نہیں پایا ہم نے تجھ کو گمراہ پس ہدایت دی تجھ کو"۔ مفسرین کی سب تفسیریں پڑھیں ہر جگہ یہی پایا کہ نعوذباللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی ایک زمانہ میں گمراہ تھے۔ اسے ہمارا دل برداشت نہ کرسکا۔ یکدم زندہ رہنے کی خواہش چلی گئی۔ ہمارے تمام اعضا بیکار ہوگئے۔ ہمارے والد محترم نے بے حد علاج کرائے۔ مختلف حکماء اطبا کو دکھایا۔ پہلوانوں سے ہمارے جسم کی مالش کرائی گئی لیکن سب بے سود۔ ہمارے روگ کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ جانتا تھا۔ ایک عرصہ گزر گیا اور ہم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ایک دن خادم نے کہا کہ میاں صاحب آپ کی کتابیں آئی ہیں وہ کہاں رکھی جائیں۔ ایک پورا ٹھیلہ بھرا ہوا ہے۔ ہم نے کہا کہ فلاں جگہ رکھو اور ہر کتاب کو ہمیں دکھاتے جاؤ۔ یہ تمام کتابیں ہم نے آرڈر کی ہوئی تھیں اور کچھ کتابیں کم یاب تھیں' جن کے دیکھنے کا ہمیں اشتیاق تھا۔ انہی کتابوں کے ایک بنڈل میں ہمیں ایک اخبار قادیان سے حضرت مسیح موعود کا ملا جو کہ کتب

فروش نے اپنی طرف سے رکھ دیا تھا۔ اس میں حضور نے اسی آیتہ **ووجدک ضالا فھدیٰ** کی تفسیر کی ہوئی تھی۔ آپ نے گزشتہ مفسرین سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسا ترجمہ حضور کی شان کے خلاف ہے۔ ضال کے معنی متلاشی اور سرگرداں کے بھی ہیں۔ آیتہ کے معنی جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰؐ کی سیرت کے شایان شان ہیں' یہ ہیں کہ حضورؐ قوم کی ہدایت پانے کے متلاشی اور اسی فکر میں سرگرداں تھے سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت (کا نسخہ) یعنی قرآن دے دیا۔ یہ پڑھتے ہی ہم (حافظ صاحب) یکدم اٹھ بیٹھے اور ہمارا جسم جو جواب دے چکا تھا اس میں جان آگئی۔ اس وقت ہم کو یقین ہوگیا کہ یہ شخص یقیناً "مامور من اللہ ہے۔ اس کے دل میں وہ نور ہے جس کی دنیا کو ضرورت ہے۔ پس ہم نے فوراً" بیعت کرلی ہم نے کسی سے مشورہ نہیں کیا۔ ہمارے والد محترم نے اپنے طور پر بیعت کی تھی"۔

حضرت حافظ صاحب نے قرآن کیسے حفظ کیا

اس عنوان کے تحت برادرم سید محمد الیاس ناصر صاحب نے جو تحریری شہادت مہیا کی وہ ان کے ایک مکتوب سے نقل کی جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"حضرت حافظ صاحب نے ان کے سوال کے جواب میں (جبکہ حافظ صاحب جودہال بلڈنگ' لاہور میں مقیم تھے) فرمایا:۔

ہمارے والد محترم ماہ رمضان المبارک میں تراویح پڑھانے کے لئے خوش الحان حافظ کا ہر سال انتظام فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال ایسا ہوا کہ رمضان المبارک شروع ہونے میں ایک یا دو دن باقی تھے' آپ کی مجلس میں کسی مرید نے دریافت کیا کہ حافظ صاحب امسال تراویح کے لئے کس حافظ صاحب کا انتظام کیا ہے؟۔ فرمایا "ہم نے کوئی انتظام نہیں کیا کیونکہ ہماری خواہش ہے کہ اس سال قرآن کریم ہمیں مختار (حضرت حافظ صاحب) سنائیں گے"۔

(حافظ صاحب فرماتے ہیں) ہم یہ سنتے ہی کھڑے ہوگئے اور عرض کیا۔ اچھا ابا حضور اس

ہی مفید پایا جیسا کہ والد بزرگوار نے فرمایا تھا۔

حضرت حافظ صاحب نے احمدیت کس طرح قبول کی' اس کے متعلق چند شہادتیں اوپر قلمبند کی جاچکی ہیں۔ ایک تازہ شہادت جو برادر مکرم سید محمد الیاس ناصر دہلوی صاحب نے لکھ کر بھیجی ہے وہ بھی پیش خدمت ہے۔

انھوں نے جو خط مجھے لندن سے کیلیفورنیا (امریکہ) روانہ کیا اس کا اقتباس درج ذیل ہے:۔

"حضرت قبلہ حافظ سید مختار احمد شاہجہانپوری کا قبول احمدیت"

حضرت حافظ صاحب نے فرمایا:۔

"جب ہم تحصیل علم میں مصروف تھے' عربی فارسی پڑھنے کے بعد قرآن کریم کی تفسیر پڑھتے ہوئے سورہ والضحیٰ کی آیتہ **ووجدک ضالا" فھدیٰ** پر پہنچے۔ اس آیتہ کا ترجمہ عام طور پر کیا جاتا تھا "کیا نہیں پایا ہم نے تجھ کو گمراہ پس ہدایت دی تجھ کو"۔ مفسرین کی سب تفسیریں پڑھیں ہر جگہ یہی پایا کہ نعوذباللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی ایک زمانہ میں گمراہ تھے۔ اسے ہمارا دل برداشت نہ کرسکا۔ یکدم زندہ رہنے کی خواہش چلی گئی۔ ہمارے تمام اعضا بیکار ہوگئے۔ ہمارے والد محترم نے بے حد علاج کرائے۔ مختلف حکماء اطبا کو دکھایا۔ پہلوانوں سے ہمارے جسم کی مالش کرائی گئی لیکن سب بے سود۔ ہمارے روگ کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ جانتا تھا۔ ایک عرصہ گزر گیا اور ہم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ایک دن خادم نے کہا کہ میاں صاحب آپ کی کتابیں آئی ہیں وہ کہاں رکھی جائیں۔ ایک پورا ٹھیلہ بھرا ہوا ہے۔ ہم نے کہا کہ فلاں جگہ رکھو اور ہر کتاب کو ہمیں دکھاتے جاؤ۔ یہ تمام کتابیں ہم نے آرڈر کی ہوئی تھیں اور کچھ کتابیں کم یاب تھیں' جن کے دیکھنے کا ہمیں اشتیاق تھا۔ انہی کتابوں کے ایک بنڈل میں ہمیں ایک اخبار قادیان سے حضرت مسیح موعود کا ملا جو کہ کتب

فروش نے اپنی طرف سے رکھ دیا تھا۔ اس میں حضور نے اسی آیتہ **ووجدک ضالا فھدیٰ** کی تفسیر کی ہوئی تھی۔ آپ نے گذشتہ مفسرین سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسا ترجمہ حضور کی شان کے خلاف ہے۔ ضال کے معنی متلاشی اور سرگرداں کے بھی ہیں۔ آیتہ کے معنی جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ کی سیرت کے شایان شان ہیں' یہ ہیں کہ حضور قوم کی ہدایت پانے کے متلاشی اور اسی فکر میں سرگرداں تھے سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت (کا نسخہ) یعنی قرآن دے دیا۔ یہ پڑھتے ہی ہم (حافظ صاحب) یکدم اٹھ بیٹھے اور ہمارا جسم جو جواب دے چکا تھا اس میں جان آگئی۔ اس وقت ہم کو یقین ہوگیا کہ یہ شخص یقیناً "مامور من اللہ ہے۔ اس کے دل میں وہ نور ہے جس کی دنیا کو ضرورت ہے۔ پس ہم نے فوراً" بیعت کرلی ہم نے کسی سے مشورہ نہیں کیا۔ ہمارے والد محترم نے اپنے طور پر بیعت کی تھی"۔

حضرت حافظ صاحب نے قرآن کیسے حفظ کیا

اس عنوان کے تحت برادرم سید محمد الیاس ناصر صاحب نے جو تحریری شہادت مہیا کی وہ ان کے ایک مکتوب سے نقل کی جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"حضرت حافظ صاحب نے ان کے سوال کے جواب میں (جبکہ حافظ صاحب جودہامل بلڈنگ' لاہور میں مقیم تھے) فرمایا:۔

ہمارے والد محترم ماہ رمضان المبارک میں تراویح پڑھانے کے لئے خوش الحان حافظ کا ہر سال انتظام فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال ایسا ہوا کہ رمضان المبارک شروع ہونے میں ایک یا دو دن باقی تھے' آپ کی مجلس میں کسی مرید نے دریافت کیا کہ حافظ صاحب امسال تراویح کے لئے کس حافظ صاحب کا انتظام کیا ہے؟۔ فرمایا "ہم نے کوئی انتظام نہیں کیا کیونکہ ہماری خواہش ہے کہ اس سال قرآن کریم ہمیں مختار (حضرت حافظ صاحب) سنائیں گے"۔

(حافظ صاحب فرماتے ہیں) ہم یہ سنتے ہی کھڑے ہوگئے اور عرض کیا۔ اچھا ابا حضور اس

سال ہم ہی قرآن سنائیں گے۔ ہم گھر آگئے اور والدہ محترمہ سے عرض کیا کہ میں کچھ دن اوپر چوبارے میں قیام کروں گا۔ رمضان میں مجھے اکیلا چھوڑ دیا جائے۔ میرا کھانا فلاں جگہ رکھ دیا جایا کرے اور افطاری اور سحری کے وقت یہی معمول رہے خالی برتن میں اُسی جگہ رکھ دیا کروں گا۔ مجھے صرف ۲۹ پارے حفظ کرنا تھے کیونکہ تیسواں پارہ مجھے یاد تھا۔ اس طرح ہر روز ایک پارہ یاد کرلیتے اور شام کو تراویح میں سنادیتے۔ اس طرح ہم نے صرف ایک ماہ میں قرآن کریم حفظ کرلیا اور خدا کے فضل سے آج تک حافظ ہیں"۔

حافظ صاحب نے شادی کیوں نہیں کی؟

ایک دن خاکسار اپنی والدہ مرحومہ کے ساتھ قبلہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ میں نے دل میں خیال کیا آج قبلہ حافظ صاحب سے سوال کروں کہ آپ نے شادی کیوں نہیں کی۔ ممکن ہے کہ قبلہ حافظ میرے اس سوال کو ٹالیں نہیں چونکہ میری والدہ محترمہ بھی موجود ہیں۔ میں نے قبلہ سے عرض کیا کہ قبلہ آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟ سوال سن کر کچھ توقف کیا، پھر فرمایا:۔

"اگر ہم شادی کرتے تو ہم کو مرنا ہوتا اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی سنت کے برخلاف ہم کو دوبارہ زندگی دے کر دنیا میں بھیجتا، پھر ہم شادی کرتے، پھر ہمیں پہلے کی طرح جلد ہی مرنا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی سنت کے برخلاف کرکے اپنے رحم سے ہمیں تیسری بار زندگی دیتا تو ہم رنڈوے ہوجاتے"۔

یہ تمام بات سن کر میں نے عرض کیا قبلہ یہ تو ایک معمہ ہے میں بالکل نہیں سمجھا۔ اس معمہ کو آپ ہی حل کریں۔ فرمایا "ہمارے ماموں جان ہم سے بے حد محبت کرتے تھے آتے جاتے اور خوشی کے موقع پر ہمیں ایک اشرفی سے کم نہیں دیتے تھے بچپن میں ان کی کئی بیٹیاں تھیں وہ اپنی چھوٹی بیٹی سے بے حد پیار کرتے تھے۔ اور چاہتے کہ ہماری شادی اس سے

ہوجائے۔ لیکن ہم ان کی منجھلی بیٹی سے شادی چاہتے تھے۔ ہم ان کی بات کو ٹالتے رہے اور اپنے دل کے راز کا کسی سے اظہار نہ کیا۔ وقت گزرتا گیا۔ آخر کار ماموں جان نے اپنی بیٹیوں کی شادی کردی۔ جس کے ساتھ ہم چاہتے تھے اس کی منگنی جس سے ہوئی وہ چند ماہ بعد فوت ہوگیا دوسری بار جب اس لڑکی کی شادی طے پائی تو خیال کیا کہ اس دفعہ نکاح کیا جاوے چونکہ منگنی راس نہ آئی۔ لہٰذا نکاح کردیا گیا۔ مگر رخصت سے پہلے اس کا جس سے نکاح ہوا تھا کار کے حادثہ میں مرگیا اور وہ لڑکی دوبارہ رانڈ ہوگئی۔ تیسری دفعہ اس کی شادی اور اسی وقت رخصتانہ کردیا گیا۔ پھر کچھ دن بعد وہ لڑکی فوت ہوگئی۔ اس لئے ہم نے کہا تھا دو دفعہ ہماری بیوی کو رانڈ ہونا پڑتا اور تیسری دفعہ ہم رنڈوے ہوجاتے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی تقدیر مبرم تھی اور ہمارے لئے یہ تقدیر مبرم کہ ہم حضرت مسیح الموعود (----) کے خادم ہو کر دین کا کام کرتے ہیں۔" قبلہ حافظ صاحب نے جس طرح بتایا یہ من و عن وہی ہے اور وہ کیفیت جس کا اثر آج تک خاکسار کی طبیعت پر ہے۔ یہ وہ بات ہے کہ شاید قبلہ نے کسی سے نہ کہی ہو۔ مگر میں اللہ تعالیٰ کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ اس بات میں کچھ کمی بیشی نہیں ہے جو کچھ قبلہ نے بیان کیا میں نے لکھ دیا ہے"۔

حضرت حافظ صاحب کی شادی کے بارے میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ سید مسعود احمد صاحب ربوہ کو اس بارے میں کچھ معلومات ہیں تو میں نے کیلی فورنیا (امریکہ) سے ایک مکتوب ان کے نام ربوہ روانہ کیا۔ جس کا جواب بلا کم و کاست میں یہاں نقل کرنا مناسب خیال کرتا ہوں۔ آپ اپنے مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں:۔

"مکرم محترم جناب سلیم شاہجہانپوری صاحب۔ کیلیفورنیا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ آپ کا خط مورخہ ۲ر اپریل ۱۹۹۱ء ملا۔ آپ نے حضرت حافظ صاحب مرحوم کی شادی کے بارے میں دریافت فرمایا ہے۔ حضرت حافظ صاحب تو یہی فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے شادی نہیں کی یا ان کی بیوی نہیں ہے۔ الفاظ مجھے یاد

نہیں لیکن ایک دفعہ ان کے بھتیجے سید محمد ہاشم صاحب مرحوم نے بتایا تھا کہ مشہور تو یہی ہے کہ حضرت حافظ صاحب نے شادی نہیں کی لیکن ایک زمانے میں ایک خاتون حضرت حافظ صاحب کے ہاں رہتی تھیں اور کھانا پکایا کرتی تھیں۔ یہ خاتون بیوہ تھیں اور ان کا ایک بیٹا بھی تھا۔ حضرت حافظ صاحب نے اُس خاتون کو کہلا بھیجا کہ ایک نامحرم کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہنا شرعاً منع ہے اس لئے آپ مجھ سے نکاح پڑھوالیں۔ اگرچہ ہمارے تعلقات میاں بیوی جیسے نہیں ہوں گے لیکن شریعت کا تقاضہ پورا ہو جائے گا۔ (یہ الفاظ میرے ہیں 'مفہوم جہاں تک یاد ہے یہی تھا) چنانچہ اُن خاتون سے حافظ صاحب کا نکاح ہو گیا۔ ان کے بچے کی حضرت حافظ صاحب نے اپنے بچے کی طرح پرورش کی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے لکھ دیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔"

حضرت حافظ صاحب کی روحانی فراست کا ایک منفرد اور تاریخی واقعہ

بیرونی جماعتوں کی بیعت کے بعض خاص واقعات

بیرونی جماعتوں میں سب سے پہلے شاہجہانپور کی جماعت نے بیعت کی۔ اس وقت کی جبکہ ابھی حضرت خلیفہ اول کی وفات کی کوئی اطلاع وہاں نہیں پہنچی تھی۔ یہ امر خالصتاً" الٰہی تصرف کے تحت ہوا جس کی تفصیل حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری مدظلہ' کے الفاظ میں یہ ہے:۔

سیدنا و استاذنا حضرت مولانا حکیم الدین صاحب خلیفۃ المسیح کی طبیعت ناساز تو پہلے سے چلی آتی تھی مگر آخر فروری ۱۹۱۴ء میں جو ناسازی بڑھی تو بڑھتی چلی گئی۔ اور حضور کی حالت سے متعلق قادیان سے آنے والی ہر خبر پہلے سے آئی ہوئی خبر سے زیادہ حسرت خیز و درد انگیز آنے لگی۔ چونکہ حضور کی طرف سے بذریعہ اعلان یہ خبر شاہجہان پور پہنچ گئی تھی کہ عیادت کی غرض سے قادیان آنے کا ارادہ رکھنے والے اپنے اپنے مقام پر ہی دعائیں کرتے رہیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔ اس لئے جس طرح اپنے مقام پر دعا جاری تھی۔ اسی طرح جاری رکھی گئی۔ فرداً" فرداً" بھی اور اوقات نماز کے بعد مجموعی طور پر بھی۔

جب نظر " واللہ غالب علیٰ امرہ " کی طرف جاتی تو امید میں بڑی وسعت پیدا ہو جاتی اور جب قادیان سے آئی ہوئی خبروں کی طرف آتی تو بڑی کوفت اٹھاتی۔ اسی کشاکش خیالات اور کشمکش امید و بیم کی حالت میں وقت گزرتا گیا۔ حتیٰ کہ مارچ کی بارہ تاریخ اور جمعرات کا دن آگیا۔ یہ دن میری پریشانی کو بہت بڑھا دینے والا تھا کیونکہ قادیان کے جو خطوط دوپہر سے پہلے

نہیں لیکن ایک دفعہ ان کے بھتیجے سید محمد ہاشم صاحب مرحوم نے بتایا تھا کہ مشہور تو یہی ہے کہ حضرت حافظ صاحب نے شادی نہیں کی لیکن ایک زمانے میں ایک خاتون حضرت حافظ صاحب کے ہاں رہتی تھیں اور کھانا پکایا کرتی تھیں۔ یہ خاتون بیوہ تھیں اور ان کا ایک بیٹا بھی تھا۔ حضرت حافظ صاحب نے اُس خاتون کو کہلا بھیجا کہ ایک نامحرم کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہنا شرعاً منع ہے اس لئے آپ مجھ سے نکاح پڑھوالیں۔ اگرچہ ہمارے تعلقات میاں بیوی جیسے نہیں ہوں گے لیکن شریعت کا تقاضہ پورا ہوجائے گا۔ (یہ الفاظ میرے ہیں، مفہوم جہاں تک یاد ہے یہی تھا) چنانچہ اُن خاتون سے حافظ صاحب کا نکاح ہوگیا۔ ان کے بچے کی حضرت حافظ صاحب نے اپنے بچے کی طرح پرورش کی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے لکھ دیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔"

حضرت حافظ صاحب کی روحانی فراست کا ایک منفرد اور تاریخی واقعہ

بیرونی جماعتوں کی بیعت کے بعض خاص واقعات

بیرونی جماعتوں میں سب سے پہلے شاہجہانپور کی جماعت نے بیعت کی۔ اس وقت کی جبکہ ابھی حضرت خلیفہ اول کی وفات کی کوئی اطلاع وہاں نہیں پہنچی تھی۔ یہ امر خالصتاً الٰہی تصرف کے تحت ہوا جس کی تفصیل حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری مدظلہ' کے الفاظ میں یہ ہے:۔

سیدنا و استاذنا حضرت مولانا حکیم الدین صاحب خلیفۃ المسیح کی طبیعت ناساز تو پہلے سے چلی آتی تھی مگر آخر فروری ۱۹۱۴ء میں جو ناسازی بڑھی تو بڑھتی چلی گئی۔ اور حضور کی حالت سے متعلق قادیان سے آنے والی ہر خبر پہلے سے آئی ہوئی خبر سے زیادہ حسرت خیز و دردانگیز آنے لگی۔ چونکہ حضور کی طرف سے بذریعہ اعلان یہ خبر شاہجہان پور پہنچ گئی تھی کہ عیادت کی غرض سے قادیان آنے کا ارادہ رکھنے والے اپنے اپنے مقام پر ہی دعائیں کرتے رہیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ اس لئے جس طرح اپنے مقام پر دعا جاری تھی۔ اسی طرح جاری رکھی گئی۔ فرداً فرداً بھی اور اوقات نماز کے بعد مجموعی طور پر بھی۔

جب نظر " واللہ غالب علیٰ امرہ " کی طرف جاتی تو امید میں بڑی وسعت پیدا ہوجاتی اور جب قادیان سے آئی ہوئی خبروں کی طرف آتی تو بڑی کوفت اٹھاتی۔ اسی کشاکش خیالات اور کشمکش امید و بیم کی حالت میں وقت گزرتا گیا۔ حتیٰ کہ مارچ کی بارہ تاریخ اور جمعرات کا دن آگیا۔ یہ دن میری پریشانی کو بہت بڑھادینے والا تھا کیونکہ قادیان کے جو خطوط دوپہر سے پہلے

پہنچے تھے وہ بھی تشویش انگیز تھے اور جو دوپہر کے بعد پہنچے وہ بھی۔ اب میری گھبراہٹ اور بے چینی اتنی بڑھ گئی کہ ایک گھنٹہ بھی کسی جگہ گزارنا مشکل ہوگیا۔ کبھی پائیں باغ میں چلا جاتا، کبھی مسجد میں اور کبھی پھر مکان میں آجاتا۔ رات بھی مکان اور مسجد میں جاتے آتے گزری۔ دعا ہر جگہ جاری رہی۔ لیکن تسکین کہیں بھی حاصل نہ ہو سکی۔ نماز فجر میں اور اس کے بعد بھی دعائے صحت کی گئی۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ جب احباب رخصت ہوگئے تو میں نے مکان میں آ کر ڈاک خانہ سے خطوط منگوائے۔ آج کے خطوط میں بھی کوئی بات تسلی بخش نہ تھی۔ بلکہ کل کے خطوط سے زیادہ دل شکن مگر نہ ایسی جس سے یہ ظاہر ہو سکے کہ حضرت خلیفہ ءاول کی وفات میں اب چند گھنٹے رہ گئے ہیں۔ خطوط میں تو دو روز پہلے کا حال تھا۔ اور حالت دم بدم نازک ہوتی جا رہی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ نماز جمعہ یا تو حضرت والد ماجد پڑھا دیں یا عزیزی حافظ سخاوت علی۔ مگر مجھی کو پڑھانی پڑی اور اس نماز میں مجھ پر ایک ایسی حالت وارد ہوئی جو پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ میں اب تک نمازوں میں حضور کی صحت کے لئے جو دعائیں کرتا رہا تھا ان میں دل میری زبان کا ساتھ دیتا تھا۔ فجر کی نماز میں بھی یہی ہوا تھا۔ مگر نماز جمعہ میں دل نے میری زبان کا ساتھ نہ دیا۔ اس نامانوس حالت نے جو غالباً" اسی وجہ سے مجھ پر وارد کی گئی تھی مجھے یقین دلا دیا کہ مرشدی و مولائی مطاعی و ملاذی حضرت خلیفہ ء اول اس دنیا میں موجود نہیں۔ اعلیٰ علیین کی طرف رحلت فرما چکے ہیں۔ نماز ختم کرتے ہی یہ اعلان کر دیا گیا کہ سنت و نفل نماز پڑھنے کے بعد کوئی صاحب تشریف نہ لے جائیں۔ سب مسجد ہی میں موجود رہیں۔ میں نے باقی نماز پڑھنے کے بعد مکان سے قلم دوات اور کاغذ منگوا کر اور کف دست کے برابر بہت سے ٹکڑے کر کے سامنے رکھ لئے۔ میں اس وقت مسجد کے جنوبی دیوار سے ملا ہوا شمال کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھا تھا۔ اسی جگہ کھڑے ہو کر میں نے احباب کو خطاب شروع کر دیا۔ ابھی چند ہی الفاظ زبان سے نکلے ہونگے۔ کہ حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔

ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے خلیفہ کا انتخاب درست نہیں۔ میں بیٹھ گیا۔ اور میں نے عرض کیا۔ کہ میں اس وقت کسی کے انتخاب یا کسی کی بیعت کے لئے احباب سے کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ بلکہ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب کبھی ان کے رائے کی ضرورت پیش آئے تو اس وقت ان کی رائے کیا ہوگی؟ میں چاہتا ہوں کہ احباب میں سے کسی ایک دوست کی رائے بھی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اور حضور کے خلیفہ برحق مولوی نورالدین صاحب کے مسلک سے خلاف نہ ہو۔ اور میں اس وقت اس کارروائی پر خود بخود آمادہ نہیں ہوا بلکہ اس حالت نے، جو نماز جمعہ میں حضرت خلیفتہ المسیح کے لئے دعائے صحت کرتے ہوئے مجھ پر وارد ہوئی اور جسے اس وقت ظاہر کرنا مناسب نہیں، مجھے آمادہ کیا تھا۔ میری اس گزارش پر حضرت والد صاحب نے یہ فرمایا۔ کہ یہ بات ہے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ مجھے بولنے کی اجازت دیدی۔ اور میں نے احباب کو خطاب کیا کہ اس وقت نہ تو کسی کا نام پیش کرنا چاہتا ہوں اور نہ اس وقت کے لئے آپ سے کوئی رائے چاہتا ہوں۔ میرا مقصود یہ ہے کہ آپ کی آراء اس وقت کے لئے محفوظ ہو جائیں جس وقت کہ ان کی ضرورت پیش آئے۔ اور اس کے لئے میری تجویز یہ ہے کہ آپ جس کے لئے رائے دینا چاہتے ہوں کاغذ کے پرچوں کی گڈی میں سے جو سامنے رکھی ہے۔ ایک پرچہ پر اس کا نام لکھ دیں۔ اس احتیاط سے کہ دوسرا آپ کے لکھے ہوئے نام سے واقف نہ ہو سکے۔ پھر آپ اس پرچہ کو الٹا کر کے میرے سامنے رکھے ہوئے کاغذ کے بڑے اوراق پر رکھتے جائیں۔ اور نام اس شخص کا لکھیں جس کو آپ کا دل بہر لحاظ اس منصب عالی کا اہل اور مستحق قرار دیتا ہو۔ ہر شخص کی رائے ذاتی ہو اور کسی دوسرے کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے نہ ہو اور نام لکھتے وقت اعوذ اور بسم اللہ ضرور پڑھ لی جائے۔ یہ امور اچھی طرح واضح کر دینے کے بعد میں نے کاغذ کے پرچوں کی گڈی سب سے پہلے اپنے والد ماجد صاحب کی خدمت میں پیش کی۔ اور آپ نے پرچہ میں نام لکھ کر الٹ کر

پہنچے تھے وہ بھی تشویش انگیز تھے اور جو دوپہر کے بعد پہنچے وہ بھی۔ اب میری گھبراہٹ اور بے چینی اتنی بڑھ گئی کہ ایک گھنٹہ بھی کسی جگہ گزارنا مشکل ہوگیا۔ کبھی پائیں باغ میں چلا جاتا، کبھی مسجد میں اور کبھی پھر مکان میں آجاتا۔ رات بھی مکان اور مسجد میں جاتے آتے گزری۔ دعا ہر جگہ جاری رہی۔ لیکن تسکین کہیں بھی حاصل نہ ہوسکی۔ نماز فجر میں اور اس کے بعد بھی دعائے صحت کی گئی۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ جب احباب رخصت ہوگئے تو میں نے مکان میں آ کر ڈاک خانہ سے خطوط منگوائے۔ آج کے خطوط میں بھی کوئی بات تسلی بخش نہ تھی۔ بلکہ کل کے خطوط سے زیادہ دل شکن مگر نہ ایسی جس سے یہ ظاہر ہوسکے کہ حضرت خلیفہ ء اول کی وفات میں اب چند گھنٹے رہ گئے ہیں۔ خطوط میں تو دو روز پہلے کا حال تھا۔ اور حالت دم بدم نازک ہوتی جارہی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ نماز جمعہ یا تو حضرت والد ماجد پڑھا دیں یا عزیزی حافظ سخاوت علی۔ مگر مجھی کو پڑھانی پڑی اور اس نماز میں مجھ پر ایک ایسی حالت وارد ہوئی جو پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ میں اب تک نمازوں میں حضور کی صحت کے لئے جو دعائیں کرتا رہا تھا ان میں دل میری زبان کا ساتھ دیتا تھا۔ فجر کی نماز میں بھی یہی ہوا تھا۔ مگر نماز جمعہ میں دل نے میری زبان کا ساتھ نہ دیا۔ اس نامانوس حالت نے جو غالباً" اسی وجہ سے مجھ پر وارد کی گئی تھی مجھے یقین دلا دیا کہ مرشدی و مولائی مطاعی و ملاذی حضرت خلیفہ ء اول اس دنیا میں موجود نہیں۔ اعلیٰ علیین کی طرف رحلت فرما چکے ہیں۔ نماز ختم کرتے ہی یہ اعلان کردیا گیا کہ سنت و نفل نماز پڑھنے کے بعد کوئی صاحب تشریف نہ لے جائیں۔ سب مسجد ہی میں موجود رہیں۔ میں نے باقی نماز پڑھنے کے بعد مکان سے قلم دوات اور کاغذ منگوا کر اور کف دست کے برابر بہت سے ٹکڑے کرکے سامنے رکھ لئے۔ میں اس وقت مسجد کے جنوبی دیوار سے ملا ہوا شمال کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھا تھا۔ اسی جگہ کھڑے ہوکر میں نے احباب کو خطاب شروع کردیا۔ ابھی چند ہی الفاظ زبان سے نکلے ہونگے۔ کہ حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔

ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے خلیفہ کا انتخاب درست نہیں۔ میں بیٹھ گیا۔ اور میں نے عرض کیا۔ کہ میں اس وقت کسی کے انتخاب یا کسی کی بیعت کے لئے احباب سے کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ بلکہ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب کبھی ان کے رائے کی ضرورت پیش آئے تو اس وقت ان کی رائے کیا ہوگی؟ میں چاہتا ہوں کہ احباب میں سے کسی ایک دوست کی رائے بھی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اور حضور کے خلیفہ برحق مولوی نورالدین صاحب کے مسلک سے خلاف نہ ہو۔ اور میں اس وقت اس کارروائی پر خود بخود آمادہ نہیں ہوا بلکہ اس حالت نے، جو نماز جمعہ میں حضرت خلیفۃ المسیح کے لئے دعائے صحت کرتے ہوئے مجھ پر وارد ہوئی اور جسے اس وقت ظاہر کرنا مناسب نہیں، مجھے آمادہ کیا تھا۔ میری اس گزارش پر حضرت والد صاحب نے یہ فرمایا۔ کہ یہ بات ہے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ مجھے بولنے کی اجازت دیدی۔ اور میں نے احباب کو خطاب کیا کہ اس وقت نہ تو کسی کا نام پیش کرنا چاہتا ہوں اور نہ اس وقت کے لئے آپ سے کوئی رائے چاہتا ہوں۔ میرا مقصود یہ ہے کہ آپ کی آراء اس وقت کے لئے محفوظ ہوجائیں جس وقت کہ ان کی ضرورت پیش آئے۔ اور اس کے لئے میری تجویز یہ ہے کہ آپ جس کے لئے رائے دینا چاہتے ہوں کاغذ کے پرچوں کی گڈی میں سے جو سامنے رکھی ہے۔ ایک پرچہ پر اس کا نام لکھ دیں۔ اس احتیاط سے کہ دوسرا آپ کے لکھے ہوئے نام سے واقف نہ ہوسکے۔ پھر آپ اس پرچہ کو الٹا کر کے میرے سامنے رکھے ہوئے کاغذ کے بڑے اوراق پر رکھتے جائیں۔ اور نام اس شخص کا لکھیں جس کو آپ کا دل بہر لحاظ اس منصب عالی کا اہل اور مستحق قرار دیتا ہو۔ ہر شخص کی رائے ذاتی ہو اور کسی دوسرے کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے نہ ہو اور نام لکھتے وقت اعوذ اور بسم اللہ ضرور پڑھ لی جائے۔ یہ امور اچھی طرح واضح کردینے کے بعد میں نے کاغذ کے پرچوں کی گڈی سب سے پہلے اپنے والد ماجد صاحب کی خدمت میں پیش کی۔ اور آپ نے پرچہ میں نام لکھ کر الٹ کر

رکھ دیا۔ پھر اسی طرح ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ سب پرچوں پر نام لکھے جاچکے تو میں نے گڈی اٹھا کر الٹی۔ اور حضرت والد ماجد صاحب کا پرچہ سامنے آیا۔ اس پر آپ نے لکھا تھا۔ صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب۔ اس کے بعد میں ہر پرچہ کو دیکھتا ہوا آخر پرچہ تک پہنچ گیا۔ نام کے لکھنے میں الفاظ کا فرق تو تھا۔ کسی نے حضرت میاں محمود احمد صاحب لکھا تھا۔ کسی نے حضرت میاں صاحب اور کسی نے حضرت صاحبزادہ صاحب مگر تمام لکھنے والوں میں سے ایسا ایک بھی نہ تھا جس نے حضرت خلیفہ ثانی کے سوا کسی اور کا نام لکھا ہو۔ میں نے اس وقت یہ تو ظاہر نہیں کیا کہ دوستوں نے کس کا نام لکھا ہے۔ صرف اتنا کہہ دیا کہ سب دوستوں نے ایک ہی نام لکھا ہے۔ میں نے اس موقع پر کھلے الفاظ میں یہ ظاہر نہیں کیا تھا۔ کہ میرے خیال میں حضرت خلیفہ اول وفات پاچکے ہیں۔ لیکن جیسا کہ اس تحریر میں ظاہر کرچکا ہوں مجھے یہی یقین تھا اور نام لکھوانے کی کارروائی اسی یقین کی وجہ سے کی تھی۔ اور حضرت والد ماجد بھی میرے ان معروضات سے جس پر آپ نے دوبارہ مجھے بولنے کی اجازت دی تھی' یہ سمجھ گئے تھے کہ اس کے خیال میں حضرت خلیفہ ء اول زندہ نہیں ہیں۔ اسی بناء پر میں نے نام لکھوانے کی کوشش کی اور اسی بناء پر مجھے یہ ضرورت معلوم ہوئی کہ نام لکھے ہوئے کاغذ کے پرچے آج ہی قادیان بھیج بھی دئے جائیں۔ اس کام کے لئے میں نے بابو محمد علی خانصاحب شاہجہانپوری کو تجویز کیا۔ اگرچہ انہوں نے بھی کاغذ کے پرچے پر تو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا نام مبارک ہی لکھا تھا۔ تاہم چونکہ جناب خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب سے ان کے تعلقات بہت گہرے تھے اس لئے مجھے انہیں کا بھیجنا زیادہ ضروری معلوم ہوا اور میں نے ان سے کہا کہ آپ قادیان جانے کے لئے تیار ہو کر آئیں۔ اور اسٹیشن کو اسی سڑک سے جائیں۔ میں مسجد ہی میں آپ کا منتظر رہونگا۔ وہ مغرب سے ایک گھنٹہ پہلے یکے میں پہنچے۔ میں انہیں دیکھتے ہی مسجد سے ان کے پاس پہنچا۔ اور ان سے کہا کہ میں مریض ہونے کی

وجہ سے سفر کے لائق نہیں ورنہ میں بھی آپ کے ساتھ ہی روانہ ہو جاتا اور یہ نام لکھے ہوئے پرچے اپنے ساتھ لئے جائیں۔ اور ضرورت پیش آنے پر ان سے کام لیں۔ آپ کو سہارنپور کے اسٹیشن پر پہنچ کر یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں نے کس غرض سے آپ کو قادیان بھیجا ہے۔ یہ کہہ کر نام لکھے ہوئے پرچوں کا لفافہ میں نے ان کے حوالے کر دیا۔ وہ ہفتہ کے روز دوپہر سے پہلے قادیان پہنچ گئے۔ اس وقت سے لے کر بیعت (خلافت ثانیہ) تک ساری کارروائیاں ان کے سامنے ہوئیں انہیں یہ علم تو تھا کہ خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب حضرت صاحبزادہ صاحب سے اختلاف رکھتے ہیں مگر وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ جناب مولوی صاحب تو سرے سے مسئلہ خلافت ہی سے روگرداں ہو چکے ہیں ان سے ان کو بڑی کوفت ہوئی اور وہ اکثر اس کا ذکر کیا کرتے تھے"۔

(منقول از "تاریخ احمدیت" جلد پنجم، صفحہ ۱۲۱ تا ۱۲۴)

257 Cowley Road
Oxford
OX4 1XA. 15.5.95

Dear Saleem Shahjehanpuri,
arsalamo alaikum

I thank you for your letter in which you asked me to write about some of my recollections of Hazrat Hafiz Syed Mukhtar Ahmad Sahib Shahanjehanpuri

I remember very little of details of my conversations with him. I used to visit him in his room in the Mehman khana (guest houre), Qadian, in 1945. I was much influenced by the spiritual bright countenance of Hazrat Khalifatul Masih II. I remember once asking Hafiz Mukhtar Ahmad Sahib whether the countenance of the Promised Messiah was more bright in countenance than Hazrat Khalifatul Masih II. He replied that the Promised Messiah's countenance was more bright. He always sat on the centre of his charpoy (bed), covered with a white sheet, when talking to his visitors. In 1947 I took a short moving film of him with two other persons. I still possess it. Ten years later after my marriage in Rabwah he gave me a gift of ten rupees and once said, while visiting him in his room in Rabwah, words to the effect that from among foreign converts he had met, I was his favourite.

Yours Sincerely. Bashir Ahmad Orchard

N.B I have given to Mr Naser Dehlavi a photo of Hafiz Mukhtar Ahmad Sahib which I took in Qadian, 1947.

ترجمہ مکتوب انگریزی جناب بشیر احمد آرچرڈ صاحب مربی سلسلہ مقیم آکسفورڈ

۲۵۷ کاؤلی روڈ - آکسفورڈ
۱۵ر مئی ۱۹۹۵ء

پیارے سلیم شاہجہانپوری صاحب- السلام علیکم!

میں آپ کے اس مکتوب کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس میں آپ نے حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کے بارے میں مجھے اپنی کچھ یادداشتیں قلمبند کرنے کے لئے تحریر کیا ہے-

مجھے ان سے گفتگو کی تفصیلات کے بارے میں بہت کم یاد رہ گیا ہے- میں ۱۹۴۵ء میں مہمان خانہ (گیسٹ ہاؤس) قادیان میں ان کے کمرے میں ملاقات کے لئے جایا کرتا تھا- میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے پر نور روحانی چہرے سے بہت متاثر تھا- مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت حافظ صاحب سے سوال کیا کہ کیا حضرت مسیح موعود کا چہرہ مبارک حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے چہرے سے زیادہ پر نور تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت مسیح موعود کا چہرہ مبارک زیادہ نورانی تھا-

وہ (حضرت حافظ صاحب) اپنے ملاقاتیوں سے گفتگو کے دوران ہمیشہ اپنی چارپائی کے درمیان جس پر سفید چادر بچھی ہوتی تھی تشریف فرما ہوتے تھے-

میں نے ۱۹۴۷ء میں دو اور اصحاب کے ساتھ ان کی ایک چھوٹی سی متحرک فلم بنائی تھی جو اب تک میرے پاس موجود ہے- دس سال بعد ربوہ میں میری شادی کے موقع پر انہوں نے مجھے دس روپیہ بطور تحفہ عنایت فرمائے اور ایک مرتبہ ربوہ میں ان کے کمرے میں ملاقات کے دوران انہوں نے ارشاد فرمایا کہ جتنے بھی غیر ملکی نو مبائعین سے میری ملاقات ہوئی ہے' آپ مجھے ان سب سے زیادہ عزیز ہیں-

آپ کا مخلص
بشیر احمد آرچرڈ

پس نوشت :
میں نے مکرم ناصر دہلوی کو حضرت حافظ صاحب کی ایک فوٹو دے دی ہے' جو میں نے ۱۹۴۷ء میں قادیان میں اتاری تھی-

منظومات

(نعت، قصیدے، مخمس اور تضمین وغیرہ)

نعت

سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت اقدس محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ اللہ شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم
عرش عظیم ایوان محمد صلی اللہ علیہ وسلم

پیش نظر ہے شان محمدؐ، ذہن میں ہیں احسان محمدؐ
کیوں نہ ہوں پھر قربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

دل شیدائے آنِ محمدؐ، روح فدائے شانِ محمدؐ
وجد میں ہیں مستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بے تعداد احسان محمدؐ، بے پایاں فیضانِ محمدؐ
رحمتِ حق قربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

از آدمؑ تا حضرت عیسٰیؑ سب عالی رتبہ ہیں لیکن
اور ہی کچھ ہے شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سب سے بہتر سب سے اعلٰی سب اعجاز رسل سے بالا
معجزۂ قرآنِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

عاقل پر کرتا ہے ہویدا ان ھو الا وحیٌ یوحٰی
توقیر فرمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اے پرسانِ شانِ محمدؐ، جویائے فیضانِ محمدؐ
دیکھ ذرا قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم

عین عنایت، چشمۂ رحمت، بحرِ حقیقت، حسن رسالت
خلقِ عالی شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آدمؑ و لوطؑ و ابراہیمؑ و داودؑ و عیسٰیؑ و موسٰیؑ
سب ہیں ثناگویانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

صدیوں کے مردوں کو جلایا، پیغام توحید سنایا
روحِ رواں قربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

لرزاں تھے شاہانِ زمانہ، حیرت میں ہر اک فرزانہ
کیا تھی شوکت و شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

امن جہاں قائم فرمایا، جو جس کا حق تھا دلوایا
قربانِ فرمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سارے بد افعال چھڑائے سب عمدہ اخلاق سکھائے
جانِ جہاں قربان محمد صلی اللہ علیہ وسلم

راحت پر راحت دیتا ہے کیا دلکش موجیں لیتا ہے — دریائے فیضانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
صبحِ روزِ ازل سے لیکر ختم نہیں تا شامِ محشر — سلسلۂ احسانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
سبحان اللہ کیا کہنا ہے سینوں سے دل کھینچ رہا ہے — جذبِ بے پایانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
گو کیسا ہی سحر بیاں ہو لیکن ناممکن جو بیاں ہو — تفصیلِ فیضانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
آپ کا ثانی ہو نہ ہوا ہے، دنگ ہے جس نے دیکھ لیا ہے — کچھ حُسن و احسانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
مشرقِ وحدت، مہرِ رسالت، آیۂ قدرت، سایۂ رحمت — ذاتِ عالی شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم

اپنے ہوں یا بیگانے ہوں مُسلم ہوں یا نامُسلم
سب پر ہے احسانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم

لوگو! اس درجہ حق پوشی، یہ سختی یہ ناحق کوشی — یہ توہینِ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
اے اہلِ انصاف بتاؤ، صاف کہو تم صاف بتاؤ — کیا ہے یہی شایانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
لوگو! شرم و حیا بھی کچھ ہے آخر خوفِ خدا بھی کچھ ہے — یہ تحقیرِ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
کون محمد؟ ہادیٔ اعظمؐ، کون محمد؟ محسنِ عالمؐ — ہر مسلم قربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
کون محمد؟ ماہِ مروت، کون محمد؟ چشمۂ رحمت — فہم سے برتر شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
کچھ اس جور و جفا کی حد بھی، ظلم زلزلہ زا کی حد بھی — اے بدخواہِ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
زہریلی گفتار کہاں تک اور اسکی تکرار کہاں تک — حیف! اے بدخواہانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
یہ آزار رسانی تا کے، تا کے تلخ بیانی تا کے — شرم! اے بدگویانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
بارشِ تیرِ ظلم و ستم نے سینے کر دیئے چھلنی لیکن — ضبط! اے جانبازانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
وہ متجاوز ہو نہیں سکتے دائرہ آئین وفا سے — جو ہیں رضا جویانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
گو باقی نہ ہو ضبط کا یارا لیکن مطلب کیا ہے تمہارا — تعمیلِ فرمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم

فرمانِ آنحضرتؐ کیا ہے کیا ہے حکمِ شریعت کیا ہے — غور کر اے خواہانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
جو نہ سُنے احکامِ شریعت جو نہ کرے قانون کی عزت — وہ ہے نافرمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم

گرد و غبارِ حرص و ہوا سے صاف ہے بالکل فضلِ خدا سے — آئینۂ دامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
ہر شجر آخر اپنے پھلوں سے ہی پہچانا جاتا ہے — دیکھ سوئے غلمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
سیدنا صدیقِ مکرمؓ، سیدنا فاروقِ اعظمؓ — سرخیلِ یارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
سیدنا عثمانِ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ — خواہانِ رضوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
حضرت اسد اللہ الغالب، سیدنا ابن ابوطالب — سرتاجِ اخوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
جامعِ درویشی و شاہی، نافعِ مخلوقاتِ الٰہی — کون؟ یہی یارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
حامیٔ مہر و صدق و صفا تھے، ماحیٔ ظلم و جور و جفا تھے — اصحابِ ذی شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
کانِ صفا تھے، باغِ وفا تھے، ابرِ سخا تھے، بحرِ عطا تھے — انصار و اعوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
خوش اطوار و نیک طبیعت، پاک دل و پاکیزہ فطرت — جملہ مقبولانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
سیدنا حسنینؓ کی حالت کر دیتی ہے محوِ حیرت — یہ ہیں فرزندانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
کامل تھے تسلیم و رضا میں، جانیں دیدیں راہِ خدا میں — لیکن رکھ لی آنِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
کس درجہ رکھتے تھے لطافت کیسی رنگت کیسی نکہت — گلہائے بستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
حضرت موسیٰؑ ہوں یا عیسیٰؑ ایک کے یاروں نے بھی نہ پایا — اخلاصِ یارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
اے گل ایمان ڈھونڈنے والے کانٹوں سے دامن کو بچا لے — کر سیرِ بستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
نفسِ دنی پر غالب آجا، آجا حق کے طالب آجا — وا ہے درِ فیضانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم

توڑ علائق کی زنجیریں، چھوڑ تصنع کی تقریریں — آ زیرِ فرمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
نقش دوئی کو دل سے مٹادے نعرہ الا اللہ لگادے — آ ذیلِ مستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
آپ سا ہادی آپ سا محسن، ناممکن بالکل ناممکن — سب سے اعلیٰ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
آپ ہیں آقا آپ ہیں مولا، آپ ہیں ملجا، آپ ہیں ہادی — قربان ہر شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
نکہت گل ہیں شمع سبل ہیں، ہادی کل ہیں ختم رسل ہیں — کیا ہو بیان شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
سب سے مکرم سب سے معظم، ہادی اعظم محسن عالم — سبحان اللہ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
آپ ہیں آقا آپ ہیں مولا، آپ ہیں ملجا آپ ہیں ہادی — موجب حیرت شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
حد شرک سے باہر رہیئے پھر جو کچھ جی چاہے کہئے — سب شایانِ شایانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اے کہ جسے لاحق ہے سراسر خوف تابِ مہرِ محشر — آ زیرِ دامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
آپ فدائے خلق خدا ہیں، آپ شفیع روزِ جزا ہیں — مژدہ اے خواہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم
جملہ اصولوں سے ہے نرالا، فہم بشر سے ارفع و اعلیٰ — ہر ہر جلوۂ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
آپ نے سب پر شفقت کی ہے سب کو دین کی دعوت دی ہے — عالم ہے مہمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اے جویائے ہدایت آجا، آجا طالب جنت آجا — جنت ہے بستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ہمت والو نیک جوانو، شمع رسالت کے پروانو — دیکھو تو فرمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
بیداری کا وقت یہی ہے، تیاری کا وقت یہی ہے — ہشیار اے شیرانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
خود جاگو اوروں کو جگادو عالم میں اک دھوم مچادو — اے غیرت مندانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
موقع ہے یہی نصرتِ دین کا وقت نہیں واللہ نہیں کا — ہاں اے شیدایانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
دشت و جبل میں بحر رواں میں سارے عرض و طول جہاں میں — پہنچا دو فرمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مشرق کو مغرب سے ملادو، کونے کونے میں پہنچادو — تذکرۂ احسانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ہو جو مقابل سارا جہاں ہے لو یہ گو ہے یہ چوگان ہے — اور یہ ہے میدانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کچھ ہو لیکن آن نہ جائے ہاتھ سے یہ میدان نہ جائے — ہمت اے مردانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
بات تو جب ہے دیکھ لیں یکسر دنیا کے سب اسود و احمر — جلوۂ حسن شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
عالم کو سرمست بنادو سب کو تا امکان چکھا دو — صہبائے عرفان محمد صلی اللہ علیہ وسلم
بخت رسا پر نازاں ہوں میں فضل خدا پر نازاں ہوں میں — پایا ہے فیضانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ناممکن ہے ناممکن ہے مجھ سے ادا ہو کیا ممکن ہے — کچھ شکر احسانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
میں ہوں اور احسانِ محمدؐ لطف بے پایان محمدؐ — دستِ من و دامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

شور صلِّ علیٰ ہر سو ہے کیوں نہ ہو اے مختار کہ تو ہے
نغمہ خوانِ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم



قصیدہ

بعض خدمات سلسلہ بجا لانے کی غرض سے جن دنوں حضرت حافظ صاحب قادیان میں سکونت پذیر تھے تو حضرت یعقوب علی عرفانی ایڈیٹر "الحکم" نے حضرت حافظ صاحب کو حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی شان میں قصیدہ لکھنے کی طرف توجہ دلائی جس کے جواب میں یہ لاجواب قصیدہ منظر عام پر آیا یہاں ایڈیٹر صاحب "الحکم" کے نوٹ کے ساتھ شامل کتاب کیا جاتا ہے

قصیدہ

دشمنوں کی ہے یہ خواہش مجھے دیکھیں ابتر

ازجناب حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری

اس موضوع کو حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری نے "الحکم" کے خاص نمبر کے لئے نظم کیا ہے اور بتلایا ہے کہ دشمن کیا چاہتے تھے اور خدا نے کیا کیا چونکہ حافظ صاحب نے اپنی گوناگوں مصروفیتوں اور بیماری کے باوجود یہ قصیدہ ہماری درخواست پر تصنیف فرما کر مرحمت فرمایا ہے اس لئے خاص شکریہ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔ مدت ہوئی کہ حافظ صاحب بعض خدمات سلسلہ انجام دینے کی غرض سے یہیں (قادیان میں) مقیم ہیں اور ابھی چند روز اور یہیں قیام رہے گا۔

(ایڈیٹر)

قطعہ

اخویم حضرت یعقوب علی عرفانی / خیر اندیش و وفا کیش و محبت پرور
آپ نے مجھ سے کئی بار جو فرمائش کی / اُسی اخلاص و توجہ کا ہے یہ خاص اثر
ورنہ میرے لئے فی الحال یہ موقع کب تھا / آپ کو بھی مری مصروفیتوں کی ہے خبر
اور پھر شیب کے عالم میں کہاں رنگِ شباب / نہ وہ تیزی ہے نہ وہ سیفِ زباں میں جوہر
ضعف سے دل ہی ٹھکانے ہے نہ قابو میں دماغ / طائرِ فکر ہے ڈالے ہوئے گویا شہپر
بحرِ ذخارِ مضامین سے ہو کس طرح عبور / کشتیٔ طبعِ رواں جب ہو گستہ لنگر
طائرِ ذہنِ رسا سیرِ فلک بھول گیا / کہ وہ ہے اور نگہبانیٔ جائے بستر
میں کہاں اور کہاں مشغلۂ شعر و سخن / فقط ارشاد کی تعمیل ہے اے نیک سیر

اب سے اٹھتیس برس پہلے کی ہوگی یہ بات
اپنے لفظوں میں سناتا ہے جسے آج احقر

اللہ اللہ وہ اعجازِ لبِ جاں پرور / کلمہ پڑھنے لگیں جس سے بتانِ آذر
خوش ترآں وقت کہ تھا حاضرِ خدمت میں بھی / آہ وہ مجلسِ پاک آج بھی ہے پیشِ نظر
حُسنِ الفاظ و معانی سببِ راحتِ روح / دل نشیں طرزِ سخن، لطفِ بیاں وجد آور
اللہ اللہ وہ اندازِ وقارِ مجلس / اللہ اللہ وہ دلچسپ وہ دلکش منظر
یاس طرح حلقۂ خدام میں تھے مہدیٔ دین / جلوہ گر محفلِ انجم میں ہو جس طرح قمر

اللہ اللہ وہ نزولِ برکات و انوار   اللہ اللہ وہ کشودِ درِ چرخِ اخضر
اللہ اللہ وہ حقائق وہ معارف وہ نکات   اللہ اللہ وہ دہنِ شستہ حوضِ کوثر
فرحتِ قلب سے حُضّار کی نظریں روشن   صورتیں فرطِ مسرت سے بہ رنگِ گلِ تر
سُن رہے تھے ہمہ تن گوش بنے وہ تقریر   جس کے الفاظ تھے گل اور معانی گوہر
کون تھا صاحبِ تقریر؟ مسیحِ موعودؑ   مہبطِ روحِ امین ، موردِ فضلِ داور

آپ نے اپنی صداقت کے دیئے ایسے ثبوت
جن کو سُن کر علماء و فضلا ہوں ششدر

فقرے فقرے میں وہ تاثیر کہ سبحان اللہ   روح سامع سے صدا اٹھتی تھی بہتر بہتر
بات یہ بھی اُسی تقریر میں پھر فرمادی   دشمنوں کی ہے یہ خواہش مجھے دیکھیں ابتر
مشورے ہوتے ہیں آپس میں بھی اُن سب کے   کہ مری راہ میں برپا کریں کچھ فتنہ و شر
مفتری کوئی سمجھتا ہے تو کوئی مجنون   کوئی ساحر مجھے کہتا ہے کوئی شعبدہ گر
آرزو ہے انہیں ہر دم مری بربادی کی   اسی کوشش میں اسی فکر میں ہیں شام و سحر
لیکن اُن کی یہ تمنا نہ بر آئے گی کبھی   بلکہ وہ میری جگہ خود ہی اٹھائیں گے ضرر
اس میں کچھ شک نہیں یہ بات ہے لاریب درست   یہی قرآن میں ہے قولِ خدائے برتر
فضل کرتا ہے خدا اور تو سب پر لیکن   مفتری کا نہیں ہوتا نہیں ہوتا یاور
مفتری کا کبھی ہوتا نہیں انجام بخیر   مرگِ ناکامی و حسرت سے نہیں اُس کو مفر
مفتری کے لئے راحت کا نہیں کوئی مقام   نارِ حسرت ہے یہاں اور وہاں نارِ سقر
اور جو مُلہم صادق ہو وہ پائے گا فلاح   آخر اُس کے لئے وا ہوں گے درِ فتح و ظفر
اُس کو اندیشۂ شمشیرِ مکذب کیا ہو   کہ ہے صادق کے لئے ذاتِ الٰہی مغفر

میں جو کاذب ہوں تو پھر کذب کی پاؤں گا سزا   اور صادق ہوں تو منکر کا ہے انجام ابتر
کبھی مامور من اللہ نہ ہوگا ناکام   یاد رکھیں، اسے لکھ رکھیں عدوئے خود سر
یہ تو سچ ہے کہ ابھی میری جماعت ہے قلیل   اور اُس پر ہے یہ طرّہ غربا ہیں اکثر
اس کے افراد کو اغیار سے نسبت ہی نہیں   کہ نہ یہ صاحبِ طاقت ہیں نہ یہ صاحبِ زر
اپنے ہی ضعف سے ہے اک تو سنبھلنا دشوار   اور پھر درپے تخریب ہے دنیا یکسر
نت نئے فتنے اُٹھاتا ہے گروہِ علماء   ہر طرف آتشِ تکفیر کے اُڑتے ہیں شرر
مجھ سے برگشتہ و برہم اُمراء و روساء   مشتعل عامۃ الناس، مخالف لیڈر
اِس طرف میرے موافق کہیں دو ہیں کہیں ایک   اُس طرف دشمنِ خونخوار ہیں لشکر لشکر
حال ظاہر ہو جو ملحوظ تو صورت یہ ہے   صیدِ لاغر ہو اِدھر اور اُدھر شیر ببر
باوجودیکہ تناسب نہیں باہم کچھ بھی   باوجودیکہ بڑا فرق ہے دونوں میں مگر

وقت آتا ہے کہ دی جائے گی شہرت مجھ کو
وقت آتا ہے کہ دنیا کا بنوں گا رہبر

ہر طرف میرے خیالات کو غلبہ ہوگا   زیر ہو جائیں گے وہ جو نظر آتے ہیں زبر
میں ہوں اک شمع تہ سایۂ دستِ قدرت   مجھ کو گُل کر نہیں سکتی کبھی بادِ صرصر
میں وہ ذرّہ ہوں کہ خورشید ہے جس میں پنہاں   میں وہ قطرہ ہوں کہ رکھتا ہے جو دریا در بر
وہ ترقی مجھے ملنی ہے کہ اللہ غنی   آج اک تخم ہوں کل میں نظر آؤں گا شجر
میرے ہی سایہ میں خلقت کو ملے گا آرام   حیف اُس پر مری جانب جو اٹھاتا ہے تبر
چند ہی روز میں پستی ہے مبدل بہ عروج   دیکھتے دیکھتے بن جائے گا ذرّہ نیّر
ہے یقینی مرے اقوال کا پورا ہونا   کہ یہ ہیں وحیِ الٰہی سے نہ از رمل و جفر

سُن لیا سب نے یہ ارشادِ مسیحائے زماں
اب وہ سوچیں جنہیں ہو خطرۂ روزِ محشر

مفتری پر بھی کہیں فضلِ خدا ہوتا ہے
کہیں اُس پر بھی کھُلا کرتے ہیں الطاف کے در

قول صادق یہ نہیں تھا تو ہوا کیوں پورا
شاخ جو خشک ہو وہ بھی کہیں لاتی ہے ثمر

تخم تھا سلسلۂ احمدیہ اب ہے درخت
پہلے اصغر تھا تو اب فضلِ خدا سے اکبر

پہلے قطرہ تھا تو یہ آج ہے بحرِ موّاج
پہلے ذرّہ تھا تو اب صورتِ مہرِ انور

احمدی خدمتِ اسلام میں رہتے ہیں دواں
سرعتِ سیر سے گویا ہیں طلسمی پیکر

بہرِ تبلیغ کبھی روندتے ہیں پشتِ زمیں
کبھی یہ چیرتے پھرتے ہیں سمندر کا جگر

ایشیا میں یہ کبھی ہیں کبھی امریکا میں
کبھی درپیش انھیں افریقہ و یورپ کا سفر

کہہ رہی ہے یہ پکارے روشِ مستانہ
"شیر قالین ہے دگر شیر نیستاں دیگر"

یہ بہر کیف ہیں مستِ مئے عشقِ توحید
گو وہ کوئی سی بھی حالت ہو سفر ہو کہ حضر

غیر ملکوں میں بھی اب انجمنیں ہیں قائم
اس سے قطعِ نظر اسود ہوں کہ ہوں وہ احمر

یہ حقیقت ہے کسی سے بھی جو چھپنے کی نہیں
خواہ وہ مولوی صاحب ہوں کہ مسٹر ہوں کہ سَر

احمدی عرصۂ توحید میں ہیں بے ہمتا
آج اُن کا کوئی ثانی ہے نہ کوئی ہمسر

نہیں اس میں کوئی گنجائشِ تکرار نہیں
کہ زمانے میں ہے یہ بات من الشمس اظہر

الغرض احمدیت پھیل چکی ہے ہر سمت
لیکن اس پر بھی کسی کو جو نہ آئے باور

تو پھر اس کے لئے اک سہل سی تجویز یہ ہے
جو ہے بہرِ خس و خاشاک تو ہم اخگر

کہ وہ انصاف و خدا ترسی و حق جوئی سے
اک ذرا دیکھ لے قولِ ظفرِ سعد اختر

آپ بھی با دلِ ناخواستہ فرماتے ہیں
آپ کو بھی ہے یہ اقرار بصد خوف و خطر

ہند ہی تک نہ رہا سلسلۂ احمدیہ
بلکہ اب غیر ممالک میں بھی ہے اس کا گزر

ہیں اِدھر چین میں شاخیں تو اُدھر یورپ میں
ہر طرف پھیل گیا احمدیت کا یہ شجر

چشمِ حیرت سے بحیرت نگراں ہوں ہر سو
رگِ جاں کے لئے یہ بات ہے گویا نشتر

آہ! پاتا تھا جنہیں عاقل و دانا و فریس
صاحبِ فہم و ذکا و خرد و علم و ہنر

وائے قسمت جو نظر آتے تھے سرمایۂ ناز
اب وہ ہیں اور مئے احمدیت کے ساغر

احمدی ہو کوئی اس کی نہیں مجھ کو برداشت
یہ تو ہے میرے جگر کے لئے اک تیرِ دوسر

کمر دیا ہے انہیں تیروں نے کلیجہ چھلنی
آہ کچھ بن نہیں پڑتی مجھے میں ہوں مضطر

جل گئے سوزِ دروں سے جگر و دل دونوں
آتشِ غم نے بنا رکھا ہے سینہ مجمر

اور چندے یہی حالت ہے تو پھر خیر نہیں
کہ بنا دے گی مجھے نارِ حسد خاکستر

اب ذرا سُن لیں توجہ سے مرے معروضات
وہ جو اس راہ میں ہیں سر بکف و سینہ سپر

احمدیت کی ترقی جو نہ روکی ہم نے
امن سے کرنہ سکیں گے کہیں اوقات بسر

یہ ہمارے لئے گویا ہے جگر کا ناسور
یا بجھایا ہوا زہر آب میں بُران خنجر

ہوشیار اے مرے یارانِ طریقت ہشیار
حذر اس خنجرِ خونخوار سے سو بار حذر

احمدیت کے تو سایہ سے بھی لازم ہے فرار
ورنہ کھالے گی ہمیں اس کی تو ہے جوعِ بقر

اللہ اللہ وہی پیکرِ کبر و نخوت
وہی حاسد، وہی بدگو وہی بدبیں واشر

جوشِ بدگوئی اڑائے لئے پھرتا ہے جسے
لکھنؤ میں جو کبھی ہے تو کبھی امرتسر

احمدیت کی ترقی سے جو ہے یوں نالاں
جس طرح چیختی پھرتی ہو زنِ بے شوہر

اور اس طرح جو ہوتا ہے کبھی گرمِ فغاں
جس طرح مرگِ پسر پہ کوئی بیوہ مادر

آتشِ بغض سے جس کا دلِ بریاں ہے کباب — دے رہا ہے یہ شہادت وہی ناکام ظفر

اب ذرا غور کریں وہ شرفائے عالم — جو ہیں اہلِ خرد و اہلِ دل و اہل بصر

یہ شہادت ہے ترقی کا ثبوتِ کامل — یا ابھی اس میں کسی قسم کی باقی ہے کسر

حق پسندوں کے لئے ہے یہ دعائے مختار

دمبدم فضلِ الٰہی رہے سایہ گستر

قصیدہ در شان

حضرت امام الزماں مسیح موعود و مہدی دوراں

حضرت حافظ صاحب نے یہ قصیدہ اپنے پیر و مرشد حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی شان میں رقم فرمایا جو حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب امروہوی کے رسالہ مسک العارف کے آخری حصہ میں شائع ہوا۔ بعد ازاں مدیر "الحکم" حضرت یعقوب علی عرفانی نے اسے ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کے الحکم میں پانچویں پرچہ کے صفحہ اول پر شائع کیا۔

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم — نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اے چشمۂ جود و کرم ، بحرِ فیوضاتِ اتم

عالی ہمم والا حشم ، محبوبِ ربِ ذوالکرم

اے مصدرِ لطف و عطا ، اے معدنِ جود و سخا

اے منبعِ مہر و وفا اے مخزنِ فیضِ اتم

اے حامیِ دینِ متیں اے خادمِ شرعِ مبیں

اے عالمِ علمِ یقیں اے عاشقِ شاہِ امم

اے چارۂ بے چارگاں اے رہنمائے گمرہاں

اے مرہمِ آزارِ جاں اے مظہرِ لطف و کرم

اے مظہرِ شانِ خدا، محبوب خاصانِ خدا
پابندِ فرمانِ خدا، سرتا بہ پا لطف و کرم
اے ہادیٔ باعزّ و شاں، اے مہدیٔ آخر زماں
اے باعثِ آرام جان اے دافع رنج و الم
اے موردِ انعام حق، اے باعثِ اکرام حق
اے مہبطِ الہام حق اے ذی حشم اے محترم
اے عشق تو ایمانِ من اے اُلفت تو جانِ من
اے دردِ تو درمانِ من، اکنوں بہ مطلب آمدم
تو ہے ہمارا پیشوا، تو ہے ہمارا رہ نما
تو ہے ہمارا مقتدا، اک چاکرِ کمتر ہیں ہم
گو رنج و غم سہتے ہیں ہم، مشقِ ستم رہتے ہیں ہم
لیکن یہی کہتے ہیں ہم، تجھ پر فدا ہو جائیں ہم
ہوتے ہیں ظلم ناروا، لیکن ہمیں پروا ہے کیا
جب تیرے آگے کر دیا ہم نے سرِ تسلیم خم
ہم سب کو ہے اے نیک خو، تیرے لقا کی آرزو
کرتے ہیں تیری گفت گو، لحظہ بہ لحظہ دمبدم
جو عالمانِ باخدا، رکھتے ہیں علم باصفا
دل تجھ پہ کرتے ہیں فدا، پیتے ہیں دھو دھو کر قدم

باقی ہیں جو ناآشنا، وہ تجھ کو کہتے ہیں بُرا
تیرے غلام اے پیشوا، کہتے ہیں اُن سے دمبدم
دیکھو تم اے اہلِ ریا، دیکھو تم اے اہلِ جفاء
دیکھو تم اے اہلِ دغا، دیکھو تم اے اہلِ ستم
وہ پہلوان باخُدا وہ شہسوارِ باصفاء
تم سب کو ہے للکارتا، آجاؤ سب ہو کر بہم
دکھلا کے فرمان خدا یا قول شاہ انبیاء
ثابت کرو یہ مسئلہ، اے بانیٔ جور و ستم
یعنی مسیح ناصری، اللہ کے پیارے نبی
با ایں حیاتِ دنیوی، ہیں ساکن چرخ دُوم
بے وجہ اے اہل ریا کرتے ہو تم جور و جفا
کیوں دور تم نے کر دیا، خوفِ خدائے اکرم
ہیں حضرت عیسیٰ کہاں، جو واپس آئیں گے یہاں
ہے بے سرو پا یہ گماں خلاقِ عالم کی قسم
خالق نے فرمایا نہیں قرآن میں آیا نہیں
حضرت نے فرمایا نہیں، پھر مان لیں کس طرح ہم
قرآن کیا کچھ دور ہے، دیکھے جسے منظور ہے
جینے کا کچھ مذکور ہے یا فوت ہونا ہے رقم

علامہ شیخ علی[1]، لکھیں وفات عیسوی
لیکن نہ مانیں مولوی، تو کیا کریں عاجز ہیں ہم

ڈر کر، خالق کا ڈر، بھولو نہ اپنے علم پر
کہتے ہیں کیا اہلِ نظر، دیکھو اسے ہو کر بہم

مالک نے فرمایا ہے کیا[2]، کیا ابنِ قیم نے کہا[3]
کیا ہے محمد نے کہا[4]، کیا کہتے ہیں ابنِ حزم

فرزند عمِ مصطفےٰ[5]، ارشاد فرماتے ہیں کیا
دیکھو جسے ہو شک ذرا، کیا ہے بخاری میں رقم

قول جناب عائشہ رضؓ طبرانی میں یوں بھی لکھا
یعنی مسیح باصفا راہی ہوئے سوئے عدم

اِن سب کا ہے یہ قول جب لازم ہے پھر انکار کب
کیا کرتے ہو لوگو غضب، یہ کرتے ہو تم کیا ستم

---

[1] علی بن احمد دیکھو سراج منیر [2] دیکھو مجمع بحار الانوار جلد اوّل
[3] مدارج السالکین ملاحظہ کریں۔
[4] (محمد بن اسماعیل) صحیح بخاری شریف دیکھئے کتاب التفسیر آیت یاعیسٰی انی متوفیک اور آیت فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم
[5] صحیح بخاری شریف زیر آیت یاعیسٰی انی متوفیک

باز آؤ اِن عادات سے، ناخوش نہ ہو اس بات سے
ثابت ہے تیس[30] آیات سے موتِ مسیح ذی حشم

جب ہے یہ فرمانِ خدا جب ہے یہ قول مصطفےٰ[ا]
پھر ماننے میں عذر کیا، کر دو سرِ تسلیم خم

باز آؤ ظلم و جور سے، کیا فائدہ اس طور سے
دیکھو نگاہِ غور سے، حالِ غلامِ احمدم

قول شہ جن و لبشر، صادق ہیں اس پہ سر بسر
انصاف سے دیکھو اگر، پاؤ نہ مطلق بیش و کم

شمس و قمر کا واقعہ، تھا جو کہ قول مصطفیٰ[ا]
وہ بھی تو پورا ہو گیا، پھر کس طرح مانیں نہ ہم

میدان میں وہ شیر نر، تنہا کھڑا ہے بے خطر
آ جائے جو خم ٹھونک کر، ہے کون ایسا تازہ دم

عیسائی ہوں یا آریہ، یا نیچری یا دھریا
یا اور اس کے ماسوا، برہمو ہوں یا ہند و دھرم

المختصر کل اشقیاء، اس کے مقابل آئیں کیا
بے جان سب کو کر دیا، حجت نے اس کی یک قلم

وہ حامی اسلام ہے اس کا یہی اک کام ہے
مصروف صبح و شام ہے اِس کام میں وہ ذی حشم

وہ عزّ و جاہ قوم ہے، وہ بادشاہ قوم ہے
وہ خیر خواہِ قوم ہے قوم اِس پہ کرتی ہے ستم
اے قوم اب بہرِ خدا تو اپنی ضد سے باز آ
کر اپنی حالت پہ ذرا تو آپ ہی لطف و کرم
اے اُمّتِ شاہِ عرب، کافر دیا کس کو لقب
یہ کیا کیا تو نے غضب، یہ کیا کیا تو نے ستم
وہ مہدیٔ معہود ہے، وہ عیسیٰؑ موعود ہے
اس کا عدو مردود ہے، نزدِ خدائے اکبرم
ہاں ہے وہ منظورِ خدا، ہاں ہے وہ مامورِ خدا
ہاں ہے وہ پُر نورِ خدا، لاریب سلطان القلم
عالم میں اس کی خوبیاں ہیں جلوہ گر خورشید ساں
معروف ہے اس کی زباں، مشہور ہے اس کا قلم
کیا لب ہیں کیا تقریر ہے، کیا بات کیا تاثیر ہے
کیا ہاتھ کیا تحریر ہے، پُر زور ہے کتنا قلم
اس کے مقابل ذی ادب، کب کھولتے ہیں اپنے لب
جملہ فصیحانِ عرب، خاموش ہیں مثلِ عجم
وہ شاہسوار نامور، مائل اگر ہو بحث پر
بھاگیں عدوئے بدگہر ٹھہریں نہ ہرگز ایک دم

ترساں ہیں جمع دشمناں، لرزاں ہے انبوہ گراں
ہے اُسکی کلک دوزباں، گویا کہ شمشیرِ دودم
جو عزّتِ دیں اس نے کی جو عظمتِ دیں اس نے کی
جو خدمتِ دیں اس نے کی، عاجز ہے لکھنے سے قلم
یہ آسمانِ پیر اگر، لے مشعلِ شمس و قمر
چکر لگائے دربدر، گاہے عرب، گاہے عجم
لیکن اِسے کوئی بشر اِس کا نظیر آئے نظر
ہے غیر ممکن سر بسر، ایمان سے کہتے ہیں ہم
پھر اُس کی توصیف و ثنا کیا کر سکے کوئی ادا
اے دلِ تو اب یہ کر دعا، آمین کہتے جائیں ہم
اے خالقِ ارض و سماء، اے مالکِ ہر دوسرا
دے تو انہیں فہم و ذکا، تا مان لیں اہلِ ستم
آپس کے جھگڑے دُور ہوں مل جُل کے سب مسرور ہوں
بغض و حسد مہجور ہوں، مفقود ہوں رنج و الم
دجال بد اطوار پر، عیسیٰ کو دے فتح و ظفر
خدام کے دِل شاد کر، اے ذوالجلال و ذوالکرم
کر ختم اب یہ داستاں کیا تو ہے کیا تیرا بیاں
مختار روک اپنی زباں، مختار تھام اپنا قلم [1]

[1] منقول از رسالہ مسک العارف صہ ۶۳ تا صہ ۶۴ مصنفہ حضرت مولانا محمد احسن صاحب امروہی

مخمس

برقصیدہ جناب منشی سیّد شکیل احمد صاحب سہسوانی

اللہ اللہ یہ کیا ظُلم کیا جاتا ہے — جو ہیں دیندار انہیں بے دین کہا جاتا ہے
دل مسلمانوں کا اس غم سے پھٹا جاتا ہے — دین احمد کا زمانہ سے مٹا جاتا ہے
قہر ہے اے مرے اللہ یہ ہوتا کیا ہے ؟

جو کہ توحید کے ہیں صبح و مسا خیر طلب — ہر طرح تابع فرمانِ شہنشاہ عرب
اُن کو کافر یہ کہیں ہائے ستم ! ہائے غضب — دیکھتے ہیں جو دکھاتا ہے تو ہم کو یا رب
سنتے ہیں تو جو سناتا ہے بس اپنا کیا ہے

مولوی کوئی کہے یا کوئی کچھ نذر کرے — لوگ نکلے ہیں اسی دھن میں پہن کر جبّے
دین و ایمان سے کیا کام رہے یا نہ رہے — فکر بے دینوں کو بس یہ ہے کہ ہر پہلو سے
مال دُنیا کا ملے دولتِ عقبیٰ کیا ہے

اب مخالف ہیں وہی جو نظر آتے تھے رفیق — سخت بدخلق ہیں وہ ہم جنہیں سمجھے تھے خلیق
بدلیاقت وہی نکلے ہیں جو بنتے تھے لئیق — حائل منزل مقصود ہیں قطّاع طریق
نقد ایماں کے تحفظ کا طریقا کیا ہے ؟

جو قوی ہے اسے سمجھے ہیں یہ نادان ضعیف — ہوا جاتا ہے اسی وجہ سے ایمان ضعیف
کیوں نہ بے دین کہیں پھر اُسے ہر آن ضعیف — مضمحل ملتِ بیضا ہے مسلمان ضعیف
ملحدوں کی جو بن آئے تو اچنبھا کیا ہے

ہائے اس حد کو مسلمانوں کی پہنچی نوبت — چھوڑ دی پیروئ قولِ شفیع امت
کہتے ہیں حضرت عیسیٰ نے نہیں کی رفعت — شغل یاروں کا ہے تحریف کتاب و سنت
دین جاتا ہے تو جائے انہیں پروا کیا ہے

جو کہ بنتے ہیں موحد یہ انہیں کا ہے خیال — آ کے مُردوں کو جلائے گا مسیح الدجال
اس عقیدہ کے مخالف سے وہ رکھتے ہیں ملال — عالم الغیب ہے آئینہ ہے تجھ پر سب حال
کیا کہوں ملتِ اسلام کا نقشا کیا ہے

زندہ گردانتے ہیں حضرت عیسیٰ کو ابھی — اللہ اللہ یہ حق پوشی و یہ بے ادبی
اس عقیدہ سے جو رد کرے اُسے کہتے ہیں شقی — عافیت تنگ ہے بے دینوں سے دینداروں کی
قائم اب تک ہے یہ دنیا سبب اس کا کیا ہے

زندہ عیسیٰ کو بتانے سے فضیلت ہے غرض — شیخ بطال میں ہر طرح بطالت ہے غرض
فتوے کفر سے اُن کی یہی نیت ہے غرض — صرف تحصیل زر و مال و وجاہت ہے غرض
اور اس دعوے باطل کا نتیجا کیا ہے

دے کے اک مردِ مجاہد یہ گواہی جھوٹی — زک پہ زک اور اذیت پہ اذیت پائی
باز آیا نہ مگر مولوی بطالی — حوصلہ اس کا بمعنی یہی کہتا ہے ابھی
دیکھنے جائیں ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے

جبکہ قرآن سے ثابت ہے وفاتِ عیسیٰؑ اور حضرت نے بھی ارشاد یہی فرمایا
منصفی شرط ہے پر تو نے یہ کس منہ سے کہا قادیانی نے نیا فتنہ کیا ہے برپا

میں مسیحا ہوں وہ کہتا ہے مسیحا کیا ہے

ہے ہمیں مخبرِ صادق نے خبردار کیا یعنے عیسیٰ ہے امام ایک اِسی امّت کا
پھر یہ کس واسطے کہتا ہے تو اے یاوہ سرا یک قلم زندگی و رفع و نزولِ عیسیٰ

سب کا منکر ہے اِس آفت کا ٹھکانا کیا ہے

ذکرِ دجّال لعیں واقعۂ قحط و بلا حالت زلزلہ، ارض و نشانات سما
کینہ و بغض و نفاقِ حضرات علماء جا و ہنگام و علاماتِ نزولِ عیسیٰ

سب احادیث میں مرقوم ہیں جھوٹا کیا ہے

سہسواتی کی ذرا یا وہ سرائی تو سنو اُس کا دعویٰ ہے کہ زندہ ہیں مسیح خوشخو
اور کہتا ہے کہ اُتریں گے وہی اے لوگو! کوئی انصاف سے دیکھے اگر اس نامہ کو

ابھی کھل جائے وہ سچّا ہے کہ جھوٹا کیا ہے

مرحبا صل علےٰ صل علےٰ صلِ علےٰ حضرت عیسیٰ موعود ہوئے جلوہ نما
ہائے بے دین سمجھتے ہیں اُنہیں یاوہ سرا نفخ میں صور کے یارب ہے تامل کیسا

اب قیامت کے بپا ہونے میں وقفا کیا ہے

لوگ کہتے ہیں کہ کافر ہے یہ بے شبہہ و شک حضرت مہدی معہود کی کرتے ہیں ہتک
کیا عجب ہے جو کہیں سن کے اسے حور و ملک ٹوٹ پڑتا نہیں کس واسطے یارب یہ فلک

کیوں زمیں شق نہیں ہوتی یہ تماشا کیا ہے

مہدی و عیسیٰ موعود نمودار ہوئے مرحبا دین کی تائید میں کیا کام کئے
حیف اُس شخص کی حالت پہ جو پھر بھی یہ کہے کس لئے مہدی برحق نہیں ظاہر ہوتے

دیر عیسےٰ کے اُترنے میں خدایا کیا ہے

پہلے دو چار کو مہدی نے بنایا بسمل پھر کیا تیغِ براہیں سے جہاں کو گھائل
اب تو حسّاد بھی کہنے لگے ہو ہو کے خجل کی ہے کیا جلد ترقی یہ ترقی حاصل

واہ اے ہمت عالی ترا کہنا کیا ہے ؟

شک نہیں اس میں وہ ہے ملہم باصدق و صفا مہدی و عیسےٰ موعود بھی بافضل خدا
تو مگر حشر میں اس کہنے کا پائے گا مزا پہلے مُلّا تھا۔ پھر الہامی بنا۔ پھر عیسیٰ

قابلِ دید تماشا ہے یہ مرزا کیا ہے ؟

ہر طرح ہو گیا یہ مسئلہ ثابت بدلیل کہ یہی عیسیٰ اُمت ہیں باوصاف جمیل
پھر خدا جانے یہ کس برتے پہ کہتا ہے شکیل[1] نہ سمجھ بیٹھنا اس کو کہیں عیسیٰؑ کا مثیل

دیکھو قرآن واحادیث کا منشا کیا ہے ؟

قول مہدی جسے سمجھا ہے تو اے شوخ قبیح وہ تو انجیل کے اک قول کی ہے نقلِ صحیح
تو نے پھر کس لئے باندھا ہے یہ بہتانِ صریح صاف کہتا ہے کہ نجّار کے بیٹے تھے مسیح

ہوئے بے باپ کے پیدا یہ عقیدا کیا ہے ؟

مہدی پاک کی موجود ہے تصنیف فصیح دیکھ لے گا جو کوئی شخص اسے بالتصریح
تیرے اُس کذب کو کیا خاک وہ سمجھے گا صحیح صاف کہتا ہے کہ نجّار کے بیٹے تھے مسیح

ہوئے بے باپ کے پیدا یہ عقیدا کیا ہے

---

[1] شکیل تخلص ہے صاحب قصیدہ کا جو سہسوان کا باشندہ ہے

حی و قیوم مسیحا کو سمجھتا ہے تو آہ! اور کہتا ہے ہوئے فوت رسول ذی جاہ
کیوں نہ اس قول سے بندے کو ہو رنجِ جانکاہ کی ہے وہ ہرزہ درائی کہ عیاذاً باللہ
ٹکڑے ٹکڑے ہوا دل سُن کے کلیجا کیا ہے

شیخ جی! اب تو خدا کے لئے شرماؤ ذرا دیکھ لو ضد کا تمہاری یہ نتیجہ نکلا
یعنے کہنے لگے عیسائی بھی بااستہزا ہوا قرآں سے اثباتِ حیاتِ عیسیٰؑ
یہ کرامت ہے کہ اعجاز مسیحا کیا ہے

زندہ اب حضرت عیسیٰؑ کو سمجھنا نہ کوئی یاد رکھنا اسے سب راہ یہی ہے سیدھی
لاکھ بہکائے تمہیں مولوی بطالی مومنو! ابلہ فریبی میں نہ آنا اُس کی
ایک ہی فتنہ ہے تم نے اُسے سمجھا کیا ہے؟

آج کل فکر میں دجالِ لعیں ہے ہر آن چاہیئے پیروی مہدی باعزت و شان
اور پھر یہ بھی رہے صبح و مسا وردِ زباں یارب! اس دورِ پُرآشوب میں قائم ایماں
تو ہی رکھے تو رہے ورنہ بھروسا کیا ہے؟

مہدیٔ پاک سے جلتا ہے کوئی ناہنجار اور کرتا ہے کوئی کفر کے فتوے تیار
سارے عالم میں تہلکہ ہے خدائے غفار رات دن فتنوں کی بارش کی طرح ہے بوچھار
گر نہ ہو تیری صیانت تو ٹھکانا کیا ہے؟

مہدیٔ پاک یہ ہو فضل خدائے بیچوں وہ مضامین لکھے جن پہ ہوا دل مفتوں
کیوں نہ سیراب ہوں اب تشنہ لبانِ محزوں موجزن اس میں ہیں حقیقت حق کے مضموں
یہ رسالہ ہے خدا جانے کہ دریا کیا ہے؟

واہ کیا خوب مضامین پسندیدہ لکھے طالبِ صدق جنہیں دیکھ کے مسرور ہوئے
سہسوانی[1] بھی اسے دیکھ کے انصاف کرے رہنما ہے یہ کتاب اہل سعادت کے لئے
جو ازل کے ہیں شقی تذکرہ اُن کا کیا ہے؟

راستی سے جنہیں نفرت ہے ہوئے وہ محزوں کینہ و بغض و عداوت نے کیا اُن کو زبوں
اُن کے سینوں میں ہوا ان کی تمناؤں کا خوں کٹ گئے دشمن دین دیکھ کے اس کے مضموں
سیفِ مسلول کہوں اس کو تو بیجا کیا ہے؟

ہو گیا دشمن مختار زمانہ یارب! تو اسے دامنِ رحمت میں چھپانا یارب!
روزِ بد بہرِ محمدؐ نہ دکھانا یارب آخری وقت کے فتنوں سے بچانا یارب!
ہے یہی دل کی مراد اور تمنا کیا ہے

---

[1] مولوی محمد بشیر سہسوانی

نوٹ: یہ مخمس اخبار "الحکم" قادیان میں دسمبر ۱۸۹۸ء کو شائع ہوئی.

مخمّس

مسلمانوں کو ناحق کس لئے کہتے بُرا تم ہو　　ڈرو اللہ سے کیوں خوٹے بد میں مبتلا تم ہو
ابھی سے اس قدر کس واسطے ہم سے خفا تم ہو　　سمجھ لو پہلے اتنا برسرِ حق ہم ہیں یا تم ہو
یونہی تکفیر میں سرگرم کیوں بے قاعدہ تم ہو

خلائق سے نہیں ہے شرم خالق سے تو شرماؤ　　کرو نا منصفی کو ترک ہٹ دھرمی سے باز آؤ
کہیں ایسا نہ ہو مل کر کفِ افسوس پچھتاؤ　　یہ کس پر کفر کا لکھتے ہو فتویٰ کچھ تو فرماؤ
یہ کس کے واسطے سوچو تو سرگرمِ جفا تم ہو

محبت جو کہ رکھتے ہیں کلامِ پاک سبحاں سے　　تعشق ہے دلوں کو جن کے شاہنشاہ ذیشاں سے
رہا کرتے ہیں فکرِ دین میں جو ہر وقت قرآں سے　　تدابیرِ رہ اسلام میں ہر دم دل وجاں سے
انہیں کو ہائے بے ایماں کہتے بر ملا تم ہو

نہیں ہوتے ہیں لوگ آیاتِ قرآں دیکھ کر قائل　　دلوں سے آہ کیسا نورِ ایماں ہو گیا زائل
جہالت سے لبوں پر رہتی ہے تقریرِ لا طائل　　کلامِ حق سے روگرداں بیانِ خلق پر مائل
تمہیں انصاف سے کہدو کہ ایسے ہم ہیں یا تم ہو

کہو تو کس سے سیکھا تم نے نیکوں کو بُرا کہنا　　کسی کو نا سزا کہنا کسی کو ناروا کہنا
بنا یا خوب ہٹ دھرمی کو تم نے واہ کیا کہنا　　مگر اب مان لو آتنا مرا بہرِ خدا کہنا
اجی انصاف کی جانب بھی مائل اک ذرا تم ہو

جو شوقِ اتباعِ سیّدِ ابرار ہے تم کو　　تو موتِ حضرتِ عیسٰی سے کیوں انکار ہے تم کو
یہ کیوں ہے اس قدر ضد کس لئے تکرار ہے تم کو　　یہ کیسے امرِ حق کے ماننے میں عار ہے تم کو
ہم اہلِ حق ہیں کہنے کو یہ کہتے بار ہا تم ہو

رسولِ حق سے جب کم ہیں صفاتِ حضرتِ عیسٰی　　نہیں افضل جب آنحضرتؐ سے ذاتِ حضرتِ عیسٰی
بھلا تسلیم ہو پھر کیوں حیاتِ حضرتِ عیسٰی　　ہوئی قرآں سے ثابت وفاتِ حضرتِ عیسٰی
کہو اب پیروِ فرمانِ خالق ہم ہیں یا تم ہو

نزول اُن کا جو تم سمجھے ہوئے ہو تم کو دھوکا ہے　　یہ سوچو تو ہوا جو فوت وہ واپس بھی آیا ہے
احادیثِ نبیؐ میں بھی یہی مرقوم ہر جا ہے　　کلام اللہ میں بھی فوت ہونا ان کا لکھا ہے
نہ واقف ہونے اس سے ایسے نا واقف بھی کیا تم ہو

جو آیا اس جہاں میں اُسکو لازم موت آنی ہے　　یہ ثابت ہو گیا آنا ہی جانے کی نشانی ہے
نہیں منکر کوئی ہر شخص نے یہ بات مانی ہے　　مُسلّم ہو گیا یہ مسئلہ انسان فانی ہے
سمجھتے ہو نہ اس کو نا سمجھ ایسے بھی کیا تم ہو

کوئی کل ہو گیا رخصت، کسی کی آج ہے باری　　کسی کی آج ہے نوبت کسی کی کل ہے تیاری
غرض سب پر یونہی ہو جائے گی اک دن فنا طاری　　سمجھ لینے میں پھر اس بات کے کیوں ہے یہ دشواری
خدا کے فضل سے جب صاحب ذہنِ رسا تم ہو

نہ اب جو لوگ ہٹ دھرمی سے اپنی باز آئیں گے　　کفِ افسوس مل مل کر بہت آنسو بہائیں گے
جو اُن کے منتظر ہیں یاد رکھیں منہ کی کھائیں گے　　کہاں ہیں حضرتِ عیسٰی جو اَب تشریف لائیں گے
عبث اِس قصۂ باطل پہ کیوں ایسے فدا تم ہو

یہی قولِ رسول اللہ بھی لکھا ہوا پایا   یہی قرآن میں خالق نے بھی ارشاد فرمایا
درست اُس کا عقیدہ کب رہا جو اس میں شک لایا   ہوا جو فوت دُنیا میں وہ پھر واپس آیا نہیں

اسے تو مدتوں سے دیکھتے صبح و مسا تم ہو

نہ ہو اس قصہ باطل سے مومن خشمگیں کیونکر   یہ باتیں مان کر کھو دے کوئی ایمان و دیں کیونکر
مسلماں ہیں ہمیں ہوں ان فسانوں پر یقیں کیونکر   بھلا آئیں گے عیسٰی بعد ختم المرسلینؐ کیونکر

بتاؤ تو سہی اس وہم میں کیوں مبتلا تم ہو

علاجِ دردِ پنہاں و عیاں ہیں میرزا صاحب   شفا بخشندۂ آزار جاں ہیں میرزا صاحب
خدا کے مرسلِ باعزّ و شاں ہیں میرزا صاحب   امام الوقت مہدی زماں ہیں میرزا صاحب

معاذ اللہ معاذ اللہ انہیں کہتے برا تم ہو

بنایا ہے خدا نے اُن کو مورد لطفِ بیحد کا   ہوا ہے بول بالا اُن کے باعث دینِ احمدؐ کا
بڑا ہے مرتبہ نزد خدا اُن کے مؤیّد کا   یہی ہیں وہ زمانہ منتظر تھا جن کی آمد کا

یہی ہیں وہ یہی ہیں اب بدل ان پر فدا تم ہو

یہی ہیں مدتوں سے تک رہے تھے راستہ جن کا   یہی ہیں قبل بعثت بھی زمانہ تھا فدا جن کا
یہی ہیں وہ ہوا کرتا تھا چرچا جا بجا جن کا   یہی ہیں ذکر فرماتے تھے شاہِ دوسرا جن کا

یہی ہیں وہ یہی ہیں طالب عفو خطا تم ہو

حق آگاہ و امیں و متقی و مرسل رحمان   شفیق و غمگسار و باعثِ تسکیں غم ناکاں
غلامِ احمدِ ختم الرسلؐ شاہنشہ ذیشاں   امام الوقت مہدی زماں و عیسٰی دوراں

یہی ہیں ہاں یہی ہیں شک میں اب کیوں مبتلا تم ہو

یہی ہیں ہو رہے ہیں جن سے اب عالم میں سب عاجز   فصیحان عجم عاجز بلیغانِ عرب عاجز
کسی سے یہ زمانے میں ہوئے کس وقت کب عاجز   مخالف ہوتے جاتے ہیں انہیں سے روز و شب عاجز

یہی ہیں آج جن کا شور سنتے جا بجا تم ہو

یہی ہیں وہ لقب جن کا ہے مہدی کرم گستر   مصدق ہیں انہیں کے قول کے اقوالِ پیغمبر
کلام اللہ بھی کرتا ہے تائید ان کی سر تا سر   شہادت دے چکے ہیں مہر و مہ بھی ان کے دعویٰ پر

بتاؤ چاہتے اب کیا ثبوت اس کے سوا تم ہو

خدا کے واسطے باز آؤ اب شیخی و نخوت سے   کرو اس ضد کو تم فی الفور دور اپنی طبیعت سے
دل اپنا صاف کر لو مرسلِ حق کی کدورت سے   نصیحت کر رہا ہوں میں نہایت جوش الفت سے

نہیں منظور مجھ کو سر گروہِ اشقیا تم ہو

یہ حکم امت پہ صادر کر گئے ہیں سرورِ امت   کہ جس کے سامنے ہوں جلوہ گر مہدی با عظمت
سلام اُن کو ہمارا ابھی وہ پہنچا کر بصد شفقت   ادب سے پھر کریں یہ عرض خود اُن سے کہ اے حضرت

ہمارے رہنما تم ہو ہمارے پیشوا تم ہو

بیاں ہو ہائے کیا طوفان بحرِ کفر کی حالت   جھکولے دے رہی ہے ہر طرف سے موج پر آفت
بچا لے ڈوبنے سے اس کو ہے کون ایسا با ہمت   تلاطم میں پڑی ہے کشتیٔ دینِ شہ امت

مسیح وقت اس کے ناخدا بہر خدا تم ہو

اگر یہ چاہتے ہو خوش ہو تم سے خالق اکبر   تو ہے ہر وقت لازم پیروی قول پیغمبرؐ
مٹا کر دل سے نقش اتباعِ نفس سر تا سر   کرو بیعت امام الوقت کے دستِ مبارک پر

اگر پابندِ فرمانِ محمدؐ مصطفٰے تم ہو

خدا ہے بخشنے والا اگر تم اب بھی باز آؤ — نہ یاوس اتنے ہو لاتقنطوا کو یاد فرماؤ
نصیحت ہے یہی مختار کی اس کو بجا لاؤ — ادب کے ساتھ پیچھے پیچھے مہدی کے چلے آؤ
جو ڈھونڈا چاہتے جنّت کا سیدھا راستہ تم ہو



نظم

(یہ نظم بر موقعہ جلسہ سالانہ پڑھی گئی)

بڑا آج فضلِ خدا ہو رہا ہے — کہ حاصل مرا مدعا ہو رہا ہے
اِدھر احمدی ہیں اُدھر احمدی ہیں — اُولوالعزم جلوہ نما ہو رہا ہے
ستاروں میں جس طرح ہو ماہ روشن — یہ رنگ آج صل علیٰ ہو رہا ہے
یہ انبوہِ خلقت یہ جوشِ عقیدت — نہایت ہی راحت فزا ہو رہا ہے
مزے سے مزے لوٹتی ہیں نگاہیں — کہ منظر بہت خوشنما ہو رہا ہے
اٹھیں کیوں نہ رہ رہ کے دل میں امنگیں — تماشائے شانِ خدا ہو رہا ہے
ہے ایک ایک محمود احمد کا شیدا — جسے دیکھتا ہوں فدا ہو رہا ہے
پھرے ہیں نہ عہد وفا سے پھریں گے — یہی تذکرہ جابجا ہو رہا ہے
سوا اس کے ہے اور کچھ جس کے دل میں — وہ پابند حرص و ہوا ہو رہا ہے
کوئی جا کے کہہ دے یہ اس خود نما سے — جو اپنی ادا پہ فدا ہو رہا ہے
کہیں منہ کی پھونکوں سے بجھتا ہے سورج — ارے میرے دانا یہ کیا ہو رہا ہے
کدھر آج تیرِ ستم چل رہے ہیں — کدھر وارِ تیغِ جفا ہو رہا ہے

جو ہونا تھا بالقصد اُس کو بھُلایا
جو بھولے سے ہونا نہ تھا ہو رہا ہے

جو جائز نہ تھا ہو گیا آج جائز
جو تھا ناروا وہ روا ہو رہا ہے

وہ محمود احمد جو ہے ابنِ مہدی
اُسی پر ستم برملا ہو رہا ہے

وہ کس کو سنائیں وہ کیونکر دکھائیں
جو حال دلِ مبتلا ہو رہا ہے

نتیجہ یہ غیروں سے ملنے کا نکلا
کہ بھائی سے بھائی جدا ہو رہا ہے

بلاتے ہیں کس واسطے اب وہ ہم کو
مگر اُن کو کچھ وہم سا ہو رہا ہے

ہوئی ہے نہ ہوگی امید اُن کی پوری
کہ اب ان کا راز آئینہ ہو رہا ہے

بس اب امن اسی میں ہے مختار احمدؐ
اُسے چھوڑ دو جو جدا ہو رہا ہے

نوٹ: یہ نظم اخبار "الفضل" قادیان بابت ۱۶ فروری ۱۹۱۵ء شائع ہوئی۔

نظم

رنج پر رنج وہ ہر وقت دیئے جاتے ہیں
اللہ! اللہ!! ہم اس پر بھی جیئے جاتے ہیں

خود تو جو کام نہ کرنا تھا کئے جاتے ہیں
اور اُلٹے ہمیں الزام دیئے جاتے ہیں

کون سی بات کہی میں نے خلافِ مسلک
کس خطا پر مرے ہونٹ آج سیے جاتے ہیں

واسطہ کیا ہے غرض کیا ہے تعلق کیا ہے
کیوں وہ طعنے ہمیں رہ رہ کے دیئے جاتے ہیں

سر جو میرا نہ جُدا ہو تو خطا کیا اُن کی
وہ تو ہر وقت چھری تیز کئے جاتے ہیں

یہ تو فرمائیں وہاں جانے کا حاصل کیا ہے
کس لئے وہ مجھے لاہور لئے جاتے ہیں

حق پسندوں کو تو ہر حال میں آنا ہے اِدھر
اُس طرف آج تو خود مطلبیے جاتے ہیں

اُس طرف شعلہ فشانی شر انگیزی ہے
اِس طرف جام مئے لطف پیے جاتے ہیں

مل کے اغیار سے یہ حال ہوا یاروں کا
کہ عقائد سے بھی انکار کئے جاتے ہیں

یہ بھی کہتے ہیں کہ احمد تھے مہدی پاک
احمدیت کا بھی پھر نام لئے جاتے ہیں

چھوڑتے ہی درِ دلدار کہیں کے نہ رہے
کیا وہ اب بھی اُسی عزت سے لئے جاتے ہیں

جس گلی کوچہ سے اب اُن کا گذر ہوتا ہے
لوگ کہتے ہیں وہ خود مطلبئے جاتے ہیں

نہ تو اپنوں سے تامّل ہے نہ بیگانوں سے
جس کسی سے بھی ملے مال لئے جاتے ہیں

واسطہ آخر کاراں سے کہاں تک کب تک ؟
ایسے جو ہوتے ہیں وہ چھوڑ دیئے جاتے ہیں

وسعتِ حوصلۂ فضل عمر کے قرباں
آج تک کام تحمّل سے لئے جاتے ہیں

پوچھنی چاہیئے یارانِ طریقت سے یہ بات
کہ وہ کیا کیا عملِ نیک کئے جاتے ہیں

نظر غور کریں معنیِ بیعت کی طرف
عمر غفلت میں عبث صرف کئے جاتے ہیں

سوچ لیں پہلے ہی پرواز سے مرغانِ حرم
کیا دیئے جاتے ہیں کیا ساتھ لئے جاتے ہیں

درِ جاناں سے ٹلا ہوں نہ ٹلوں گا مختار
کیوں پیامی مجھے پیغام دیئے جاتے ہیں

نوٹ : یہ نظم اخبار "الفضل" قادیان شمارہ ۳۱ جلد ۴ میں شائع ہوئی

قصیدہ

در مدحِ و توصیف قادیان دارالامان

اللہ اللہ زورِ تاثیر ہوائے قادیاں
گونجتی ہے سارے عالم میں صدائے قادیاں

وُسعتِ فرصت میسر ہو تو موجیں دیکھئے
دل نہیں ہے سینے میں ہے بحرِ ثنائے قادیاں

دورِ اوّل ہی میں دل مستانۂ حق بن گیا
اے جزاک اللہ صہبائے ولائے قادیاں

اب کہاں ہوتا ہے مزعوماتِ واعظ کا اثر
نقشِ لوحِ دل ہے برہانِ ہدائے قادیاں

کیا خطر، کیا خوف سحر اندازیِ دجّال کا
دل میں ہے یادِ لبِ معجز نمائے قادیاں

حضرتِ واعظ اُدھر محوِ لغاتِ نو بہ نو
اور اِدھر میں مستِ صہبائے ثنائے قادیاں

تا کجا یہ بانگِ بے ہنگام آخر تا کجا
اب ذرا سُننے دے ناصح نغمہائے قادیاں

سر بکف پھرتے ہیں عالم میں پئے ابلاغِ حق
دست و پا والو یہ ہیں بے دست و پائے قادیاں

قِصّۂ منصور اک افسانۂ پارینہ ہے
دیکھئے رنگِ شہیدانِ وفائے قادیاں

اے خواتین اپنی اپنی انگلیوں سے ہوشیار
مصر میں ہے آمدِ یوسف لقائے قادیاں

مژدہ اے اہلِ فرنگ اے تشنگانِ آبِ حق
موج زن ہے بحرِ طبعِ رہنمائے قادیاں

کیوں نہ دیکھے مصر لندن کو نگاہِ رشک سے
رونق افزا ہے وہاں یوسف ادائے قادیاں

دھوم ہے لندن میں بزم آرائیوں کی دھوم ہے
نغمہ زن ہیں ہر طرف شیریں نوائے قادیاں

عرصۂ محشر سے واعظ کیا ڈراتا ہے مجھے
مدتوں چھانا ہے میدانِ وفائے قادیاں

کر لئے ہیں کوثر و تسنیم پر قائم حقوق — پی چکا ہوں جام صہبائے ولائے قادیاں
بزم جنت کی حقیقت مجھ سے پوچھا چاہیے — میں نے لوٹی ہے بہار جانفزائے قادیاں
گل سے باہر رہ کے بھی رہتی ہے جیسے گل میں بو — یوں بسی ہے غنچۂ دل میں فضائے قادیاں
کب تک آشفتہ خیالی اے دل شوریدہ حال — عرض کر اب یہ حضور پیشوائے قادیاں
اے امام العصر، اے فرمانروائے قادیاں — حکمرانِ قادیان شاہ ہدائے قادیاں
یہ گذارش خدمت اقدس میں ہے بعد سلام — وہ جو ملک ہند میں ہے اک فدائے قادیاں
نام کا مختار لیکن عاجز و بے اختیار — بیکس و ناچار لیکن باوفائے قادیاں
خوشہ چین خرمن فیض امیر لکھنوی — کمترین خادمانِ پیشوائے قادیاں
اس دعا میں محو رہتا ہے بصد عجز و نیاز — کاش سن لے جلد اسے جاجنتے روائے قادیاں

مطلع دوم

نور افشاں یوں ہو خورشید ہدائے قادیاں — پھیل جائے سارے یورپ میں ضیائے قادیاں
غرب سے اٹھ اٹھ کر پہنچے شرق میں یہ غلغلہ — ہر صدا پر غالب آئی ہے صدائے قادیاں
دل ہوئے روشن دفورِ انتشارِ نور سے — خوب چمکا مہرِ تاباں ہدائے قادیاں
عزت و عظمت کا سکہ سب کے دل پر بیٹھ جائے — روز افزوں ہو وقار رہنمائے قادیاں
فتح چومے پاؤں، چمکے مہر اقبال حضور — منتہائے اوج پر پہنچے لوائے قادیاں
ہم سفر خدام پر بھی ہو نزول فضل و رحم — جو ہیں آج آئینہ شان صفائے قادیاں

داہنے سکرٹری یعنی جناب ذوالفقار[1] — خان والا شان فدائے ہر ادائے قادیاں
طالب دیں، حامی دیں، والہ و شیدائے دیں — گوہر شہوارِ دریائے وفائے قادیاں
زیرک و فرزانہ و نازک خیال و خوش مزاج — ماہر آئین اخلاص و وفائے قادیاں
طوطیِ شیریں مقالِ گلشن صدق و صفا — ہم صفیرِ عندلیبِ خوش نوائے قادیاں
سر فروشِ بے عدیل و جاں نثارِ بے نظیر — موردِ الطافِ خاص رہ نمائے قادیاں

سید الحفاظ حضرت مولوی روشن علی — انجمن آرائے تسلیم و رضائے قادیاں
فاضل العصر، افقہ الناس، اعلم العلام ادیب — مخزنِ سرّ و رموز و نکتہ ہائے قادیاں
فخر فرّاءُ خلیل و اسمعی و سیبویہ — بحرِ ذخّار علوم دل کشائے قادیاں
رازیِ دوراں، بخاری زماں، شبلیِ عصر — خوش مقال و باکمال و باوفائے قادیاں
رشکِ سحبان و کلیم طور سینائے سخن — ماہر طرزِ بیاں مدعائے قادیاں
نکتہ داں و نکتہ پرور، نکتہ فہم و نکتہ رس — نکتہ سنجِ علمِ قرآں نکتہ زائے قادیاں
آشنائے باکمالِ قلزمِ حلم و حیا — یکہ تازِ عرصۂ صدق و صفائے قادیاں
غازۂ رخسارِ عقل و فہم و ادراک و ذکا — طرّہ دستارِ زہد و اتقائے قادیاں
از پئے مردانِ حق ہیں آیۃ اللہ العلیم — بر سر اعدائے دیں برق سمائے قادیاں

چودہری فتح محمد ایم۔ اے عالی منزلت — سر خوش و سرمست صہبائے ولائے قادیاں

---

[1] حضرت مولوی ذوالفقار علی خان گوہر

یادگار عظمت و شان سیال ذی وقار — دم بہ دم سرگرم ذکرِ جاں فزائے قادیاں
نرم دل ہنگامِ طاعت مثلِ طفلِ شیر خوار — وقتِ ہیجا مردِ میدانِ وغائے قادیاں
شہسوارِ عرصۂ ابلاغِ دینِ مصطفےٰ — پہلوانِ نامدارِ رہ نمائے قادیاں
قرۃ العینِ مسیح و مہدیِ دینِ متیں — گوہرِ تاجِ سرِ اہلِ صفائے قادیاں
زور بازو ئے بشیر الدین امام المتقیں — افتخارِ اہلِ دیں زینت فزائے قادیاں
حامیِ انصار صاحبزادہ عالی تبار — حضرت مرزا شریف احمد ضیائے قادیاں
صورتش مثلِ گلِ تر، سیرتش چوں آئینہ — راحتِ روح و دلِ اہلِ صفائے قادیاں
فرقِ خوردی و بزرگی کہہ رہا ہے ناز سے — آپ ماہِ قادیاں ہیں وہ سہائے قادیاں

مولوی عبدالرحیم ایم۔اے پسندیدہ خصال — دردمندِ ملت و دردآشنائے قادیاں
ذی لیاقت۔ ذی فراست، ذی مروت ذی شعور — حق شناس و حق پسند و حق نوائے قادیاں
عاقل و دانا و طبّاع و خرد مند و فرلیس — رونمائے شاہدِ صدق و صفائے قادیاں
جوہرِ کانِ علوم و گوہرِ بحرِ عمل — محوِ مشقِ درسِ تسلیم و رضائے قادیاں

حضرت یعقوب عرفانی مدیر "الحکم" — بحرِ عشقِ قادیاں، کوہ وفائے قادیاں
پیرِ دانائے جواں ہمت، وسیع الحوصلہ — جاں نثارِ قادیاں، وقفِ ثنائے قادیاں
صاحبِ عقلِ رسا، فہمِ رسا، ذہنِ رسا — مظہرِ حُسنِ نگار مدعائے قادیاں
ناشرِ ذکرِ جری اللہ امام المتقیں — شائقِ افزائشِ حُسنِ فضائے قادیاں

افتخارِ ملکِ بنگالہ مبارک خوش صفات — حق رسانِ جرمن و حق آشنائے قادیاں
صاحبِ علم و حیا، پابندِ قانونِ رضا — مستِ صہبائے وفا محوِ ادائے قادیاں

ڈاکٹر صاحب جنابِ حشمت اللہ باکمال — جو ہیں اک طبی مشیر مقتدائے قادیاں
جو ہیں اخلاقِ مجسم جو ہیں سرتاپا کرم — جو ہیں شیدا و فدائے رہنمائے قادیاں
ہوشیار و تجربہ کار و حلیم و بردبار — وقف بہرِ خدمتِ شاہ و گدائے قادیاں

چودہری صاحب شریف الطبع، پاکیزہ خیال — جرعہ نوشِ بادۂ لطف و عطائے قادیاں
نیک فطرت، نیک طینت، نیک نیت، نیک رائے — نونہالِ گلشنِ صدق و صفائے قادیاں

عبدرحمٰن قادیانی بھائی جی پاکیزہ خو — افتخارِ اہلِ تسلیم و رضائے قادیاں
خیر اندیش و اطاعت کیش و فرخندہ شعار — خادمِ خاصِ جنابِ پیشوائے قادیاں

وہ علی قبلِ محمدؐ، وہ سراپا اعتقاد — وہ علمبردارِ ہمت وہ فدائے قادیاں
وہ کہ دل سوزی میں مردِ بے نظیر ولاجواب — وہ کہ ہیں پروانۂ شمعِ ہدائے قادیاں
وہ کہ اپنے بار کے حامل بنے خود شوق سے — وہ کہ ہیں مستِ مئے مہر و وفائے قادیاں
وہ جواں نیک نیت، نیک خصلت رحم دل — باعثِ آرامِ اربابِ صفائے قادیاں
وہ مطیعِ حکم، وہ خدمت گذارِ قافلہ — وہ کمر بستہ پئے اہلِ وفائے قادیاں

جن کی یہ تعریف بہ توصیف ہے اُن کے سوا   اور بھی لندن میں ہیں جو باوفائے قادیاں
وہ ظفر اللہ خان بار ایٹ لا عالی دماغ   موجب تزئین بزم از کیلئے قادیاں
خوش سلیقہ، خوش زباں خوش لہجہ، خوش خو خوش مقال   حجتِ روشن پئے ہر مدعائے قادیاں
یک درِ تابندہ از عمانِ ادراک و شعور   یک گلِ رعنا ز گلزارِ ذکائے قادیاں
نکتہ سنج بے بدل معنی طرازِ لاجواب   ترجمانِ حضرتِ فرماں روائے قادیاں
از پئے خدماتِ ملت، بادل و جان مستعد   سر بکف آمادہ ہر کار ہائے قادیاں

نیرِ برجِ سعادت، مولوی عبد الرحیم   بادیہ پیمائے افریقہ فدائے قادیاں
مستحقِ مرحبا و آفرینِ بے شمار   کاشفِ شانِ طریق حق نمائے قادیاں
لائقِ اکرام بے پایانِ دانایانِ غرب   قابلِ تحسینِ اربابِ صفائے قادیاں

وہ محمد دین بی اے خوش صفات و خوش خصال   وہ مجسم خلق، وہ کوہِ وفائے قادیاں
معدنِ اخلاص و لطف و حلم و عجز و انکسار   والہ و شیدائے انداز و ادائے قادیاں
نیک عادت با مروت ذی ہمم فرخ شمیم   رہنمائے ملکِ امریکہ فدائے قادیاں
مثلِ مفتی صاحب امریکہ کے طول و عرض میں   شوق سے پھیلا رہے ہیں جو ضیائے قادیاں
کون مفتی وہ محمد صادقِ ذی مرتبت   جو ہیں فخرِ اہلِ تسلیم و رضائے قادیاں
خوش زباں و خوش بیاں و خوش خصال و خوش جمال   عاشقِ دیں و فدائے رہ نمائے قادیاں
ایک عالم جن کی تعریفوں میں ہے رطب اللسان   شہرۂ آفاق ہیں جو خوشنوائے قادیاں
زینتِ ایوانِ علم و حسنِ گلزارِ عمل   زیبِ بزمِ عاشقانِ پیشوائے قادیاں

جن کے علم و فضل کی امریکہ و یورپ میں دھوم   جن کا حصہ ہے بیانِ ماجرائے قادیاں
جو ہیں عبرانی و کلدانی و سُریانی میں طاق   جو ہیں آگاہِ نکاتِ دل کشائے قادیاں

وہ قوی ہمت فرید ایم اے دلاور جاں نثار   وہ جری شیرِ نیستان وفائے قادیاں
نیک فطرت صاف باطن پاک دل شیریں مقال   خوش سیر، عالی نظر حق آشنائے قادیاں
وہ سراپا اتقا و پیکرِ حلم و حیا   وہ جوان باصفا وہ خوش ادائے قادیاں
گونج اُٹھے جس کے نغموں سے جبال و برّ و بحر   ہر طرف جرمن میں جا پہنچی صدائے قادیاں

مولوی فضل رحمٰن جامع علم و عمل   باوفائے قادیاں و باصفائے قادیاں
عاشقِ تصدیقِ حق تائید حق، ابلاغِ حق   راحت افزائے دلِ اہلِ وفائے قادیاں

خان ذی شان و رفیع المرتبت عبد الرحیم   شاہدِ صدقِ مسیح باصفائے قادیاں

وہ تقی الدین خواہش مندِ تحصیلِ علوم   نوجوان خوش زبان و خوش ادائے قادیاں
وہ عزیز الدین احمد ذی خرد عالی خیال   وہ ترقی خواہ حسنِ کار ہائے قادیاں

شائقِ تحقیقِ ادیان و ملل نواب دین   حامیِ صدقِ جناب مقتدائے قادیاں
خوش دماغ و خوش طبیعت، خوش زبان و خوش مزاج   نغز گوئے قادیاں و نکتہ زائے قادیاں
بہر فرضِ منصب آمادہ بصد جوش و خروش   حسبِ حکمِ حضرتِ فرماں روائے قادیاں

مردِ میدانِ فراست دوربین و زود بیں　　نغمہ سنجِ گلشن فہم و ذکائے قادیاں

وہ جوان ذی خرد مصباحِ دین روشن خیال　　وہ طلبگارِ ضیائے دل کشائے قادیاں
صوفی پاکیزہ طینت، فلسفی و حق پرست　　سر بسر پابندِ آئینِ وفائے قادیاں
روز و شب سرمست و سرشارِ مے ذکرِ حبیب　　دم بہ دم محوِ ثنائے مقتدائے قادیاں
خیر خواہِ خلق و نیک اطوار و خوش طبع و خلیق　　تابعِ حکمِ جنابِ رہنمائے قادیاں

سب علی قدر مراتب صاحبِ اخلاص ہیں　　سب طلبگارِ رضائے پیشوائے قادیاں
سب رہیں شاداں و فرحاں سب کی بر آئے مراد　　خوب یورپ کو سنائیں نکتہ ہائے قادیاں
پھیل جائے رعب اِن کا بیٹھ جائے ان کی دھاک　　گلشنِ یوروپ میں چل جائے ہوائے قادیاں
یہ اثر الفاظ میں ہو یہ کشش آواز میں　　کھینچ لیں سینوں سے دل شیریں نوائے قادیاں
ہر صدا پر بول اٹھیں بے ساختہ یہ سامعین　　ایسے ایسے گل کھلاتی ہے فضائے قادیاں
یہ دُعا تھی بہرِ خدام سفر مختار کی　　اور اب آگے ہے بیانِ ماجرائے قادیاں
جس کی نکہت سے مہکتی تھی فضائے قادیان　　ڈھونڈتی ہے اب اُسی گل کو ہوائے قادیاں
کام تو جاری ہیں حسب الحکم لیکن اے حضور　　قالبِ بے جان سے ہیں اہلِ وفائے قادیاں
اک اُداسی ہے کہ ہے چاروں طرف چھائی ہوئی　　آج کل بدلی ہوئی ہے ہر ادائے قادیاں
اب کہاں وہ تازگی و دل کشیِ سبزہ زار　　اب کہاں وہ رونق و حسن فضائے قادیاں
اب کہاں وہ رنگِ وجد نونہالانِ چمن　　اب کہاں وہ طرزِ رفتارِ صبائے قادیاں
اب کہاں وہ صحنِ گلشن میں عنادل کا ہجوم　　اب کہاں وہ زمزمے زیرِ سمائے قادیاں

اب کہاں وہ ولولے وہ شوق وہ جوش و خروش　　اب کہاں وہ انبساطِ جاں فزائے قادیاں
اب کہاں وہ جوشِ گل وہ نغمہ سنجیِ ہزار　　اب کہاں وہ لطفِ باغِ دلکشائے قادیاں
اب کہاں وہ انتشارِ نکہتِ گل چار سو　　اب کہاں وہ عطر بیزی ہوائے قادیاں
اب کہاں وہ رنگ، وہ افراطِ سامانِ بہار　　اب کہاں وہ کثرتِ گل وہ فضائے قادیاں
اب کہاں وہ تابشِ انوارِ شام دل فروز　　اب کہاں وہ جلوۂ صبح صفائے قادیاں
اب کہاں وہ لطفِ اظہارِ نکات نو بہ نو　　اب کہاں وہ فرحتِ اہلِ صفائے قادیاں
اب تو بس یہ ورد ہے یہ فکر ہے یہ ذکر ہے　　جلد سے جلد آئے یارب رہنمائے قادیاں
لیجئے وہ مطلع برجستہ اب پڑھتا ہوں میں　　جس کو سُن کر جھوم جائیں باوفائے قادیاں

مطلع چہارم

جا کے یہ کہہ دے کسی سے اے ہوائے قادیاں　　اب نگاہِ لطف ہو سوئے فضائے قادیاں
دم بہ دم تڑپا رہی ہے شدتِ سوزِ فراق　　ماہیِ بے آب ہیں اہلِ صفائے قادیاں
چٹکیاں لیتا ہے رہ رہ کر دلوں میں شوقِ دید　　مضطرب رہتے ہیں اربابِ وفائے قادیاں
عرض و طول و ہند میں ہر سو دُعائیں ہیں یہی　　گونجتی ہے رات دن جن سے فضائے قادیاں
سب کی خواہش ہے یہی سب کی تمنا ہے یہی　　آئے سوئے قادیاں راحت فزائے قادیاں
ذرہ ذرہ ہے سراپا چشم شوقِ دید میں　　راستہ تکتے ہیں سارے کوچہ ہائے قادیاں
دیکھئے جس کو وہ ہے مشتاقِ دیدارِ جمال　　دِن گنے جاتے ہیں بہرِ رہ نمائے قادیاں
کھینچ سکتا اس کا نقشہ کاش میں الفاظ میں　　آج کل جس دھن میں ہیں اہلِ صفائے قادیاں
چین کی نیندیں جو تھیں وہ ہو گئیں خواب و خیال　　ہے یہ جوشِ انتظارِ پیشوائے قادیاں

سب سے بڑھ کر منتظر ہیں حضرت نصرت جہاں
جو سراسر رحمتِ حق ہیں برائے قادیاں

اپنے رب سے اب ہے یہ اُن کی دعا و التجا
رونق افزا جلد ہو رونق فزائے قادیاں

وہ ترا محبوب اے مولا وہ تیرا مہ لقا
جس سے تاریکی مٹی پھیلی ضیائے قادیاں

وہ مری آنکھوں کی راحت وہ مرے دل کا سرور
وہ سراپا نور، وہ یوسف لقائے قادیاں

تو مع الخدام خیریت سے واپس لا اُسے
تو دکھا مجھ کو جمال دل ربائے قادیاں

الغرض چھوٹے بڑے سب ہیں سراپا اشتیاق
ہیں تلاش مہر میں ارض و سمائے قادیاں

اب تو دورِ شربتِ دیدار چلنا چاہیئے
مضطرب ہیں تشنگانِ باوفائے قادیاں

کاش جلد آکر یہ مژدہ دے کوئی مختار کو
لو مبارک آگئے فرماں روائے قادیان

مطلع پنجم

اللہ اللہ رنگ لائی پھر فضائے قادیاں
پھر وہی عالم ہوا زیب سمائے قادیاں

شکر للہ اے فدایانِ ادائے قادیاں
لو وہ بدلا رنگ وہ پلٹی ہوائے قادیاں

پھر گل و بلبل وہی ہیں پھر وہی راز و نیاز
پھر وہی لطفِ بہار جانفزائے قادیاں

پھر وہی محفل، وہی ساقی، وہی مستِ الست
پھر وہی دورِ مے فرحت فزائے قادیاں

پھر وہی جوش طرب ہے پھر وہی کیف و سرور
پھر وہی نغمے، وہی لطفِ نوائے قادیاں

ہمصفیرو کھل گیا پھر بوستانِ آرزو
پھر ہوئی عنبر فشاں موج ہوائے قادیاں

جیتے جی کرتا ہو جس کو سیرِ جنت النعیم
دیکھ لے لطفِ بہار جاں فزائے قادیاں

کیا ہوا میں نے جو اس کو باغ جنت کہہ دیا
دیکھ لیں اہل نظر شانِ ادائے قادیاں

یہ چمن بندی، یہ جوش لالہ و گل یہ بہار
یہ پھلا پھولا گلستان وفائے قادیاں

یہ طراوت، یہ نفاست یہ لطافت یہ نمو
یہ ادا، یہ شان یہ رنگ ہوائے قادیاں

اور ہی عالم ہے باغِ قادیاں میں آج کل
اور ہی عالم میں ہے باغ وفائے قادیاں

وجد میں آتے ہیں رہ رہ کر جوانانِ چمن
جھومتی پھرتی ہے باد جانفزائے قادیاں

غنچہ ہائے ناشگفتہ کا تبسم ہائے ہائے
اور اس پر جنبش موج ہوائے قادیاں

کھل گئے غنچے نقاب خندہ گل اُٹھ گئی
واہ کیا کہنا ہے اے موج ہوائے قادیاں

شاہد گل نے اُلٹ دی ہنس کے چہرے سے نقاب
جانے کیا کہتی ہوئی گزری ہوائے قادیاں

دیکھ کر حسن جمال شاہد طناز گل
وجد کرتی ہے بہار جانفزائے قادیاں

طائران خوش نوا ہیں شاخ گل پر نغمہ زن
گونجتی ہے لحن دلکش سے فضائے قادیاں

نغمۂ بلبل میں ہے رنگینیٔ گل کی بہار
واہ رے جوش نموئے جانفزائے قادیاں

خندۂ گل اک طرف ہے لحن بلبل اک طرف
رنگ پر ہے بوستان دلکشائے قادیاں

کیوں نہ ہو جائے نظر محو طلسم بے خودی
یہ کشش، یہ جذب یہ حسن فضائے قادیاں

آتش گلہائے رنگیں سے دہکتا ہے چمن
خوب آنکھیں سینک لیں اہل وفائے قادیاں

ہے عجب رونق در و دیوار و سقف و بام پر
صاف مثل آئینہ ہیں کوچہ ہائے قادیاں

آج لہریں لے رہا ہے ہر طرف عمّانِ نور
تیرتے پھرتے ہیں اربابِ صفائے قادیاں

اس قدر آرائش و پیرائش اللہ غنی
یہ عروس آراستہ ہے با فضائے قادیاں

بحرِ دل میں اُٹھ رہے ہیں دم بدم امواجِ عشق
آج ہیں جوشِ محبت آشنائے قادیاں

منزلِ دل بن گئی کاشانۂ عیش و نشاط
ہو رہے ہیں باغ باغ اہلِ وفائے قادیاں

حضرت اخترؔ کسیؔ بے مہر کا اب ذکر کیا
آئیے مختارؔ سے سُنیے ثنائے قادیاں

مطلع ششم

اللہ اللہ یہ بہارِ دل کشائے قادیاں
گھر کئے لیتی ہے آنکھوں میں فضائے قادیاں

موجبِ بالیدگی روحِ شائق مرگ برگ
ذرہ ذرہ نورِ چشمِ ہر فدائے قادیاں

گُل سے باہر ہو کے بھی رہتی ہے جیسے گُل میں بُو
یوں بسی ہے خانۂ دل میں فضائے قادیاں

کارِ دین میں آج کل کس کو ہے ایسا انہماک
منہمک ہیں جس طرح اہلِ صفائے قادیاں

کس جگہ ایسا ہے جوشِ خدمتِ دینِ متیں
کس جگہ ہے اب یہ طرزِ جانفزائے قادیاں

کس جگہ ہے شوقِ ابلاغ واشاعت کا یہ رنگ
کس جگہ ہے اہتمام ایسا سوائے قادیاں

کس جگہ ہوتا ہے ایسا درسِ قرآن وحدیث
کس جگہ نغمے ہیں مثل نغمہائے قادیاں

کس جگہ ہے یہ لحاظِ شرعِ ختم الانبیاءؑ
کس جگہ یہ شوقِ طاعت ہے سوائے قادیاں

لوٹ سکتا ہے وہی باغِ مدینہ کی بہار
جس کی نظروں میں سمائی ہو فضائے قادیاں

لانبی الانبیاء اِلّا محمد مصطفٰے
لا مسیح الوقت اِلّا میرزائے قادیاں

تشنہ کامانِ محبت کوئی دم کی بات ہے
اب چلا دورِ مے لطف وعطائے قادیاں

وہ چلی ٹھنڈی ہوا، وہ آئی متوالی گھٹا
وہ ہوئے گرمِ ترنم خوش نوائے قادیاں

ساقیٔ دریا دل آیا چاہتا ہے سوئے بزم
ہوشیار اے بادہ نوشانِ ولائے قادیاں

اے طلبگارانِ حسن جانفزا البُشریٰ لکم
اب ہوا رونق فزا مہرِ ہدائے قادیاں

فروحوا طوبیٰ لکم یا معشر الجن والانس
آگیا ہے وقتِ دید دل ربائے قادیاں

تا کجا سربستگیٔ غنچۂ نخلِ مراد
المدد اے جنبش موجِ ہوائے قادیاں

مژدہ باد اے اہلِ تسلیم ورضائے قادیاں
شکر لِلّٰہ دیدنی ہے اب ادائے قادیاں

مطلع ہفتم

پو پھٹی، تڑکا ہوا، نکلا وہ قُرصِ آفتاب
وہ اٹھا پردہ، وہ آیا دل ربائے قادیاں

دیکھ لی شانِ جنابِ حق تعالیٰ دیکھ لی
باغ جنت بن گیا باغِ وفائے قادیاں

گونج اُٹھی ہے فضا شورِ مبارکباد سے
جا رہے ہیں عرش تک یہ نعرہ ہائے قادیاں

مطلع ہشتم

لِلّٰہ الحمد آگیا فرماں روائے قادیاں
لِلّٰہ الحمد آگیا راحت فزائے قادیاں

آگیا وہ جس کی آمد کے لئے بیتاب تھے
عاشقانِ قادیان صبر آزمائے قادیاں

مطلع نہم

السلام اے زینتِ حُسن وادائے قادیاں
السلام اے رہنما ومقتدائے قادیاں

السلام اے گوہرِ دُرجِ صفا واصطفا
السلام اے جوہرِ کانِ وفائے قادیاں

السلام اے ماہِ تابانِ کمالات السلام
السلام اے مہرِ رخشانِ ہدائے قادیاں

السلام اے نخلبندِ گلشنِ دین السلام
السلام اے رونق افزائے فضائے قادیاں

السلام اے ابن مہدی و مسیحِ دین پناہ
السلام اے جانشینِ پیشوائے قادیاں

السلام اے عاشقِ دینِ محمد مصطفٰے
السلام اے یادگارِ میرزائے قادیاں

السلام اے سید و مولائے مختار السلام
اسلام اے سرور سر با وفائے قادیاں

مطلع دہم

مدح حاضر ہیں اب ایسا مطلع روشن پڑھوں
شور احسنت سے گونج اُٹھے فضائے قادیاں

تو ہوا رخشاں جو اے مہر ہدائے قادیاں
اللہ اللہ جگمگا اُٹھی فضائے قادیاں

تو حقائق آشنا ہے تو دقائق دستگاہ
تو معارف داں ہے تو نکتہ نمائے قادیاں

مخزنِ رازِ شریعت مامنِ اسرارِ حق
معدن رمزِ طریقت رہنمائے قادیاں

عالم رازِ نہاں، تاجِ سرِ دانشوراں
پیشوائے عارفاں شاہ ہدائے قادیاں

مسند آرائے ہدیٰ، سرخیلِ اربابِ صفا
تاج دارِ اتقاء فرماں روائے قادیاں

جانب مرکز مبارک ہو تجھے یہ بازگشت
اے شہ دیں، اے امام و مقتدائے قادیاں

تیری تشریف آوری نے پھونک دی مُردوں میں روح
جی اُٹھے گویا دوبارہ باوفائے قادیاں

فیض نفخِ روح افزا سے تصاویر رنگی
بن گئی ہیں طائرانِ خوش نوائے قادیاں

یہ امنگیں، یہ ترنگیں، یہ وفور ذوق و شوق
یہ ہجوم عاشقاں با وفائے قادیاں

آج تو کوشش سے بھی ملتا نہیں ان کا مزاج
کتنے اونچے اُڑ رہے ہیں خوش نوائے قادیاں

لُٹ رہی ہے دولتِ حُسن و جمال دلفروز
گرم ہے ہنگامۂ لطف و عطائے قادیاں"

اے امام المتقین، اے ہادی راہِ یقیں
اے رئیس العارفیں اے مقتدائے قادیاں

اے دُرِ تابندۂ دریائے عرفان و یقیں
اے گل رعنائے باغِ اتقائے قادیاں

اے حقیقت آشنائے و حق شناس و حق نما
اے سبق آموزِ تسلیم و رضائے قادیاں

اے اولی العزم، اے بشیر الدین، اے فضل عمر
مرزا محمود احمد مقتدائے قادیاں

مخزنِ لطف و کرم، سرچشمہ خُلقِ اتم
معدنِ فیضِ اتم کانِ صفائے قادیاں

رہنمائے گمرہاں۔ آرام جانِ طالباں
مرہم دل خستگان راحت فزائے قادیاں

زینت و زیب چمن زارِ محمد مصطفٰے
رونق افزائے رخِ صدق و صفائے قادیاں

آج تو ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں ان کا مزاج
کتنے اُونچے اُڑ رہے ہیں خوش نوائے قادیاں

لُٹ رہی ہے دولتِ حُسن و جمال دلفروز
گرم ہے ہنگامۂ لطف و عطائے قادیاں

دلولے اُٹھتے ہیں دل میں رنگ محفل دیکھ کر
چاہیئے کچھ خاطر اہل صفائے قادیاں

اک غزل بھی اب وہ پڑھ دوں جس کو سنکر وجد آئے
سر دھنیں ہر شعر پر اہل وفائے قادیاں

غزل

للہ الحمد آج ہیں محو لقائے قادیاں
وہ نگاہیں تھیں جو مشتاق فضائے قادیاں

بزم جنت کی حقیقت مجھ سے پوچھا چاہیئے
میں نے لوٹی ہے بہار جاں فزائے قادیاں

اب تو صرف اتنے ہی کی محتاج ہے کشت اُمید
ایک چھینٹا اور اے ابرِ سخائے قادیاں

لحنِ داؤدی کا لطفِ جانفزا معلوم ہے
بارہا میں نے سُنے ہیں نغمہ ہائے قادیاں

رکھ چکا ہوں دل میں پڑھ پڑھ کر نکات احمدی
میں نے نظروں سے چُنے ہیں میوہ ہائے قادیاں

بس یہ ہے واعظ کے طومار ملامت کا جواب
دیکھ اے ظالم ادائے دلربائے قادیاں

اکمل ذتاقب کو ہے مختار ابھی اور اشتیاق
پھر چہک اے عندلیبِ خوش نوائے قادیاں

میری آنکھوں سے کوئی دیکھے ادائے قادیاں
مجھ سے پوچھے کوئی مجھ سے ماجرائے قادیاں

رنگ لائی ہے میری طبع رواں مدت کے بعد
جوش پر ہے بحرِ مواج ثنائے قادیاں

کیوں نہ ہو موجِ تبسم میرے ہونٹوں پر نثار
گدگداتا ہے مجھے شوقِ ثنائے قادیاں

کیوں نہ آجائے ہنسی واعظ کی قیل وقال پر
دیکھتا ہوں رنگ و انداز ہوائے قادیاں

اب کہاں وہ چاند میں بڑھیا کا چرخہ کاتنا
دُور تک جانے لگے ہیں نغمہ ہائے قادیاں

کب تک انبارِ خس و خاشاک اقوال الرجال
اور ہی کچھ کہہ رہی ہے اب ہوائے قادیاں

ظلمتِ تکفیر کے اڑتے ہیں رہ رہ کر دھوئیں
پھیلتی جاتی ہے عالم میں ضیائے قادیاں

محتسب کہتے ہیں کس کو اور کیسا احتساب
اور ساقی اور صہبائے دلائے قادیاں

میں بھی دریا نوش ہوں ساقی جو دریا دل ہے تو
خم کے خم دے بادۂ فرحت فزائے قادیاں

گوہر دلبسمل نہ ہوں مختار تجھ سے شکوہ سنج
اور اک موج اور اے بحرِ ثنائے قادیاں

غزل سوم

اللہ اللہ جوشِ حُسن دل کشائے قادیاں
اب تو ہیں حسّاد بھی محوِ ثنائے قادیاں

یہ عروج اللہ اکبر، یہ صفائے قادیاں
برق کو دھوکا ہے میں ہوں یا ضیائے قادیاں

عرش سے تا فرش پھیلا ہے یہ نور دلفروز
یا گلے ملتے ہیں آج ارض و سمائے قادیاں

یہ زمینِ قادیاں ہے یا سپہر پُر ضیا
چودھویں کا چاند ہے یا دلربائے قادیاں

شاہد گردوں نے اُلٹی ہے نقابِ زرنگار
یا ہے نور افشاں رُخِ یوسف لقائے قادیاں

اُس جبینِ ناز سے کرنے لگی کسبِ ضیا
کس طرح نازاں نہ ہو صبح صفائے قادیاں

کس سے ہیں سرگوشیاں اُس زلفِ عنبر بیز سے
کیوں نہ اترائے نسیم جانفزائے قادیاں

آسمانِ حسن پر یہ کوندتی ہے برقِ ناز
یا تبسم ہے نثار مہ لقائے قادیاں

کس کو یارائے تکلم کس کو تابِ دم زدن
جب گل افشاں ہوں لبِ معجز نمائے قادیاں

محوِ حیرت ہیں شرافت، وجد میں روحِ ادب
کیوں نہ ہو مختار ہے محوِ ثنائے قادیاں

پھر چلا خامہ قصیدے کی طرف بعد غزل
کروٹیں لیتا ہے دریائے ثنائے قادیاں

مظہر شانِ جنابِ حق تعالیٰ شانہٗ
سید الآفاق خورشید ہدائے قادیاں

تجھ کو خالق نے بنایا اپنے فضل ورحم سے
حُسن و احساں میں نظیر میرزائے قادیاں

دھوم ہے چاروں طرف تیری اولوالعزمی کی دھوم
خوب ہی پہنچائی عالم میں ضیائے قادیاں

کون ہے تیرے سوا اے میرے آقا کون ہے
موجب افزائشِ حُسن و ادائے قادیاں

شکلِ ماہِ نیم ماہ و مثلِ مہر نیم روز
رات دن پھیلا رہا ہے تو ضیائے قادیاں

ختم ہے تجھ پر اولی العزمی و عالی ہمتی
اے رئیس قادیاں اے رہنمائے قادیاں

خوب ہی اونچا کیا دنیا میں نام اسلام کا
واہ اے ابن امام و رہنمائے قادیاں

کس میں ہے یہ حسن دلکش کس میں ہے یہ آن بان
کس میں ہے انداز شانِ دلربائے قادیان

لافتٰی اِلّا علی لاسیفَ اِلّا ذوالفقار — لااِمامَ الوقت اِلّا مقتدا ئے قادیاں

ماہِ برجِ فضل ورحم وحسن واحسان اتم — آفتابِ مطلع صدق و صفائے قادیاں

قابلِ عبرت ہے اب حالت ترے حُسّاد کی — دن دہاڑے جن سے پنہاں ہے ضیائے قادیاں

کاروبارِ صاذقاں ہرگز نہ ماند ناتمام — دیکھ لیں ہاں دیکھ لیں ناآشنائے قادیاں

وہ کیا کہنا ہے جذبِ حسن واحسان واہ وا — دل کھنچے آتے ہیں سوئے دلربائے قادیاں

ہے وہی اگلی سی رونق جلوہ گاہِ ناز میں — سربکف ہیں غٹ کے غٹ اہلِ وفائے قادیاں

ہرطرف پھیلا ہوا ہے سرخرو ہونے کا جوش — ہرطرف ہے موجزن بحرِ وفائے قادیاں

تک رہے ہیں تیری صورت تشنہ کامانِ فراق — اِک نگاہِ دل نواز اے دلربائے قادیاں



۱؎ اختر ۔ جناب غلام محمد صاحب اختر اوچ شریف

۲؎ اکمل ۔ قاضی محمد اکمل صاحب

۳؎ ثاقب ۔ جناب محمد نواب خاں صاحب مرزا خانی (مالیر کوٹلہ)

نذر

ذیل کے اشعار حضرت حافظ سیّد مختار احمد صاحب شاہجہانپوری جو سیّدنا حضرت مسیح موعود کے قدیمی رفیق اور جماعت کے اہلِ علم حضرات میں ایک خاص مقام رکھنے والے بزرگ ہیں، ان کی لاہور میں لکھی ہوئی ایک طویل نظم کا حصّہ ہیں۔ حضرت حافظ صاحب آج کل علیل ہیں اس لئے اُن کے سینکڑوں اشعار پنسل سے لکھے ہوئے مسودہ سے جو دراصل کئی جگہوں سے پڑھا بھی نہیں جاتا اُن کی اجازت سے یہ اشعار حاصل کئے گئے ہیں اور اس اعتراف میں ہمیں قطعاً کوئی تامّل نہیں کہ نہ اِن کا انتخاب حضرت حافظ صاحب کی مرضی کے مطابق ہوا اور نہ ہی ترتیب۔ تاہم اسے ہی غنیمت اور تبرک سمجھ کر حضرت حافظ صاحب کا منظوم کلام ہدیۂ قارئین ہے۔ احباب سے درخواست ہے کہ وہ حضرت حافظ صاحب کی صحتِ کاملہ و عاجلہ کے لئے دُعا کرتے رہیں تا وہ شمعیں جنہوں نے براہِ راست اپنی زندگیوں میں سیدنا حضرت مسیح موعود سے اکتسابِ نور کیا ہے اُن کی ضیاباریوں سے ہم زیادہ سے زیادہ مستفیض ہوتے رہیں۔ ——— ادارہ

کیوں پریشان پئے حجت وبرہان ہوں میں — فرصتم باد کہ مستِ مئے عرفان ہوں میں

ہمہ تن آرزو و حسرت وارمان ہوں میں — خوشتر آں روز کہ خاکِ درِ جاناں ہوں میں

یہ تو کس مُنہ سے کہوں تابع فرماں ہوں میں — ہاں یہ ہے عرض کہ لذّت کشِ احساں ہوں میں

جلوۂ حسن سے معمور ہے کاشانۂ دل — یعنی اس طرز سے بھی حافظِ قرآں ہوں میں

قمر اس رُوئے ضیا بار کا ثانی ۔ توبہ　　شمس کہتا ہے چراغ تہِ داماں ہوں مَیں
حق پسندوں سے یہ کہتا ہے نظارہ اُن کا　　اِس زمانے کے لئے آیۂ رحماں ہوں مَیں
لاجواب ان کا ہر انداز عجب حیرت ہے　　کس کا مداح نہ ہوں کس کا ثناخواں ہوں مَیں
میں کہاں اور مقامِ درِ دلدار کہاں　　رخصت اے ضبط کہ جی کھول کے رقصاں ہوں مَیں
لے گئی کس قدر اونچا مجھے قسمت میری　　واہ رے مَیں کہ فدائے شہِ عرفاں ہوں مَیں
مجھ سے ناچیز پر ایسی نگہِ رُوح نواز　　اتنے الطاف و عنایات کہ نازاں ہوں مَیں
سامنے ہے وہ رتن باغ کا منظر اب تک　　رُوح لبشاش ہے دِل شاد ہے خنداں ہوں مَیں
وہ دمِ پرسشِ احباب یہ کہنا میرا　　کچھ تعجب نہ کریں آپ جو گریاں ہوں مَیں
یہ وہ حالت ہے جو ہوتی ہے خوشی سے پیدا　　اس خوشی کا متمنّی بدل وجاں ہوں میں
سُن کے الفاظِ نوازش نکل آئے ہیں یہ اشک　　اُن کو دیکھا جو گل افشاں گہر افشاں ہوں میں
امتحاں گاہِ وفا میں جبلِ استقلال ہیں اہل　　ورنہ اک ذرّۂ خاکِ درِ جاناں ہوں مَیں
قصّۂ آدم و شیطاں نے دیا ہے یہ سبق　　کِس سے وابستہ رہوں کس سے گریزاں ہوں مَیں
اُن کی نظروں سے گرے کوئی مگر میں نادم　　ناقضِ عہدِ وفا کوئی ہو لرزاں ہوں مَیں
رنگِ نیرنگیٔ آفاق عیاذاً باللہ　　کبھی ششدر کبھی خنداں کبھی گریاں ہوں مَیں
اے تری شان یہ نخوت یہ رعونت یہ غرور　　پَر پروانہ کہے شمعِ شبستاں ہوں مَیں
ایک نکلے گا جماعت سے تو آئیں گے ہزار　　یہ یقینی ہے اگر صاحبِ ایماں ہوں مَیں

کچھ سروکار نہیں چون وچرا سے میں مختار
شکر صد شکر کہ ہم مشربِ مستاں ہوں میں

نوٹ: حضرت حافظ صاحب کی یہ نظم ماہنامہ خالد ربوہ بابت ماہ ستمبر اکتوبر ۱۹۵۷ء ایڈیٹر صاحب کے نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی

رنج والم کا اظہار بدرگاہِ کردگار

اے آہِ رسا غنچۂ مقصد کو ہوا دے　　سینے سے نکل عرشِ الٰہی کو ہلا دے
اک صدمۂ جانکاہ سے ہوں مضطرب الحال　　وہ صدمۂ جانکاہ جو دیوانہ بنا دے
سینہ ہے تپاں کانپ رہے ہیں جگر و دل　　وہ کشمکش غیظ ہے جو ہوش اُڑا دے
قابو میں نہیں جوشِ غضب سے دلِ بریاں　　وہ جوشِ غضب سینے میں جو آگ لگا دے
ہوں ہوش میں لیکن مجھے کچھ ہوش نہیں ہے　　وہ حال ہے جو دیکھنے والوں کو رُلا دے
آنکھیں ہیں کھلی اور نظر کچھ نہیں آتا　　گویا کہ یہ ارض و فلک اوراق ہیں سادے
زندہ ہوں مگر زلیست کی اب تاب نہیں ہے،　　رُوٹھے ہوئے ہیں مجھ سے مرے دل کے ارادے
اے خون! بہت کھول چکا بس اب ابل جا　　سوزِ تپِ اندوہ کی شدت کا پتا دے
اے دیدۂ خوں بار! وہ طوفاں بپا کر　　جو نوح کے طوفان کو نظروں سے گرا دے
اے دل! تو لہو بن کے مری آنکھ سے بہ جا　　اے جان! تو کس دن کیلئے ہے یہ بتا دے
حملہ ہو شریف احمد ذی جاہ پر افسوس　　بے وجہ عدو ہم کو غمِ ہوش رُبا دے
دِل دل ہی تو ہیں برف کی قاشیں تو نہیں ہیں　　اتنا کوئی الضاف کے پتلوں کو بتا دے
کیوں خنجرِ غم سے نہ ہو ٹکڑے دلِ بیتاب　　کیوں دیدۂ تر خون کا دریا نہ بہا دے

کچھ حد بھی ہے ضبطِ الم و درد کہاں تک — یہ درد تو وہ ہے جو تہِ خاک سُلا دے
اس درد سے تاریک ہے نظروں میں زمانہ — اس درد کی وہ جاننے والا ہی دوا دے
اے قادر و قدوس کہاں ہے تری نصرت — دل درد سے بےچین ہیں اک ہاتھ دکھا دے
اے غیرتِ حق وقت ہے فریاد رسی کا — اعدا کو ستم گاریٔ اعدا کی سزا دے
انسان تو بن بیٹھے ہیں بیگانۂ انصاف — اب تو ہی جوابِ ستم و جور و جفا دے
سب کثرت و قوت کے طرفدار ہیں یارب — ہے تیرے سوا کون جو دادِ ضعفا دے
تو بارشِ رحمت سے ہمیں کر دے شرابور — وہ آگ جو رہ رہ کے بھڑکتی ہے بجھا دے
رو کے جو رہ عشق سے دنیا نہ رکیں ہم — یہ شوقِ رضا دے ہمیں یہ جوشِ وفا دے
عالم میں شرافت ہے اک انعام خداداد — یہ شے وہ نہیں جو کوئی بازار سے لا دے
دشوار ہے تبدیلیٔ اطوارِ اراذل — ہر چند کوئی درسِ طریقِ شرفا دے
اظہارِ رذالت پر اتر آئے ہیں اشرار — تو شرم و حیا دے انہیں یا ان کو مٹا دے

مختارؔ بڑی دیر سے کچھ مانگ رہا ہے
احباب خدا کے لئے کہہ دیں کہ خدا دے

مکرم چوہدری عبدالواحد صاحب نائب ناظر اصلاح وارشاد تحریر کرتے ہیں کہ حضرت میاں بشیر احمد صاحب وفات پا گئے۔ جنازہ مقبرہ بہشتی کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ حضرت حافظ صاحب اپنے کمرے سے نکل کر باہر برآمدے میں کھڑے رہے تا آنکہ حضرت میاں صاحب کی تدفین ہو گئی بعد تدفین لوگ واپس ہونا شروع ہوئے۔ حافظ صاحب اُسی حالت غمزدگی میں کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گئے۔ رات بھر نیند نہیں آئی۔ صبح تک تین سو شعر کہہ ڈالے۔ صبح کو جب حضرت حافظ صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اپنی ساری کیفیت سنائی اور کہا کہ صبح ثاقب زیروی صاحب آئے تھے کچھ اشعار طلب کئے میں نے کہا ان اشعار میں سے چن لو

گریۂ بے اختیار

بیادِ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب

کھلا کریں جو کھلے ہیں چمن میں لالہ و گل — ہوا کرے جو نسیمِ بہار باقی ہے
کیا کریں سرِ شمشاد قمریاں کُو کُو — رہا کرے جو نوائے ہزار باقی ہے
کسے دماغ سُنے کون ذکرِ بلبل و گل — کہاں سکونِ دلِ داغدار باقی ہے

مری نگاہ میں تاریک ہو گیا عالم — نظر سے چھپ گئی ہر شے غبار باقی ہے
نہ تابِ ضبطِ الم ہے نہ طاقتِ فریاد — نہ سر میں ہوش نہ دل میں قرار باقی ہے
نہ میرے بس میں رہی میری چشمِ اشک فشاں — نہ دل پہ آج مجھے اختیار باقی ہے
فدائے دین قمرالانبیاء نے پائی وفات — جہانِ عشق میں جن کا وقار باقی ہے
ہزار حیف کہ راہی ہوئے وہ سوئے عدم — ہزار حیف کہ یہ اشکبار باقی ہے
جو کل تھے باعثِ تسکینِ غم کشاں نہ رہے — یہ بے قرار بہ زار و نزار باقی ہے
وہ چل دیئے جنہیں تھا درد خستہ حالوں کا — یہ دل فگار یہ غم کا شکار باقی ہے
جو محوِ خدمتِ دین تھے وہ محوِ خواب ہیں آج — یہ شرمسار یہ غفلت شعار باقی ہے
نگاہیں ڈھونڈ رہی ہیں وہ شہسوار کہاں — غبار ہے کہ پسِ راہوار باقی ہے
یہ کوہِ صدمہ و غم اور یہ ضعیف و نحیف — قضا کو آنے میں کیا انتظار باقی ہے
یہ ابتلائے مقدر تو آچکا لیکن — نزولِ رحمتِ آمرزگار باقی ہے
یہ درد جس نے دیا ہے وہی دوا دے گا — یہی یقین، یہی انتظار باقی ہے

یہ فکر تھی کہ انہیں پر تھا بارِ خدمتِ دیں
اُسے اُٹھائے گا کون اب جو بار باقی ہے

ندائے غیب یکایک یہ دل میں گونج اُٹھی — کہ وہ مسبّبِ ذوالاقتدار باقی ہے
اسی کے ہاتھ کا یہ سلسلہ تھا اک پودہ — جو صورتِ شجرِ سایہ دار باقی ہے
اُسی نے اس کو بڑھایا وہی بڑھائے گا — اُسی کے لطف سے اسکی بہار باقی ہے
سمجھ رہی تھی جسے خلق ایک ذرّہ خاک — وہ مثلِ نیّرِ نصف النہار باقی ہے
اُسی کے فضل سے اس کو عطا ہوا ہے وقار — اُسی کے فضل سے اس کا وقار باقی ہے

اُسی نے اس کو نوازا، وہی نوازے گا — کہ وہ جو چاہے کرے اختیار باقی ہے
خدا کے کام کا بندے پہ انحصار نہیں — کہاں یہ ہستی ناپائیدار باقی ہے
بقا کسی کو نہیں ساری خلق ہے فانی — بس ایک خالق و پروردگار باقی ہے
ازل سے ہے یہی حال اس سرائے دنیا کا — کوئی گیا تو کوئی سوگوار باقی ہے
یہاں نہ کوئی رہا ہے نہ رہ سکے گا کوئی — غلط کہ زندگی مستعار باقی ہے
جو لوگ اگلے زمانوں میں تھے کہاں ہیں وہ آج — کوئی نبی نہ کوئی شہر یار باقی ہے
اسی طرح روشِ روزگار تھی پہلے — اسی طرح روشِ روزگار باقی ہے
ہزار جائیں یہاں سے تو لاکھ آتے ہیں — نہ اُن کی حد ہے نہ اُن کا شمار باقی ہے
اِس آنے جانے میں کوئی بھی روک ٹوک نہیں — یہ دورِ مثلِ خزان و بہار باقی ہے
یہ طرزِ آمد و رفت ابتدا سے آخر تک — بحکمِ حضرتِ پروردگار باقی ہے
جو اُس جہان سے آتے ہیں وہ تو جاتے ہیں — نہ اس میں شک نہ کوئی اعتذار باقی ہے
نہ آج تک کوئی آیا نہ کوئی آئے گا — نہ تھا کسی کو نہ یہ اختیار باقی ہے
سوائے صبر نہیں اور کوئی چارہ کار — یہی علاجِ دلِ بے قرار باقی ہے
یہ مانتا ہوں مگر مطمئن نہیں دلِ زار — یہ مانتا ہوں مگر اضطرار باقی ہے
کسی طرح نہیں جاتی خلش نہیں جاتی — وہی تڑپ ہے وہی انتشار باقی ہے
جب اُن کا ذکر ہوا سیلِ اشک اُمنڈ آیا — یہ سلسلہ ہے کہ لیل و نہار باقی ہے
میں روکتا تو ہوں رکتے نہیں مگر آنسو — رکیں بھی کیا کہ دلِ بے قرار باقی ہے
شکیب و ضبط و تحمل سب اُن کے ساتھ گئے — یہاں تو گریۂ بے اختیار باقی ہے

نالۂ خاموش

اے نالۂ خاموش خدا تجھ کو جزا دے — افلاک سے بڑھ کر عرشِ معلّٰی کو ہلا دے
اے چشمِ ستم دیدہ وہ طوفان بپا کر — جو دیدۂ سفاک کو بھی خون رُلا دے
اے دِل تو لہو بن کے مِری آنکھ سے ڈھل جا — چمکا ہُوا رنگ رُخِ آفاق اُڑا دے
اے خونِ جگر سینے میں کھَول اور اُبل جا — اِک جوشِ جنوں خیز رگ و پے میں رچا دے
اے عقلِ رسا اَور تیرا اب نہیں کچھ کام — دیوانوں کی فہرست میں اِک نام بڑھا دے
گزرا ہے جو نظروں سے وہ بھُولی نہیں نظریں — گزری ہے جو دِل پر اسے دِل کیسے بھلا دے
خود میرے محافظ نے ہی چھینی مِری دولت — یہ طرفہ ستم کیوں نہ مِری جان جلا دے
رگ رگ میں تپِ غم سے لہو کھول رہا ہے — منہ تکتے ہیں حسرت سے میرے دِل کے ارادے
مخلوق نے اِنصاف کی توقیر گھٹا دی — اللہ مِرا حوصلۂ ضبط بڑھا دے
صد حیف کہ کمزور کو بے وجہ زبردست — اک تختۂ مشقِ ستم و جوَر بنا دے
کیا جرم ہے کیا میں نے بگاڑا ہے کسی کا — کچھ میری خطا بھی تو کوئی مجھ کو بتا دے
اِک میں ہی تو دیوانۂ آئینِ وفا تھا — اللہ مجھی کو وہ غمِ ہوشِ ربا دے
آتے ہی مِرا ذکر بدل جاتی ہے تیوری — اب کیا کہوں اللہ ان آنکھوں کو حیا دے
حق کا تو زبردست گلا گھونٹ چکا ہے — کمزور کو برداشت کی توفیق خدا دے

پاکیزگیٔ نفس ہے اِک نعمتِ عظمےٰ — لیکن یہ اُسی کے لئے ہے جس کو خدا دے
کَل تھا تو مَیں وہ تھا جو ہے مشہور۔ مگر آج — جو چاہے وہ اُس کا لبِ الزام بنا دے
تقصیر بھی کچھ ہے کہ نہیں اس سے غرض کیا — شائق جو سزا دینے کا ہو کیوں نہ سزا دے
یونہی سہی مَیں فاتحۂ خیر تو پڑھ دُوں — انصاف کو گاڑا ہے کہاں کوئی بتا دے
خالی نہیں جاتیں کبھی مظلوم کی آہیں — کوئی یہ اُس انصاف کے پُتلے کو بتا دے
یوسف تو اسیری میں بھی یوسف ہی رہے گا — لیکن اُسے کیا کہیئے جو یوسفؑ کو سزا دے
ہے بہرِ سزا جرم کا اثبات بھی لازم — الزام تو جس پر بھی جو چاہے وہ لگا دے
اے وہ کہ نظر بندیٔ یوسفؑ سے ہے شاداں — دُنیا کو ذرا دامنِ یوسف بھی دکھا دے
رہتا ہے عیاں ہو کے ہی فرقِ حق و ناحق — گر کوئی اُسے کتنے ہی پردوں میں چھپا دے
اللہ رے پاکیزگیٔ دامنِ یوسفؑ — شرمندہ زلیخا ہو عزیز آنکھ جھکا دے
اے دِل یہ تیری نظم تو احباب نے سُن لی — اِک نظم اِسی دُھن میں خدا کو بھی سُنا دے

جو دیکھنے والے ہیں وہ یہ دیکھ لیں مختارؔ
تُو نظم پڑھے۔ داد تجھے تیرا خدا دے

نوٹ:۔ یہ نظم ہفت روزہ "لاہور" بابت ۲۶ دسمبر ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔

بیانِ اہلِ درد

(۱)

کیا کوئی بیدرد سمجھے گا بیانِ اہلِ درد
پوچھ اہلِ درد سے لطفِ زبانِ اہلِ درد

وہ تو ہیں بیدرد اُنہیں کیا قدرِ جانِ اہلِ درد
جانِ اہلِ درد پر صبرِ فغانِ اہلِ درد

دیکھئے رہتا ہے کب تک یہ مصائب کا ہجوم
دیکھئے ہوتا ہے کب تک امتحانِ اہلِ درد

بدگماں بھی جانتے تھے اور اُنہیں بیدرد بھی
لیکن اس حد تک نہ پہنچا تھا گمانِ اہلِ درد

کچھ اثر ہوتا نہ ہوتا یہ تو تھی قسمت کی بات
سُن تو لیتے وہ مگر اک دن بیانِ اہلِ درد

دیکھئے ہوتی ہیں اب کیا کیا ستم آرائیاں
کہہ چکے ہیں وہ کہ ہم ہیں اور جانِ اہلِ درد

ہے تصور میں کسی بیدرد سے یہ گفتگو
چشمِ بددور آپ ہی ہیں مہربانِ اہلِ درد

آپ ہی کے خلق بے پایاں سے دل ہیں شادکام
آپ ہی ہیں خیر سے راحت رسانِ اہلِ درد

آپ ہی کے سر ہے سہرا عدل اور انصاف کا
اللہ اللہ آپ ہی ہیں قدر دانِ اہلِ درد

اب تو صاحب حد سے گزریں آپکی بیدردیاں
آپ کچھ دن آ کے بیٹھیں درمیانِ اہلِ درد

شکر للہ آج تو مختار وہ بھی بول اٹھے
سنئے اہلِ درد ہی سے داستانِ اہلِ درد

(۲)

اللہ اللہ کس ترقی پر ہے شانِ اہلِ درد
کانپتا ہے عرش بھی سنکر فغانِ اہلِ درد

سن نہ بیدردوں سے ظالم داستانِ اہلِ درد
ان کی باتوں میں کہاں لطفِ زبانِ اہلِ درد

ڈھالتی رہتی ہے مخلوق اپنے اپنے رنگ میں
کس کشاکش میں پڑی ہے داستانِ اہلِ درد

چاہیئے اغیار سے بھی پاسِ آئینِ وفا
کس قدر نازک ہے شرطِ امتحانِ اہلِ درد

جان سے بھی بڑھ کے پیاری کیوں نہ ہو امیدِ لطف
اب یہی لے دے کے ہے راحت رسانِ اہلِ درد

اُس تغافل کیش کو درد آشنا ہونے تو دو
درد ہی بن جائے گا آرامِ جانِ اہلِ درد

روز و شب اس دُھن میں ہیں دیوانگانِ کوئے دوست
جان جائے یا رہے رہ جائے آنِ اہلِ درد

فرش سے آہوں کا اک تانتا لگا ہے عرش تک
سوئے منزل جا رہا ہے کاروانِ اہلِ درد

سن چکے ہیں یہ کہ اس کو آہ و زاری ہے پسند
اب کہاں تاؤ سے تھمتی ہے زبانِ اہلِ درد

جوشِ بارانِ سہام اللیل طوفان خیز ہے
کاش جائے امن ڈھونڈیں دشمنانِ اہلِ درد

کوئی بیدردوں سے اے مختار کہدے مژدہ باد
رنگ لانے ہی کو ہے سوزِ فغانِ اہلِ درد

(نوٹ) مطبوعہ روزنامہ الفضل قادیان ۔ ۴؍ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(۳)

اللہ اللہ کیا ہی دل کش ہے بیانِ اہلِ درد
طرزِ اہلِ درد سے ظاہر ہے شانِ اہلِ درد

اے دعائے نیم شب اے روحِ جانِ اہلِ درد
مونہہ ترا تکتی ہے چشمِ خونچکانِ اہلِ درد

اپنی بیدردی پہ ان کا ناز حد سے بڑھ گیا
کیا میں اب کو سنا دوں داستانِ اہلِ درد

داغ ہائے دل سے سینہ ہے برنگِ لالہ زار
ساتھ اہلِ درد کے ہے بوستانِ اہلِ درد

یہ الم یہ رنج یہ تکلیف یہ ایذا یہ غم
دل پھٹا جاتا ہے سن سن کر بیانِ اہلِ درد

اشک بن کر کیوں رواں ہیں لختِ دل لختِ جگر
ڈھونڈھنے نکلا ہے کس کو کاروانِ اہلِ درد

چھپ رہا انصاف گم گشتہ خدا جانے کہاں
جا رہی ہے عرش تک آہ و فغانِ اہلِ درد

یہ تو اے چشمِ مروّت پوچھ لینے دے مجھے!
کب تک اور بے درد کب تک امتحانِ اہلِ درد

وہ تو ہیں نامِ خدا آرام دل آرامِ جان
لوگ کہتے ہیں یونہیں ایذا رسانِ اہلِ درد

ہو گیا افسانہ ذکرِ وامق و فرہاد و قیس
اب ہے اپنے دوش پر بارِ گرانِ اہلِ درد

دنگ ہو جاتا ہوں ان کا روئے زیبا دیکھ کر
جب وہ کہتے ہیں مٹا دیں گے نشانِ اہلِ درد

اے فلک کیا جی چراتے بھی نظر آیا کوئی
بارہا دیکھا ہے تو نے امتحانِ اہلِ درد

خوفِ عالم زیرِ پا بالائے سر فضلِ خدا
دیکھئے یہ ہیں زمین و آسمانِ اہلِ درد

اہلِ جوہر زندگی پاتے ہیں جوہر کے طفیل
درد ہی کے دم سے ہے نام و نشانِ اہلِ درد

مجمعِ اغیار کب تک کوچۂ دلدار میں
اور ہیں بیدرد چندے میہمانِ اہلِ درد

ہے یہ میری خوش نگاری یا فسونِ چشمِ ناز
ورنہ اس بیدردِ عالم سے بیانِ اہلِ درد

وہ دل آزاری کے شائق اور میں شیدائے ضبط
ان سے نامِ جورِ قائم مجھ سے شانِ اہلِ درد

تیری عمر اے شوقِ شرحِ داستانِ دل دراز
ہاتھ بھر کی ہو گئی گویا زبانِ اہلِ درد

مظہر[1] و گوہر[2] کہاں ہیں صادق[3] و بسمل[4] کہاں
آج پھر مختار ہے محوِ بیانِ اہلِ درد

---

[1] مولوی محمد احمد صاحب بی۔اے ایل۔ایل۔بی کپورتھلہ [2] خان محمد ذوالفقار علی خان صاحب گوہر رام پور [3] مولوی سید صادق حسین صاحب اٹاوہ [4] حضرت مولانا مولوی عبیداللہ صاحب قادیان۔

(مطبوعہ "الفضل" قادیان ۱۹۳۵ء)

(۴)

اس ادا سے سن رہے ہیں داستانِ اہلِ درد
وہ سمجھتے ہی نہیں گویا زبانِ اہلِ درد

وہ ہیں بے پروا نہیں پروائے جانِ اہلِ درد
رفتہ رفتہ ہو چلا ہے یہ گمانِ اہلِ درد

لفظ لفظ اس کا ہے گویا مستقل دنیائے غم
دل تڑپ اٹھتے ہیں سنکر داستانِ اہلِ درد

چشمِ تر دیتی ہے ایذائے دل و جاں کا ثبوت
ہیں گواہ اہلِ درد اشکِ روانِ اہلِ درد

ناخدا کیسا خدا کی مہربانی چاہیئے
ہے بھنور میں کشتیٔ تاب و توانِ اہلِ درد

گو زمانے میں زباں زد ہو چکی اُن کی وفا
لیکن اب تک ہو رہا ہے امتحانِ اہلِ درد

چھینے لیتے ہیں کھلے بندوں وہ صبر و ضبط و ہوش
دن دہاڑے لٹ رہا ہے کاروانِ اہلِ درد

وہ معاذاللہ کیوں ایذا رساں ہونے لگے
لطف آتا ہے مگر سن کر فغانِ اہلِ درد

بے وفائی یا وفا کیا شے ہے وجہِ التفات
اب یہ بحثیں چھڑ گئی ہیں درمیانِ اہلِ درد

سینکڑوں تیرِ ستم کھا کر بھی دم خم ہیں وہی
بارک اللہ تھا یہی شایانِ شانِ اہلِ درد

شانِ غیرت ان سے یہ کب کہنے دیتی ہے ہمیں
آپ تو بنتے تھے صاحب قدردانِ اہلِ درد

تا کجا آخر یہ شغلِ جورِ بے جا تا کجا
تا کجا یہ کوششِ ایذائے جانِ اہلِ درد

دل ستاں یا جاں ستاں ہے انکی بیدردی تو ہو
مٹ نہیں سکتا مگر نام و نشانِ اہلِ درد

کہہ چکے کہنا تھا بیدردوں سے جو حالاتِ غم
اب خدا ہی سننے والا ہے بیانِ اہلِ درد

عہدِ پیری اور اے مختار یہ رنگِ شباب
اس کو وہ سمجھیں گے جو ہیں رازدانِ اہلِ درد

مطبوعہ روزنامہ "الفضل" قادیان ۲۱؍اگست ۱۹۳۵ء

(۵)

کیا کسی بیدرد کو دردِ فغانِ اہلِ درد　　جانِ اہلِ درد پر ہے صبر جانِ اہلِ درد
اس سے فرصت ہو تو پھر کچھ اور دیکھا جائے گا　　اب تو وہ ہیں اور شوقِ امتحانِ اہلِ درد
ہے قیامت لغویاتِ غیر کی تاثیر بھی　　وہ یہ کہتے ہیں غلط ہے داستانِ اہلِ درد
بھول جائیں پندگو صاحب بھی ساری قیل و قال　　کچھ دنوں بیٹھیں جو حضرت درمیانِ اہلِ درد
ہے یہ حیرت کیوں نہیں وہ دیکھ لیتے آئینہ　　پوچھتے ہیں کون ہے ایذا رسانِ اہلِ درد
چھاؤنی چھائے پڑے ہیں دل میں فکر و رنج و غم　　بھر گیا ہے میہمانوں سے مکانِ اہلِ درد
اس کے یہ معنی کہ حالِ دردِ دل یکسر غلط　　مسکرا دیتے ہیں وہ سن کر بیانِ اہلِ درد
ان کی طرزِ جور کچھ کہتی ہے ان کا ذوق کچھ　　آج کل یہ کشمکش ہے اور جانِ اہلِ درد
ذرہ بگڑ کر کہہ گئے مختار ضبطِ جور پر　　دیکھنا ہے اب ہمیں تاب و توانِ اہلِ درد

(۶)

قطع کرتے ہیں تو کر دیں وہ زبانِ اہلِ درد　　اشکِ خوں ہی بن کے ٹپکے گا بیانِ اہلِ درد
بات وہ کرتا ہے جس سے دل جگر ہوں پاش پاش　　چارہ گر بھی بن گیا ایذا رسانِ اہلِ درد
آپ بھی بے مثل ہیں اور آپ کا انصاف بھی　　آپ کھلواتے ہیں صاحب کیوں زبانِ اہلِ درد
سارے عالم سے جدا ہے آپ کا حسنِ سلوک　　کیوں نہ ہوں ممنونِ منت حامیانِ اہلِ درد
مدتوں سے سلسلہ جاری ہے ظلم و جور کا　　مدتوں سے ہو رہا ہے امتحانِ اہلِ درد
اس کے لئے مہری و بیدردی تو فرضِ خاص ہے　　جس کی صورت پر بھی ہو جائے گمانِ اہلِ درد

ہوتی رہتی ہیں صلاحیں آتے جاتے ہیں عدو　　ہے بڑی لے دے پئے ایذائے جانِ اہلِ درد
مشورے بے سود ساری کوششیں ہیں رائیگاں　　اب مٹا سکتا نہیں کوئی نشانِ اہلِ درد

خط میں کل پہنچی ہے یہ فرمائشِ مظہر مجھے
اور اے مختار چندے داستانِ اہلِ درد

مطبوعہ روزنامہ "الفضل" قادیان ۶ دسمبر ۱۹۳۵ء

(۷)

حضرتِ بسمل نے دی دادِ بیانِ اہلِ درد　　درد والے ہی سمجھتے ہیں زبانِ اہلِ درد
جانے کیا کیا رنگ لائے داستانِ اہلِ درد　　گوشِ دل سے وہ اگر سن لیں بیانِ اہلِ درد
دنگ ہوں بیدرد بھی سن کر بیانِ اہلِ درد　　درد میں ڈوبی ہوئی ہے داستانِ اہلِ درد
دردمندوں کے کبھی ہمدرد ہوں گے وہ مگر　　آج تو مشہور ہیں ایذا رسانِ اہلِ درد
روتے روتے کھو گئے ہوش و خرد صبر و قرار　　گم ہوا بحری سفر میں کاروانِ اہلِ درد
رفتہ رفتہ دل نشیں ہو جائیں یہ سب تو سہی　　اور کچھ دن آپ بیٹھیں درمیانِ اہلِ درد
دیکھنا ہے حاسدِ بد بیں اگر اپنا مآل　　اک ذرا میری نظر سے دیکھ شانِ اہلِ درد
ان کی بیدردی کوئی تازہ ستم ڈھانے کو ہے　　ہوشیار اے قوتِ ضبطِ فغانِ اہلِ درد
کیا زباں بندی سے چھپ جائیں کے آثارِ ستم　　آہِ سرد و چشمِ تر ہیں ترجمانِ اہلِ درد

مژدہ باد اے شائقینِ درسِ آئینِ وفا
لیجئے مختار پھر ہے مدح خوانِ اہلِ درد

(۸)

اے تری قدرت یہ تاثیرِ بیانِ اہلِ درد ۔۔۔ دل پکڑ کر رہ گئے ایذا رسانِ اہلِ درد
چٹکیاں لیتے ہیں الفاظِ بیانِ اہلِ درد ۔۔۔ چونک چونک اُٹھتے ہیں وہ سُنکر فغانِ اہلِ درد
چاہے جتنا بھی ستائیں دشمنانِ اہلِ درد ۔۔۔ یہ نرالی شان کا ہے امتحانِ اہلِ درد
اس کو سمجھے ہیں مگر افسانۂ فرہاد و قیس ۔۔۔ آپ سُنئے تو کبھی دن داستانِ اہلِ درد
سچ ہے اور ان کی غرض ہی کیا جفا و جور سے ۔۔۔ دیکھتے ہیں قوتِ ضبطِ فغانِ اہلِ درد
پھر عدو پھیلا رہے ہیں جوشِ غیظ و اشتعال ۔۔۔ پھر بھڑک اے شعلۂ سوزِ نہانِ اہلِ درد
اشک گلگوں سے ہیں بیدردوں کے بھی رخسار تر ۔۔۔ رنگ لائی ہے یہ چشمِ خوں فشانِ اہلِ درد
اوچھے اوچھے وار ہیں تحقیرِ سربازانِ عشق ۔۔۔ چشم بد دُور آپ تو ہیں قدر دانِ اہلِ درد
مئے دیا کرتے ہیں ظرفِ مئے گساراں دیکھ کر ۔۔۔ جَور بھی جب ہو تو ہو شایانِ شانِ اہلِ درد
حیف بیدردوں سے ایسا اتحاد و ارتباط ۔۔۔ کس قدر نامہرباں ہیں مہربانِ اہلِ درد
آپ تو رحمِ مجسم ہیں مگر حیرت یہ ہے ۔۔۔ کوششیں کیسی پئے ایذائے جانِ اہلِ درد
دل تصدق سر فدا جاں اسکے قدموں پر نثار ۔۔۔ فضلِ حق سے جو ہے فخرِ خاندانِ اہلِ درد

قولِ بسمل ہے یہ اے مختارؔ جس کی شان میں
پیرِ ما گر دید یارانِ نوجوانِ اہلِ درد

مطبوعہ روزنامہ "الفضل" قادیان ۶؍ دسمبر ۱۹۳۵ء

وارداتِ قلب

وقت آتا ہے جب ایسا کہ ہراساں ہوں میں ۔۔۔ کوئی کہتا ہے کہ نزدیکِ رگِ جاں ہوں میں
آپ کا آپ کا صرف آپ کا خواہاں ہوں میں ۔۔۔ سوچئے تو سہی منت کشِ درباں ہوں میں
او مرے آنسوؤں سے آنکھ چرانے والے! ۔۔۔ اس کے معنی تو یہ ہیں دست بداماں ہوں میں
اُدھر اغیار میں، وہ خندہ زن و قہقہہ زن ۔۔۔ اِدھر احباب میں حیران و پریشاں ہوں میں
یہ سمجھ کر کہ تکلّم کی بھی طاقت نہ رہی ۔۔۔ مجھ سے وہ کہتے ہیں تم ہو کہ گریزاں ہوں میں
وہ پریشاں ہیں جو نالوں سے تو اچھا نہ سہی ۔۔۔ مگر اتنی تو اجازت ہو کہ گریاں ہوں میں
ساتھ ہوں واعظ و ناصح بھی تو جنّت کیسی ۔۔۔ یہ تو دوزخ ہے کہ ہمراہ سفیہاں ہوں میں
زلزلے سینکڑوں آئے نہ ہلا پائے ثبات ۔۔۔ جس جگہ تھا وہیں اے گردشِ دوراں ہوں میں
قیس ملتا تو یہ کہتا ترے دیوانے سے ۔۔۔ آپ کے سامنے اک طفلِ دبستاں ہوں میں
اے کہ جس کو ہے مری تلخ نوائی کا گِلہ ۔۔۔ تجھ سے یہ کس نے کہا تھا کہ خوش الحاں ہوں میں
نہ سہی لطف کی خُو جَور کی عادت ہی سہی ۔۔۔ جس میں وہ خوش ہوں اُسی بات کا خواہاں ہوں میں
"بوریا جائے من و جائے تو تنگ قالیں" ۔۔۔ شیر قالیں ہو کوئی شیرِ نیستاں ہوں میں
خون سینے میں ہوا سینکڑوں ارمانوں کا ۔۔۔ آدمی کیا ہوں کوئی گنجِ شہیداں ہوں میں
نت نئے رنج سے او مجھ کو رُلانے والے ۔۔۔ کوئی بات ایسی بھی آتی ہے کہ خنداں ہوں میں

"کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق"
قیس و فرہاد کہاں ہیں سر میداں ہوں میں

زُلف و چشم و رُخ و لب کی جو سُنیں تشبیہیں
مسکرا کر یہ کہا پھر تو گلستاں ہوں میں

غم کسی کا نہیں دیکھا نہیں دیکھا جاتا
چشمِ دشمن میں بھی سوزش ہو تو گریاں ہوں میں

میں ہوں مست مئے عشق اور وہ مست مئے حُسن
برق ہے اُن کی نظر سوختہ ساماں ہوں میں

آج تک حضرتِ ناصح کی نہ سمجھا کوئی بات
باوجودیکہ سخن سنج و سخن داں ہوں میں

کھوٹے داموں بھی تو گاہک نہیں وہ شوخ نگاہ
اِس گرانی میں بھی اللہ یہ ارزاں ہوں میں

اُس نگاہِ غلط انداز کا عالم توبہ!
بے خود و بے خبر و بے دل و بے جاں ہوں میں

میرے کاٹے نہ کٹی شب تو یہ آواز آئی
آپ کیا سمجھے تھے صاحب شبِ ہجراں ہوں میں

آگیا ہے پئے گلگشت جو وہ جانِ بہار
مہک اٹھا ہے گلستاں کہ گلستاں ہوں میں

اور کچھ دن بھی عالم ہے تو پھر میں ہوں نہ تو
تجھ سے اب تنگ بہت اے دلِ نالاں ہوں میں

غیر کیا پائیں گے اپنے بھی مجھے پا نہ سکے
اُن سے کیا اپنی نگاہوں سے بھی پنہاں ہوں میں

قصۂ عشق کے شائق یہ خلاصہ سُن لیں
کہ ملامت زدۂ گبر و مسلماں ہوں میں

کیا بتاؤں کہ ابھی پیشِ نظر تھا کیا کیا
کُھل گئی آنکھ تو اِک خوابِ پریشاں ہوں میں

اب کہاں جائے مجھے چھوڑ کے تنہا یہ غریب
ایک مدّت سے انیسِ شبِ ہجراں ہوں میں

سُننے والا ہے کہاں کس کو سناؤں مختار
کیوں پریشان ہوں کیوں اشک بداماں ہوں میں

نوٹ :۔ حضرت حافظ صاحب کی یہ نظم ماہنامہ "الفرقان" ربوہ بابت فروری ۱۹۶۱ء
شائع ہو چکی ہے ۔

وارداتِ قلب

(۲)

کچھ عجب حال سے آشفتہ و حیراں ہوں میں
کوئی ہنس کر بھی جو پرساں ہو تو گریاں ہوں میں

جان ہے تن میں مگر پھر تنِ بے جاں ہوں میں
نئے انداز کا صیدِ غم، ہجراں ہوں میں

دل ہے سینے میں مگر ولولۂ دل مفقود!
سینہ کہتا ہے کوئی شہرِ خموشاں ہوں میں

سرد ہیں جوش و خروش، آرزوئیں افسردہ!
دل کا ایماں ہے کہ اک خانۂ ویراں ہوں میں

جوشِ غم، نرغۂ امراض، فراقِ رُفقا
ایک مجموعۂ حالاتِ پریشاں ہوں میں

زیست میں جان تھی جن سے وہ احبّا نہ رہے
اب اگر ہوں بھی تو گویا تنِ بے جاں ہوں میں

کل کوئی دوست سدھارا، تو کوئی آج گیا
کبھی اِس کے کبھی اُس کیلئے گریاں ہوں میں

عہدِ اوّل کے وہ احبابِ کرام آج کہاں
پیکرِ رنج و غم و حسرت و حرماں ہوں میں

دیکھتے دیکھتے ایک ایک نے لی راہِ جناں
داغ پر داغ وہ کھایا ہے کہ لرزاں ہوں میں

صبح و شام اب وہ کہاں مجلسِ یارانِ قدیم
دِل تڑپتا ہے کہ جی کھول کے نالاں ہوں میں

رنگِ نیرنگیٔ آفاق کا عالم توبہ!!
کبھی بے خود کبھی انگشت بدنداں ہوں میں

یا تو تھا نغمہ زنِ صحبتِ یارانِ کُہن
یا اب اِک نوحہ گرِ فرقتِ یاراں ہوں میں

کیسے کیسے مرے غمخوار چھُٹے ہیں مجھ سے
جانے کِس کِس کے لئے اشک بداماں ہوں میں

ان کے اوصاف ہیں پیشِ نظر و وردِ زباں
اُن کے الطاف کا مدّاح و ثناخواں ہوں میں

اُن کی ہر طرز سے ہوتی تھی نئی شان عیاں
اُن کی ہر شان یہ کہتی تھی نمایاں ہوں میں

اللہ اللہ وہ اُلفت، وہ محبّت اُن کی
اللہ اللہ وہ اخلاص کہ نازاں ہوں مَیں

زیست کیا زیست ہے، جب ایسے اَحِبّا اُٹھ جائیں
اِسی طوفانِ غم و فکر میں غلطاں ہوں مَیں

قدر دانوں ہی سے ہوتا ہے گراں قدر انسان
اب تو اپنی بھی نظر میں بہت ارزاں ہوں مَیں

جانے والے تو نہ لَوٹے ہیں نہ لَوٹیں گے کبھی
لاکھ اُن کیلئے گریاں ہوں کہ نالاں ہوں مَیں

اب دُعا ہے کہ رہے فضل کی بارش اُن پر
فضل والے سے اِس انعام کا خواہاں ہوں مَیں

دوست کیا پُوچھ رہے ہیں مری حالت مجھ سے
نہ تو پنہاں مری حالت ہے نہ پنہاں ہوں مَیں

جِھلملاتی ہوئی شمعِ درِ ایوانِ حیات
یا لرزتا ہوا اشکِ سرِ مژگاں ہوں مَیں

اب گیا، آج گیا، صبح گیا، شام گیا
یوں ہی اب چند گھڑی صورتِ مہماں ہوں مَیں

تیلیاں ہو گئیں کم زور قفس ناکارہ
طائرِ روح ہے تیار کہ پرّاں ہوں مَیں

بیڑیاں توڑ کے چلتے ہوئے یارانِ کہن
اب اِسی دُھن میں قریبِ درِ زنداں ہوں مَیں

مجھے یاروں ہی کا غم ہے نہیں اپنا کوئی غم
اور غم کیا ہو کہ وقفِ غمِ یاراں ہوں مَیں

جاں بلب ہو کے بھی راضی برضا ہوں مختار
لِلّٰہ الحمد کہ ترساں ہوں نہ لرزاں ہوں مَیں

نوٹ: حضرت حافظ صاحب کی یہ نظم ماہنامہ "الفرقان" ربوہ بابت ماہ مارچ ۱۹۶۱ء
اشاعت پذیر ہو چکی ہے

درویشانِ قادیان

جو قادیان کو مسکن بنائے بیٹھے ہیں
وہ اپنے خون میں گویا نہائے بیٹھے ہیں

یہ دار و گیر، یہ ہنگامہ ہائے غارت و قتل
مگر وفا انہیں لائی ہے آئے بیٹھے ہیں

نہ ہمنوا ہے نہ ہمدرد کوئی کوسوں تک
جو گرد و پیش ہیں سب خار کھائے بیٹھے ہیں

محافظیں ہوں یا ساکنینِ قرب و جوار
سب اُن کے قتل کا بیڑا اُٹھائے بیٹھے ہیں

جہاں یقین ہلاکت ہو کون جاتا ہے
یہ حوصلہ ہے انہیں کا کہ آئے بیٹھے ہیں

طرح طرح کے حوادث سے ہو رہے ہیں دوچار
طرح طرح کے مصائب اُٹھائے بیٹھے ہیں

جلا وطن ہوئے لاکھوں ہی جبرِ اعداء سے
یہ سُن کے حلقۂ اعداء میں آئے بیٹھے ہیں

ہٹائیں لاکھ نہ بیٹھی کسی کی دھاک ان پہ
کہ یہ تو جان سے بھی ہاتھ اُٹھائے بیٹھے ہیں

نہ موت کا کوئی کھٹکا نہ زیست کی پروا
کہ موت و زیست کا جھگڑا چکائے بیٹھے ہیں

لگے ہوئے ہیں مٹانے پہ ان کے اہلِ زمیں
یہ آسماں سے آنکھیں لگائے بیٹھے ہیں

عدو نہال کہ محصور کر لیا ہے انھیں
یہ خوش کہ ہم درِ جنّت پہ آئے بیٹھے ہیں

جفائے غیر سے اُٹھ جائیں یہ معاذ اللہ
مقدر اب انھیں جو کچھ دکھائے بیٹھے ہیں

انھیں تو ہے یہیں رہنا ہے کہ سر نہ رہے
جو پیش آنی ہے وہ پیش آئے بیٹھے ہیں

درِ حبیب سے اُٹھے ہیں یہ نہ اُٹھیں گے — اب اس میں جان بھی جائے تو جائے "بیٹھے ہیں"
الگ تھلگ ہیں کسی سے نہ لاگ ہے نہ لگاؤ — تو کس لئے انہیں کوئی اٹھائے "بیٹھے ہیں"
نہ ماسوا سے تمنا ، نہ التجا نہ غرض — بس ایک ذات سے یہ لو لگائے بیٹھے ہیں
اُسی سے مانگ رہے ہیں جو مانگنا ہے انہیں — کسی کی راہ میں آنکھیں بچھائے بیٹھے ہیں
درِ کریم سے پھرتا نہیں کوئی محروم — مرے کریم تیرے در پہ آئے بیٹھے ہیں

ہمیشہ سایۂ رحمت میں وہ رہیں مختار
جو قادیان کو مسکن بنائے بیٹھے ہیں



بقول حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر احرار کی شورش کے ایام ہی میں اس شورش کے متعلق سر دلبراں اور حدیثِ دیگراں کے طور پر نظموں کا ایک سلسلہ حضرت حافظ صاحب نے شروع کیا۔ بہت دردناک نظمیں تھیں۔ مقطع میں سخن گسترانہ دعوت تھی ؎

مظہر و گوہر کہاں ہیں ، صادق و بسمل کہاں
آج پھر مختار ہے محو بیانِ اہل درد

اس دعوت پر نظموں کا ایک سلسلہ اسی قافیہ اور ردیف میں "الفضل" میں شائع ہوتا رہا۔ گویا احرار کے خلاف ایک مشاعرہ کی محفل تھی جو حضرت حافظ صاحب کے "طرح" دینے پر "الفضل" کے صفحات پر منعقد ہوئی۔ استادی المخدوم حضرت مولانا بسمل نے سینکڑوں شعر اس "طرح" میں قلم بند فرمائے اور حق بات یہ ہے کہ بسمل صاحب کا ہر شعر مضمون ختم کر دینے والا اور نقطۂ عروج پر پہنچا ہوا تھا۔ اُس وقت حضرت بسمل کی عمر سو سال کے قریب تھی لیکن کلام میں ایسا زور و شور اور آب و تاب تھی کہ اُس کی مثال ملنا محال ہے۔
حافظ صاحب بسمل صاحب کے اشعار سے بیحد متاثر تھے اور فرماتے تھے کہ ہم نے بیشک اپنی نظموں میں بہت زور مارا ہے مگر ہم کیا کوئی اور بھی بسمل صاحب کے کلام کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔ ایک شعر کا خاص طور سے ذکر فرماتے تھے کہ یہ مضمون بسمل صاحب

کے سوا کسی اور کو نہیں سوجھ سکتا تھا ؎

طالبان رامی رساند جذب تا بام وصال
برتر است از ہر دو عالم نردبانِ اہل درد

اسی قسم کے اور اشعار بسملؔ صاحب کے تھے جو فنِ شعر میں کمال کو ظاہر کرتے تھے۔ اس قسم کی تمام منظومات کو راقم الحروف نے "فغانِ درد" کے نام سے کتابی صورت میں جمع کر دیا ہے۔

حضرت مولانا بسملؔ نے حضرت حافظ صاحب کے اس منظوم کلام کی داد دیتے ہوئے لکھا ؎

نامور مختارؔ آں شیوا بیان اہل درد
بلبل دستاں سرائے گلستان اہلِ درد

حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ نے اپنی نظم کا مطلع یوں لکھا ؎

گوہرِ مختارؔ جب ہوں مدح خوان اہل درد
شمسؔ کیا ہو مجھ سے پھر تعریفِ شانِ اہل درد

سید اختیار علی صاحب شاہجہانپوری نے ایڈیٹر صاحب اخبار "الحکم" قادیان کو ایک مراسلہ ارسال کیا ہم اُس مراسلہ کو معہ ایڈیٹر صاحب "الحکم" کے نوٹ کے ساتھ ہدیہ قارئین کرتے ہیں :-

بسملؔ اور مختارؔ

سلسلہ عالیہ احمدیہ کے بلند پایہ شعراء میں سے بسملؔ اور مختارؔ دو مشہور و معروف شاعر ہیں جلسہ سالانہ کے ایام میں جب حضرت مختار مولانا بسملؔ سے ملنے کے لئے گئے تو مولانا نے ان کو زبان شعر سے مخاطب کیا۔ اس مجلس کی کیفیت مکرمی سید اختیار علی صاحب شاہجہانپوری نے بمعہ اس کلام کے بھیجی ہے جنہیں میں انہیں کے نوٹ کے ساتھ شائع کر دیتا ہوں۔ (ایڈیٹر)

" مجھے اپنی اس خوش قسمتی پر ہمیشہ ناز رہے گا کہ جس مجلس میں مخدومنا حضرت علامہ مولانا عبید اللہ صاحب بسملؔ مدظلہ العالی نے استاذی المعظم حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختارؔ شاہجہانپوری کو مخاطب کر کے مندرجہ ذیل نظم سُنائی تو حُسن اتفاق سے میں بھی اُس میں حاضر تھا۔ ایک یکتائے روزگار اور شہرہ آفاق باکمال کا دوسرے کو اُس کے کمال کی اِس طریقہ سے داد دینا پہلا نظارہ تھا جو مجھے اپنی زندگی میں حاصل ہوا۔

حضرت علامہ کا نفس لب ولہجہ اور دلنشین طرز ادا اور موقع موقع سے حضرت استاذی المعظم کی طرف دست مبارک کے اشارات اور آپ کا اُس پر

بار بار اظہارِ عجز و انکسار ایسی اثر انداز اور سبق آموز باتیں تھیں جو مجھے کبھی فراموش نہیں ہو سکتیں۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن دونوں بزرگوں کو صحت کے ساتھ مدت تک صحیح و سلامت رکھے۔

چونکہ حضرت علامہ مدظلہ' کی نظم کے متعلق مجھ جیسے ہیچمدان کا لب کھولنا چھوٹا منہ بڑی بات کا مصداق بنتا ہے۔ اِس لئے میں وہ نظم ہی پیش کئے دیتا ہوں۔

(خادم سیّد احتیاج علی شاہجہانپوری عفاء اللہ عنہ)

نقول از اخبار "الحکم" قادیان مورخہ ۲۱ ؍جنوری سنہ

مرحبا اللہ ورک سیدی لافض نوک   اے حدیٔ خواں ساربانِ کاروانِ اہلِ درد
حرف حرف نامہ ات ہیکل طراز عاشقی   فرد فرد چامہ ات وردِ زبانِ اہلِ درد
اے سریر خامہ ات صورِ سرافیل نیاز   وے مداد آمہ ات درمانِ جانِ اہلِ درد
وجدِ شبلی امستی منصور در ہر لفظ تست   بو العجب رنگیں کردی داستانِ اہلِ درد
انروت از لطف و فضل خویشتن بخشندہ است   بہرہ وافر زِ گنج شائگانِ اہلِ درد
حق ترا چون نائب حسّان بن ثابت نمود   ہاں بزن تیغ ہجا بر دشمنانِ اہلِ درد
احمدؐ مختار از مختار احمد شاد گشت   گشت چون مختار احمد مدح خوانِ اہلِ درد
اے ادیبِ مفلق و منطیق و مصقع در سخن   لوزعی و یلعمی و ترجمانِ اہلِ درد
شد موفق با تو اکنون عہدۂ کعب و لبیب   لوحش اللہ العزیز از عزّ و شانِ اہلِ درد
بسمل اے شوریدہ سر صحرا نورد بے خودی   ناتوان مُشت غبار سروران اہلِ درد
اسپ می باید جہاندن ان قِل عجب و غرور   ورنہ دشوار ست گشتن ہم عنانِ اہلِ درد
دراماں مانند زِ تابِ آفتابِ روزِ حشر   ہر کہ می آید بزیر سائبانِ اہلِ درد

حضرت سید محمد حسین شاہ صاحب رفیق حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کا انتقال ۲۴ ؍اپریل سنہ ۱۹۶۴ء کو ہوا۔ حضرت حافظ صاحب نے یہ اشعار اُن کی وفات پر کہے۔

اللہ نے کسی کو نہیں دی ہمیشگی   درویش دلق پوش ہو یا شاہ کجکلاہ
اِس کے لئے بھی موت ہے اُس کیلئے بھی موت   ہیں اِس معاملہ میں برابر گدا و شاہ
اوروں کا ذکر کیا ہے نبی بھی نہیں رہے   آخر ہی زمین بنی سب کی خواب گاہ
تانتا لگا ہوا ہے چلی جا رہی ہے خلق   ہو کوئی وقت بند نہیں ہے عدم کی راہ
وا حسرتا! وہ مخلصِ ملت بھی چل دیئے   جن کو ہزار جان سے تھی سلسلہ کی چاہ
اب تک وہ لطف خیز تبسم ہے سامنے   اَب تک نگاہ میں ہے وہ کیف آفریں نگاہ
جھڑتے تھے پھول منہ سے یہ تھا رنگِ گفتگو   پائی تھی وہ شگفتہ طبیعت کہ واہ واہ
دل غم سے بیقرار ہے آنکھیں ہیں اشکبار   بے اختیار آتی ہے رہ رہ کے لب پہ آہ
ہے اب تو امر باعث تسکیں تو بس یہی   دستِ اجل سے پا نہیں سکتا کوئی پناہ
جو فوت ہو چکے ہیں وہ آئے نہ آئیں گے   قرآن پاک و ختمِ رسل اس کے ہیں گواہ

میری یہ التجا ہے بصد عجز و انکسار
مولا بہشت پائیں محمد حسین شاہ[1]

---

[1] آخری مصرعہ سے حضرت محمد حسین شاہ صاحب کی تاریخ وفات سنہ ۱۳۸۳ھ نکلتی ہے۔

بار بار اظہارِ عجز و انکسار ایسی اثر اندوز اور سبق آموز باتیں تھیں جو مجھے کبھی فراموش نہیں ہو سکتیں۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن دونوں بزرگوں کو صحت کے ساتھ مدت تک صحیح و سلامت رکھے۔

چونکہ حضرت علامہ مدظلہ کی نظم کے متعلق مجھ جیسے ہیچمدان کا لب کھولنا چھوٹا منہ بڑی بات کا مصداق بنتا ہے۔ اس لئے میں وہ نظم ہی پیش کئے دیتا ہوں۔

(خادم سیّد احتیاج علی شاہجہانپوری عفاء اللہ عنہ)

نقول از اخبار "الحکم" قادیان مورخہ ۲۱ جنوری سنہ

مرحبا اللہ ورک سیدی لافض نوک — اے حدیٰ خواں سارباںِ کاروانِ اہلِ درد
حرف حرف نامہ ات ہیکل طراز عاشقی — فرد فرد چامہ ات وردِ زبانِ اہلِ درد
اے سریرِ خامہ ات صورِ سرافیل نیاز — وے مدادِ آمہ ات درمانِ جانِ اہلِ درد
وجدِ شبلی امستی منصور در ہر لفظ تست — بوالعجب رنگیں کردی داستانِ اہلِ درد
انروت از لطف و فضلِ خویشتن بخشندہ است — بہرۂ وافر نہ گنج شائگانِ اہلِ درد
حق ترا چون نائب حسّان بن ثابت نمود — ہاں بزن تیغ ہجا بر دشمنانِ اہلِ درد
احمدؐ مختار از مختار احمد شاد گشت — گشت چون مختار احمد مدح خوانِ اہلِ درد
اے ادیبِ مفلق و منطیق و مصقع در سخن — لوزعی و یلعمی و ترجمانِ اہلِ درد
شد موفق با تو اکنون عہدۂ کعب و لبیب — لوحش اللہ العزیز از عزّو شانِ اہلِ درد
یسمل اے شوریدہ سر صحرا نورد بے خودی — ناتواں مُشتِ غبار سرورانِ اہلِ درد
اسپ می باید جہاندن ان قل عجب و غرور — ورنہ دشوار است گشتن ہم عنانِ اہلِ درد
در اماں ماند ز تابِ آفتابِ روزِ حشر — ہر کہ می آید بزیرِ سائبانِ اہلِ درد

حضرت سید محمد حسین شاہ صاحب رفیق حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کا انتقال ۲۴ اپریل سنہ ۱۹۶۴ء کو ہوا۔ حضرت حافظ صاحب نے یہ اشعار اُن کی وفات پر کہے۔

اللہ نے کسی کو نہیں دی ہمیشگی — درویش دلق پوش ہو یا شاہ کجکلاہ
اِس کے لئے بھی موت ہے اُس کیلئے بھی موت — ہیں اس معاملہ میں برابر گدا و شاہ
اوروں کا ذکر کیا ہے نبی بھی نہیں رہے — آخر ہی زمین بنی سب کی خواب گاہ
تانتا لگا ہوا ہے چلی جا رہی ہے خلق — ہو کوئی وقت بند نہیں ہے عدم کی راہ
واحسرتا! وہ مخلصِ ملت بھی چل دیئے — جن کو ہزار جان سے تھی سلسلہ کی چاہ
اب تک وہ لطف خیز تبسم ہے سامنے — اب تک نگاہ میں ہے وہ کیف آفریں نگاہ
جھڑتے تھے پھول منہ سے یہ تھا رنگِ گفتگو — پائی تھی وہ شگفتہ طبیعت کہ واہ واہ
دل غم سے بیقرار ہے آنکھیں ہیں اشکبار — بے اختیار آتی ہے رہ رہ کے لب پہ آہ
ہے اب تو امرِ باعثِ تسکیں تو بس یہی — دستِ اجل سے پا نہیں سکتا کوئی پناہ
جو فوت ہو چکے ہیں وہ آئے نہ آئیں گے — قرآن پاک و ختمِ رسل اس کے ہیں گواہ

میری یہ التجا ہے بصد عجز و انکسار
مولا بہشت پائیں محمد حسین شاہ[1]

---

[1] آخری مصرعہ سے حضرت محمد حسین شاہ صاحب کی تاریخ وفات سنہ ۱۳۸۳ھ نکلتی ہے۔

چند قلم برداشتہ اشعار جو حضرت حافظ صاحب نے مولانا محمد شریف صاحب سابق مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ بلاد عربیہ کی کتاب لعنوان "اسلام کی دوسری کتاب" کے لئے فی البدیہہ تحریر کئے۔ یہ کتاب جو فلسفہ نماز پر مشتمل تھی شائع ہونے سے قبل حضرت حافظ صاحب کی خدمت برائے نظر ثانی پبلشر صاحب خود لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت حافظ نے کتاب پر نظر ثانی بھی فرمائی اور یہ چند اشعار بھی کتاب میں شامل کرنے کے لئے عنایت فرمائے۔

اللہ کیا عجیب یہ نعمت نماز ہے — دنیا و دین میں باعث راحت نماز ہے
حکم خدا یہ ہے کہ پڑھو مل کے پانچ وقت — افضل عبادتوں میں عبادت نماز ہے
پھر یہ بھی حکم ہے کہ جماعت کے ساتھ ہو — اس طرح اور جاذب رحمت نماز ہے
بہر نماز جمعہ یہ ہوا اہتمام خاص — سب جان لیں کہ وجہ مسرت نماز ہے
لازم ہے ذوق و شوق برائے نماز عید — یہ مومنوں کی مظہر شوکت نماز ہے
جو ظلمتِ گناہ کو آنے نہ دے قریب — وہ نور حق، وہ شمع ہدایت نماز ہے
بیمار کو مزہ نہیں ملتا طعام کا — دل صاف ہو تو موجب لذت نماز ہے
پھیلا ہوا ہے اس کا اثر دو جہان میں — جس کو نہیں زوال وہ دولت نماز ہے
اس کے سوا اب اور ذریعہ کوئی نہیں — قربِ خدا کی ایک ہی صورت نماز ہے

کافی ہے بہر اُمّت عاصی بس اتنی بات — تسکینِ قلبِ شافع امت نماز ہے
صحت ہو یا مرض ہو حضر ہو کہ ہو سفر — مومن کی روح کے لئے فرحت نماز ہے
لازم ہے یہ ادا ہو خشوع و خضوع سے — بے شبہ اک وسیلہ جنت نماز ہے
جرم و سزا سے ہم کو بچاتی ہے روز و شب — فضل خدا سے دافعِ زحمت نماز ہے

ظاہر ہے اس سے دوستو رتبہ نماز کا
آرام جانِ ختمِ رسالت نماز ہے

(بحوالہ اسلام کی دوسری کتاب)

غزل

کیوں نہ ہو حیران تجھ کو دیکھ کر ہر آئینہ
تو سراپا نور کی تصویر ہے ہر آئینہ

آئینے میں عکس عارض اور رُخ پر آئینہ
آئینہ بر آئینہ، ہے آئینہ در آئینہ

سقف و بام آئینہ، دیوار آئینہ، در آئینہ
بن گیا عکسِ رخِ محبوب سے گھر آئینہ

تیرے رُخ کے روبرو جب ہے مکدر آئینہ
پھر پسند آئے ہمیں کیا خاک پتھر آئینہ

جب سے دیکھی ہے کسی کے روئے روشن کی جھلک
مہر و مہ حیرت زدہ ہیں اور ششدر آئینہ

یوں مرے آئینہ دل میں ہے یادِ روئے یار
جلوہ گر جس طرح آئینے کے اندر آئینہ

سامنے اُنکے رخ روشن کے سب بے آب و تاب
شمع محفل، ماہِ انور، مہر خاور، آئینہ

پوچھیے مجھ سے صفائے برشِ تیغِ نگاہ
اہلِ جوہر پر ہے حال اہلِ جوہر آئینہ

جب سے اے مختار یوسف چاہ میں ڈالے گئے
بھائیوں کا ہو گیا احوال ہم پر آئینہ

پندرہ روزہ المصلح ۱۶ تا ۳۰ ستمبر، یکم تا ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۱ء

غزل

وہ تنکے نام جن کا آشیاں ہے
انہیں پر اب نگاہِ آسماں ہے

جگر کی ٹیس یا دِل کی خلش ہو
وہ اپنا ہاتھ رکھ دیں پھر کہاں ہے

لئے پھرتا ہوں دل سی شے بغل میں
جہاں میں ہوں وہیں کوئے بتاں ہے

علاجِ درد کرتے یا نہ کرتے
مگر وہ پوچھ تو لیتے کہاں ہے

پھریں وہ عہد سے تو میں بھی پھر جاؤں
مرے منھ میں بھی کیا اُن کی زباں ہے

تم اب مجھ پر سمجھ کر وار کرنا
خدا میرے تمہارے درمیاں ہے

درازیِ شبِ غم اللہ اللہ
کہ جو تارہ جہاں تھا وہ وہاں ہے

پڑا ہے گوشۂ خلوت میں مختار
قفس میں عندلیب خوش بیاں ہے



غزل

جلوہ دِکھادیا ہے جنابِ مثیل کا — کس منہ سے شکر ادا ہو خدائے جلیل کا
اے منکرِ پیامِ سروش وندائے حق — کچھ تو خیال چاہیئے یومِ ثقیل کا
کیوں منقبض ہے مژدۂ جاءَ المسیح سے — کفران کیوں ہے نعمتِ ربِّ جلیل کا
وہ ہیں اگر کثیر تو ہوں مطمئن ہوں ہیں — حامی قوی ہے اپنے گروہِ قلیل کا
اس کو جلائے آتشِ نمرودیاں محال — پروانہ ہو جو شمع دعائے خلیل کا
فرعونیوں کے ظلم وستم سے ہو کیا ہراس — احوال آئینہ ہے خداوندِ نیل کا
راہِ وفا میں جس نے نہ جھیلی ہوں سختیاں — وہ مستحق نہیں کسی اجرِ جزیل کا
کرنا ہے جو بس آپ اسے کر دکھائیے — اے مہربان وقت نہیں قال وقیل کا
مختار اٹھا رہا ہوں وہ صدمے کہ الاماں
دے حوصلہ خدا مجھے صبرِ جمیل کا



نظر میں نشّۂ تمکینِ یار باقی ہے

نہ پوچھئے تجھے کیوں اعتبار باقی ہے
حضور! اگردشِ لیل ونہار باقی ہے
جنابِ حسن کی جب تک بہار باقی ہے
اُمیدوار پہ اُمیدوار باقی ہے
مرا مزار نہ خاکِ مزار باقی ہے
مگر وہ ہیں کہ ابھی تک غبار باقی ہے
کبھی کسی سے جھکے میری آنکھ ناممکن
نظر میں نشّۂ تمکینِ یار باقی ہے
سُلا چکے ہو جسے قبر میں وطن والو!
سُنو! ابھی وہ غریب الدیار باقی ہے
تمام اہل جہاں کی عنایتیں فانی
مگر عنایتِ پروردگار باقی ہے
اب ایک رنگ میں ہیں مست ومحتسب دونوں
دماغ ختم۔ سرِ افتخار باقی ہے

دراز حضرتِ پیر مغاں کی عمُر دراز
انہیں کے دم سے اُمید بہار باقی ہے
کہاں جلیل[1] و ریاض[2] اب کہاں خیال[3] و شرر[4]
وہ گُل تو ہو گئے رخصت یہ خار باقی ہے
جو خادمانِ جنابِ امیر[5]رح تھے مختار
بس ایک اب ان میں سے یہ خاکسار باقی ہے

---

[1] استاد نظام دکن حضرت جلیل مانکپوری جانشین حضرت امیر مینائی رح
[2] حضرت ریاض خیرآبادی تلمیذ حضرت امیر مینائی رح
[3] جناب محمد علی میاں خیال شاہجہانپوری تلمیذ حضرت امیر مینائی رح
[4] مولانا عبدالحلیم شرر
[5] حضرت منشی امیر احمد مینائی رح

نوٹ: حضرت حافظ صاحب کی یہ نظم ماہنامہ "خالد" ربوہ میں بھی ماہ تبلیغ ۱۳۴۸ھ کو شائع ہو چکی ہے

الٰہی کیا کروں بُتخانے پر بُت خانہ آتا ہے!

نرالا مست ہوں زاہد بھی مشتاقانہ آتا ہے
کبھی چھُپ چھُپ کے آتا تھا اب آزادانہ آتا ہے
بڑی مشکل ہے وہ بھی منحرف ہیں دل بھی برگشتہ
نہ وہ آتے ہیں قابو میں نہ یہ دیوانہ آتا ہے
یہ میری خفتہ بختی خواب میں بھی وہ نہیں آتے
اور آتے ہیں تو یوں جیسے کوئی بیگانہ آتا ہے
کہاں رُکتا ہے ذکرِ بادہُ و مینا و ساغر سے
جہاں بھی واعظ آجائے وہیں میخانہ آتا ہے
وہی کھنچنا، وُہی ملنا، وہی چلنا، وہی رُکنا
مگر خنجر کو بھی اندازِ معشوقانہ آتا ہے
حرم کی راہ بھی خالی نہیں خطراتِ پیہم سے
الٰہی کیا کروں بتخانے پر بتخانہ آتا ہے

مرے دل سے گئی ہے آرزو اُن کی نہ جائے گی
مگر میرا خیال اُن کو نہ آئے گا نہ آتا ہے

زیارت گاہ بن بیٹھا ہے اُن کا دیکھنے والا
کہ اِک عالم کا عالم روز مشتاقانہ آتا ہے
فقط اُس آس پر جیتا رہا مَیں ناتواں برسوں
کہ اک ساعت میں وہ مغرور محجوبانہ آتا ہے
یہ فیضِ خاص ہے مختار ابنِ شاہِ مینا[1] کا
کہ لب پر شعر بن کر نعرۂ مستانہ آتا ہے

---

[1] اشارہ ہے حضرت امیر مینائی مرحوم کی طرف
نوٹ: یہ نظم ماہنامہ "خالد" ربوہ میں ماہ تبلیغ ۱۳۴۸ھش کو شائع ہو چکی ہے

مندرجہ ذیل اشعار اخبارات کے ایک پرانے ذخیرہ کی مدد سے اکٹھے کر کے مجلۃ الجامعہ شمارہ ۲ مطبوعہ ۱۹۶۴ء میں شائع کئے گئے اور آج ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

نرالا مست ہوں زاہد بھی مشتاقانہ آتا ہے
کبھی چھپ چھپ کے آتا تھا اب آزادانہ آتا ہے
نکل آیا ہے موقعہ آپ بیتی کیوں نہ کہہ ڈالوں
یہ پُرسش ہو رہی ہے کیا کوئی افسانہ آتا ہے
بڑی مشکل ہے وہ بھی منحرف ہیں دل بھی برگشتہ
نہ وہ آتے ہیں قابو میں نہ یہ دیوانہ آتا ہے
کوئی وحشت زدہ کیا جانے آدابِ گلستان کو
بجائے نغمہ لب پہ نعرۂ مستانہ آتا ہے
دل اُس در پر جو مچلا ہے تو اے مونس مچلنے دے
کہ دُھن میں ہو تو قابو میں کہاں دیوانہ آتا ہے
یہ میری خُفتہ بختی خواب میں بھی وہ نہیں آتے
اور آتے ہیں تو یوں جیسے کوئی بیگانہ آتا ہے

کہاں رکتا ہے ذکر بادہ و مینا و ساغر سے
جہاں بھی واعظ آتا ہے وہیں میخانہ آتا ہے

سخن سازی یہ شوریدہ سرانِ عشق کیا جانیں
جو دل میں ہے وہی لب پر بھی آزادانہ آتا ہے

سنا دیتا ہے ساری داستانِ شمع و پروانہ
جب اُڑ کر سامنے کوئی پر پروانہ آتا ہے

مجھی سے وعدہ چشم عنایت بار ہا ساقی
مرے ہی سامنے ٹوٹا ہوا پیمانہ آتا ہے

ملی یہ داد انھیں حالِ غم فرقت سنانے کی
کہ اس کم بخت کو بھی ہائے کیا افسانہ آتا ہے

بڑی رنگینیاں ہیں یوں تو واعظ کی طبیعت میں
مگر منبر پہ آتا ہے تو معصومانہ آتا ہے

وہی کھینچنا وہی ملنا، وہی چلنا وہی رکنا
مگر خنجر کو بھی اندازِ معشوقانہ آتا ہے

مرے دل سے گئی ہے آرزو ان کی نہ جائے گی
مگر میرا خیال اُن کو نہ آئے گا نہ آتا ہے

حرم کی راہ بھی خالی نہیں خطراتِ پیہم سے
الٰہی کیا کروں بت خانے پر بتخانہ آتا ہے

مرے دل سے گئی ہے آرزو اُن کی نہ جائے گی
مگر میرا خیال اُن کو نہ آئے گا نہ آتا ہے

تیری دھن میں چلا ہے لے کے دل لاکھوں تمنائیں
بڑے پریوں کے جھرمٹ میں ترا دیوانہ آتا ہے

وہ میری اپنے دل سے گفتگو سن کر یہ بول اُٹھے
کہ اس دیوانے کے پاس اور اک دیوانہ آتا ہے

زمانہ کروٹیں رہ رہ کے لیتا ہے تو لینے دو
مجھے اندازِ مایوساں نہ آئے گا نہ آتا ہے

وفورِ ضعف سے جنبش کی بھی طاقت کہاں لیکن
اُچھل پڑتا ہوں جب ذکر مے و میخانہ آتا ہے

چلے آتے ہیں بے پر کی اڑاتے حضرت ناصح
معاذ اللہ میں سمجھا کوئی دیوانہ آتا ہے

وہ وحشی ہوں کہ جائے سوئے ویرانہ بلا میری
جہاں بھی ایک "ہو" کہہ دوں وہیں ویرانہ آتا ہے

یہ موجیں لے رہی ہے زلفِ مشکیں کس کے شانے پر
یہ کس کے ساتھ ساتھ اُڑتا ہوا میخانہ آتا ہے

نگاہِ دوربیں میں سرد ہے ہنگامۂ عالم
جدھر جاتا ہوں استقبال کو ویرانہ آتا ہے

کہاں رکتا ہے ذکر بادۂ و مینا و ساغر سے
جہاں بھی واعظ آتا ہے وہیں میخانہ آتا ہے

سخن سازی یہ شوریدہ سرانِ عشق کیا جانیں
جو دل میں ہے وہی لب پر بھی آزادانہ آتا ہے

سنا دیتا ہے ساری داستانِ شمع و پروانہ
جب اُڑ کر سامنے کوئی پر پروانہ آتا ہے

مجھی سے وعدہ چشم عنایت بار ہا ساقی
مرے ہی سامنے ٹوٹا ہوا پیمانہ آتا ہے

ملی یہ داد انھیں حالِ غم فرقت سنانے کی
کہ اس کم بخت کو بھی ہائے کیا افسانہ آتا ہے

بڑی رنگینیاں ہیں یوں تو واعظ کی طبیعت میں
مگر منبر پہ آتا ہے تو معصومانہ آتا ہے

وہی کھینچنا وہی ملنا، وہی چلنا وہی رُکنا
مگر خنجر کو بھی اندازِ معشوقانہ آتا ہے

مرے دل سے گئی ہے آرزو ان کی نہ جائے گی
مگر میرا خیال اُن کو نہ آئے گا نہ آتا ہے

حرم کی راہ بھی خالی نہیں خطراتِ پیہم سے
الہٰی کیا کروں بت خانے پر بتخانہ آتا ہے

مرے دل سے گئی ہے آرزو اُن کی نہ جائے گی
مگر میرا خیال اُن کو نہ آئے گا نہ آتا ہے

تیری دھن میں چلا ہے لے کے دل لاکھوں تمنائیں
بڑے پریوں کے جھرمٹ میں ترا دیوانہ آتا ہے

وہ میری اپنے دل سے گفتگو سن کر یہ بول اُٹھے
کہ اس دیوانے کے پاس اور اک دیوانہ آتا ہے

زمانہ کروٹیں رہ رہ کے لیتا ہے تو لینے دو
مجھے انداز مایوساں نہ آئے گا نہ آتا ہے

وفورِ ضعف سے جنبش کی بھی طاقت کہاں لیکن
اُچھل پڑتا ہوں جب ذکر مے و میخانہ آتا ہے

چلے آتے ہیں بے پر کی اڑاتے حضرت ناصح
معاذ اللہ میں سمجھا کوئی دیوانہ آتا ہے

وہ وحشی ہوں کہ جائے سوئے ویرانہ بلا میری
جہاں بھی ایک "ہو" کہہ دوں وہیں ویرانہ آتا ہے

یہ موجیں لے رہی ہے زلفِ میگوں کس کے شانے پر
یہ کس کے ساتھ ساتھ اُڑتا ہوا میخانہ آتا ہے

نگاہِ دوربیں میں سرد ہے ہنگامۂ عالم
جدھر جاتا ہوں استقبال کو ویرانہ آتا ہے

زیارت گاہ بن بیٹھا ہے ان کا دیکھنے والا
کہ اک عالم کا عالم روز مشتاقانہ آتا ہے

دل وارفتہ اپنی دھن سے باز آجائے ناممکن
جدھر آتا ہے آندھی کی طرح دیوانہ آتا ہے

غضب تھی شرحِ غم، وہ سنگدل بھی سُن کے بول اُٹھا
اُسے آتا ہے افسوں جس کو یہ افسانہ آتا ہے

نہ چھوڑے گا مجھے تو اے غمِ ہر دو جہاں کب تک
ارے ہٹ جا خیالِ جلوۂ مستانہ آتا ہے

یہ حسرت لے گئی ہے مجھ کو سو بار ان کے کوچے میں
کہ وہ اک بار کہہ دیں مرا دیوانہ آتا ہے

فقط اِس آس پہ جیتا رہا میں ناتواں برسوں
کہ اک ساعت میں وہ مغرور مجبورانہ آتا ہے

یہ فیضِ خاص ہے مختار ابنِ[۱] شاہِ مینا کا
کہ لب پر شعر بن کر نعرۂ مستانہ آتا ہے

---

[۱] حضرت امیر مینائی کی طرف اشارہ ہے جو حضرت حافظ صاحب کے شاعری میں استاد تھے۔

تبرّکات

نرالا مست ہوں زاہد بھی مشتاقانہ آتا ہے
کبھی چھپ چھپ کے آتا تھا اب آزادانہ آتا ہے

کبھی ممکن نہیں گن گن کے اک اک دانہ آتا ہے
مری قسمت کا روزینہ مجھے روزانہ آتا ہے

کوئی وحشت زدہ کیا جانے آدابِ گلستاں کو
بجائے نغمہ۔ لب پر نعرۂ مستانہ آتا ہے

جب آنے والے آتے ہیں تو کھو جاتا ہوں اس دھن میں
کہ دیوانے سے ملنے کیا کوئی فرزانہ آتا ہے

دل اس در پہ جو مچلا ہے تو اے مونس مچلنے دے
کہ دھن میں ہو تو قابو میں کہاں دیوانہ آتا ہے

خدا کے گھر بھی کوئی بے بلائے جا نہیں سکتا
وہی جاتا ہے جس کے نام کا پروانہ آتا ہے

وہ رازِ دل بہرحالت جسے دل میں ہی رہنا تھا
قیامت ہے کہ لب پر آج مجبورانہ آتا ہے

زمانہ کروٹیں رہ رہ کے لیتا ہے تو لینے دو
مجھے اندازِ بالوساں نہ آئے گا نہ آتا ہے

سمجھ میں آگیا ذرّے کا رشکِ مہر ہو جانا
کہ اُس لب پر بھی اب ذکرِ دلِ دیوانہ آتا ہے

خیال اچھا ارادہ نیک نیّت نیک تر لیکن
حرم کے جانے والو راہ میں بت خانہ آتا ہے

دِل وارفتہ اپنی دُھن سے باز آجائے ناممکن
جدھر آتا ہے آندھی کی طرح دیوانہ آتا ہے

مسافر خانۂ عالم بھی اک مے خانہ ہے گویا
یہاں لبریز ہونے ہی کو ہر پیمانہ آتا ہے

یہ کھو جاتا ہوں خود اپنا پتہ پھروں نہیں ملتا
مجھے جب یاد اک بھولا ہوا افسانہ آتا ہے

سنا دیتا ہے ساری سرگزشتِ شمع و پروانہ
جب اُڑ کر سامنے کوئی پر پروانہ آتا ہے

کسی کے مست ٹوٹے بوریے پر وجد کرتے ہیں
کہاں اُن کو خیالِ مسند شاہانہ آتا ہے

زیارت گاہ بن بیٹھا ہے ان کا دیکھنے والا
کہ اک عالم کا عالم روز مشتاقانہ آتا ہے

نگاہِ دُوربیں میں، ہیچ ہے ہنگامۂ عالم
جدھر جاتا ہوں استقبال کو ویرانہ آتا ہے

یہی اندازِ عالَم ہے تو عالم کا خُدا حافظ
حرم کو جا رہا ہوں سامنے بُت خانہ آتا ہے

مجھے مختارؔ اگلی صحبتیں جب یاد آتی ہیں
تو قابو میں کہاں پھروں دِل دیوانہ آتا ہے

حضرت حافظ صاحب کا یہ منظوم کلام "خالد" ربوہ جنوری ۱۹۶۰ء میں شائع ہو چکا ہے -

قصیدہ

درتہنیت عطائے خطاب خان بہادر

بمکرم ومحترم ذی شان عالی جناب عظمت مآب مولوی محمد منسوب حسن خان صاحب سلمہ اللہ المنان

آج کیا ہے کہ ہے کچھ اور ہی رنگِ گلزار
آج کیا ہے کہ ہے بدلا ہوا اندازِ بہار

آج کیا ہے کہ خوشی پھرتی ہے اترائی ہوئی
آج کیا ہے کہ ہوا رنج زمانے سے فرار

آج کیا ہے کہ ہے اس درجہ وفورِ راحت
آج کیا ہے کہ ہے عشاق کو بھی صبر و قرار

آج کیا ہے کہ ہے آرام دلوں کو حاصل
آج کیا ہے کہ ہے روحوں کو تسلّی و قرار

آج کیا ہے کہ نظر آتی ہیں شکلیں بشاش
آج کیا ہے کہ مسرت سے ہیں چہرے گلنار

آج کیا ہے کہ ہے اک اک روشن آئینہ سان
آج کیا ہے کہ ہے نظروں سے نہاں گرد و غبار

آج کیا ہے کہ ہے سبزے کی لہک روح افزا
آج کیا ہے کہ ہے مستانہ صبا کی رفتار

آج کیا ہے کہ ہے یہ جوشِ گل و خندۂ گل
آج کیا ہے کہ ہے یوں زمزمہ زن فوجِ ہزار

آج کیا ہے کہ ہے رقصاں بصد انداز زمیں
آج کیا ہے کہ ہے اس گنبدِ گردوں کو قرار

آج کیا ہے کہ جفا جو ہیں جفا سے روکش
آج کیا ہے کہ ستمگر ہیں ستم سے بیزار

آج کیا ہے کہ ہے یہ عیش و طرب کا سامان
آج کیا ہے کہ ہے یہ مجمع خاصان و کبار

آج کیا ہے کہ ہیں اک نشے میں سب پیر و جواں
آج کیا ہے کہ ہیں اک رنگ میں سارے حضّار

آج ہر شے میں ہے افزونی رونق کیسی
سقف و بام و در و دیوار ہیں کیوں پُر انوار

پہپہا اُٹھتے ہیں کس جوش سے مرغانِ چمن
کس لئے وجد میں ہیں صورتِ صوفی اشجار

آج کیوں چھوٹ گیا گوشۂ خلوت مجھ سے
آج کیوں ہو گئی تبدیل قدیمی رفتار

صورتِ غنچہ کھلا جاتا ہے کیوں دل میرا
کیا ہوا آج وہ انبوہ و ہجومِ افکار

مجھ سا آزاد کہاں اور یہ ہنگامہ کہاں
لوگ کس طرح تعجب نہ کریں سو سو بار

اب رُخِ شاہدِ معنی سے اُلٹتا ہوں نقاب
کہ بڑی دیر سے یاروں کو ہے شوقِ دیدار

وہ جو ہیں میرے کرم گستر با شوکت و فر
وہ جو ہیں نیک سیر، وہ جو ہیں فرخندہ شعار

وہ جو ہیں جان وفا، وہ جو ہیں ایمان عطا
وہ جو ہیں کانِ سخا، وہ جو ہیں سیلِ ایثار

وہ جو ہیں بحرِ کرم، معدنِ فیضانِ اتم
وہ جو ہیں ماہ حشم، وہ جو ہیں خورشید وقار

مخزنِ صدق و صفا و کرم و جود و نوال
صاحبِ عظمت و فیض و اثر و عز و وقار

خوبیاں جن کی بیاں ہو نہیں سکتیں ہرگز
جن کے اوصاف کا ممکن ہی نہیں حصر و شمار

سب سمجھتے ہیں کہ ہے روئے سخن کس کی طرف
سب کو معلوم ہے منسوب حسن خاں کا وقار

کوئی تعریف کرے، کوئی سراہے ان کو
فی الحقیقت انہیں اس کی نہیں حاجت زنہار

سب انہیں جانتے ہیں، سب انہیں پہچانتے ہیں
سب انہیں مانتے ہیں چشمۂ فیض و ایثار

دوست رکھتے ہیں انہیں مسلم و ہندو دونوں
مے اخلاص و محبت سے ہیں دونوں سرشار

اکثر افراد کا اپنوں پہ اثر ہوتا ہے
اُمراء ہوتے ہیں ہر شہر میں ایسے دو چار

لیکن ان کا اثر اپنوں ہی میں محدود نہیں
بلکہ ہے عامۃ الناس میں حاصل یہ وقار

رائے عالی میں جو آجائے وہ سب کو تسلیم
پھر کسی کو کوئی عذر نہ کوئی انکار

آپ کے قول میں گو کیسی ہی دقت ہو مگر
بسر و چشم اسے منظور کریں اہلِ دیار

آپ کی طرزِ تکلم ہے بلا کی دلکش — کہ سکے حکم سے کس طرح کوئی پھر انکار
اور تو اور ہیں عاشق بھی جو ایما پا جائے — اپنے معشوق کی صورت سے معاً ہو بیزار
میرے دعویٰ کی صداقت کا ہے اک تازہ ثبوت — وہ دسہرہ جو محرم میں ہوا ہے اس بار
آپ نے کام کیا ہے جو کچھ اس موقع پر — وہ کسی اور سے ہونا تھا نہایت دشوار
طے کیا ایسی صفائی سے یہ نازک قصہ — کہ فریقین تہِ دل سے ہوئے شکر گزار
یہ انہیں کے اثرِ عام کی تھی برکتِ خاص — کہ نہ بکھری کوئی تسبیح نہ ٹوٹا زنّار
آج کل با اثر اس شان کا انسان کہاں — جس کو حاصل ہو یہ اعزاز یہ عظمت یہ وقار
کوئی تعریف کرے کوئی سراہے ان کو — فی الحقیقت انہیں اسکی نہیں حاجت زنہار
حُسنِ اخلاق اسے کہتے ہیں اللہ اللہ — کہ جسے دیکھئے وہ آپ کا ہے شکر گزار
میں کہ پُرگوئی میں آج آپ ہی ہوں اپنی نظیر — میں کہ سحباں بھی مرے سامنے ناواقف کار
میں کہ ہر شعر مرا ایک مہکتا ہوا گل — میں کہ شرمندہ مری زمزمہ سنجی سے ہزار
میں کہ اک ابرِ گہربار مرا ذہنِ رسا — میں کہ اک بحرِ رواں یہ مری طبعِ طرّار
میں کہ ہر سمت بپا میرے کمالات کا شور — میں کہ ہر سو ہے مری دھوم میانِ امصار
میں کہ آفاق میں تسلیم مری یکتائی — میں کہ مجھ سا نہیں شیریں سخن و خوش گفتار
میں کہ ہے میرے فضائل کا زمانہ قائل — میں کہ عالم کو مرے علم و ہنر کا اقرار
میں کہ ہوں ایک ہی فرزانہ و دانا و ادیب — میں کہ ہے میرے کمالوں کا سمجھنا دشوار
میں کہ اک نقطے سے میرے دلِ حاسد چور نگ — میں کہ شمشیرِ دو دم میری زبانِ طرّار
پھول جھڑتے ہیں مرے منہ سے دمِ خوش سخنی — چار باتوں میں کھلا سکتا ہوں سولہ گلزار
میرے الفاظِ درخشندہ و تاباں کے حضور — ذکرِ دُرِّ عدن و لعلِ بدخشاں بیکار

طُرفۃ العین میں لاتی ہے مری فکرِ رسا — وہ مضامین جو ہوں چرخِ کہن کے اُس پار
وہ مجھے سہل جو عُرفی کو نہایت مشکل — وہ مجھے سہل جو فیضی کو بغایت دشوار
پوچھ دیکھے دلِ بیباک سے جا کہ کوئی — کہ مری شان میں کیا کہتے ہیں وہ سحر نگار
لیکن اس پر بھی پکارے ہوئے کہتا ہوں بفخر — مدحِ ممدوح کی مجھ میں نہیں قدرت زنہار
اور بالفرض جو حاصل ہو یہ قدرت بھی مجھے — تو یہ سو بات کی اک بات کہوں گا سو بار
زلفِ محبوب کو مشاطہ کی حاجت کیا ہے — حسنِ ذاتی ہو تو کیا شے ہے بناؤ اور سنگار
الغرض مدح سرائی نہیں میرا مقصود — بلکہ مطلوب ہے اک تازہ خوشی کا اظہار
بارک اللہ کہ ممدوح نے پایا ہے خطاب — ہو گئے "خان بہادر" وہ خجستہ اطوار
خاندانی تو بہت عزّ و شرف تھا لیکن — حُسنِ ذاتی کا تقاضہ تھا بڑھے اور وقار
ذاتِ عالی سے ہوئے یوں تو بہت کارِ رفاہ — اس قدر وقت کہاں ہے جو کروں اُنکا شمار
خاص کر میونسپلٹی کی جو خدمت کی ہے — یہ گورنمنٹ کی جانب سے ہے اُس کا اقرار
قدر دانِ دولتِ برطانیۂ عظمیٰ سا — نہیں دیکھا نہیں دیکھا تہِ چرخِ دوّار
حُسنِ خدمات کا دیتی ہے صلہ خوب سے خوب — کہ یہ دولت ہے بڑی نکتہ شناس و ہشیار
اس حکومت کے تہِ دل سے دُعا گو ہیں ہم — اس حکومت کے بڑے جوش سے ہیں شکر گذار
اس سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں اب قدر شناس — اس سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں عادل زنہار
خان صاحب کو دیا خان بہادر کا خطاب — مستحق اسکے حقیقت میں تھے وہ کوہ وقار
اس نوازش سے مسرت جو ہوئی ہے ہم کو — ہم کریں کون سے الفاظ میں اُس کا اظہار
اللہ اللہ یہ لطف و کرم شاہانہ — ہم سے شکر اس کا ادا ہو نہیں سکتا زنہار
اشک افراطِ مسرت سے اُمنڈ آئے ہیں — وہ مسرت نہیں جس کا کوئی پایان و شمار

یہی موتی ہیں جو نکلے ہیں نچھاور کے لئے   اور کیا پاس غریبوں کے بھلا بہر نثار
اب یہ لازم ہے کہ میں بہر دعا ہاتھ اٹھاؤں   اور آمین پہ آمین کہیں سب حُضّار
اے وہ اللہ جو ہے رب ہژدہ ہزار عالم کا   اے وہ اللہ جو ہے رحمٰن و رحیم و غفّار
مالک الملک بھی ہے، مالک یوم الدین بھی   اور سب عاجز و مجبور ہیں تو ہے مختار
تو غنی ہے ترے محتاج امراؤ ورؤسا   تو ہے حاکم ترے محکوم سلاطین کبار
التجائیں ہیں یہ تجھ سے، یہ دعائیں تجھ سے   دَم بہ دم خان بہادر کو دکھا تازہ بہار
آج سے بڑھ کے ہو کل آپ کا اقبال بلند   کل سے پرسوں ہو سواد بدبۂ و عزّ و وقار
پس و پیش آٹھ پہر جلوۂ شان و شوکت   داہنے بائیں ہوں سامان طرب کے انبار
روز و شب جام مے لطف کا چلتا رہے دور   شاہد عیش سے ہمدوش رہیں لیل و نہار
لیکن اس پر بھی ترا نام رہے ورد زباں   دل تری یاد سے غافل نہ ہو یا رب زنہار
تیرے احکام کی تکمیل ہو عین مقصود   بہر طاعت رہے ہر لحظہ طبیعت تیّار
کوئی صورت ہو مگر تیری خوشی ہو مطلوب   کوئی حالت ہو مگر تیری رضا ہو درکار
ہر گھڑی رو بہ ترقی ہوں یہ اوصاف جمیل   تجھ سے ہو خاص تعلق، تری مخلوق سے پیار
اور بھی خاص ہو لطف و کرم عام جناب   بحر مواج بنے چشمہ فیض و ایثار



نوحہ

اللہ اللہ جواں مرگ یہ ہمت تیری   جان دینے سے بھی جھجکی نہ طبیعت تیری
ہر طرف گریہ و زاری سے محمد مختار   دل پھٹے جاتے ہیں سن سن کے حکایت تیری
آہ وہ حسن کے سانچے میں ڈھلا ہر انداز   آہ وہ خوبی و رعنائی فطرت تیری
آہ وہ نوک پلک، شکل شمائل، خو بو   آہ وہ دلکشیٔ شان وجاہت تیری
وہ چمکتا ہوا چہرہ، وہ دمکتا ہوا رنگ   وہ ملاحت سے ہم آغوش صباحت تیری
وہ پسندیدہ خصائل، وہ دل آویز اخلاق   ملتی جلتی ہوئی صورت سے وہ سیرت تیری
آہ وہ شستہ زباں، آہ وہ شائستہ بیاں   آہ وہ چہرہ وہ سنجیدہ طبیعت تیری
لفظ لفظ ایسا فرح بخش کہ سبحان اللہ   فقرے فقرے سے عیاں خوبیٔ طینت تیری
دل کو بے ساختہ جو موہ لیں ایسی باتیں   اور ہر اک بات سے ظاہر وہ فراست تیری
آہ وہ لطف خطاب اور وہ حسّ آداب   آہ وہ عہد شباب اور وہ طینت تیری
اپنے چھوٹوں کا لحاظ اور بڑوں کی توقیر   جھک کے پیش آنے کی احباب سے عادت تیری
سب سے اخلاق علیٰ قدر مراتب تیرا   سب سے شیریں سخنی حسب ضرورت تیری
نہ کہیں گرد کدورت نہ کہیں زنگ ملال   ایک آئینۂ شفاف طبیعت تیری
جو سمائے معاً آنکھوں میں وہ انداز ترا   گھر کرے دل میں جو فی الفور وہ خصلت تیری
ہلکی ہلکی وہ ظرافت بھی متانت سے عیاں   وہ سموئی ہوئی دونوں سے ذہانت تیری
آہ وہ چین کے دن، لطف کے دن، عیش کے دن   آہ وہ رنگ پر آئی ہوئی فرحت تیری
آہ وہ دل میں امنگیں وہ امنگوں میں بہار   پھول کی طرح شگفتہ وہ طبیعت تیری
آہ وہ آرزوئے شاہد رعنائے مراد   پر لگائے ہوئے وہ شوق کے ہمت تیری
اپنے حلقے میں لئے دل کو ہجوم ارماں   وہ تمناؤں کے جھرمٹ میں طبیعت تیری
گدگداتی ہوئی امید کی لہریں دل کو   مسکراتی ہوئی ہنستی ہوئی راحت تیری
وہ امنڈتا ہوا جوش اور وہ بڑھتا ہوا شوق   چہلیں کرتی ہوئی چہرے سے مسرت تیری
بس اب آنے ہی کو ہے باغ محبت میں بہار   یہ سناتی ہوئی بڑھ بڑھ کے بشاشت تیری

علم برگشتگیِ بخت مگر تھا کس کو	کیا خبر تھی کہ پلٹ جائے گی قسمت تیری
واقفیت تھی کسے کیا ہے پس پردہ ء غیب	کون سمجھا تھا چھپی بیٹھی ہے کلفت تیری
آہ طاری تھا اسی بے خبری کا عالم	کہ یکایک متغیر ہوئی حالت تیری
رنگ نیرنگی ء آفاق الٰہی توبہ	بن گئی شام الم صبح مسرت تیری
چشم امید تھی جن سے وہ نظر پھیر گئے	دیکھتی رہ گئی اتری ہوئی صورت تیری
آہ بگڑا بھی تو کس وقت مقدر تیرا	آہ روٹھی بھی تو کس عمر میں قسمت تیری
اپنے وعدوں کا عزیزوں نے کیا کچھ بھی نہ پاس	لاکھ سمجھاتی بجھاتی رہی حالت تیری
منحرف ہو گئے امید دلانے والے	آڑے آئی نہ رعایت نہ مروت تیری
نو بہ نو تازہ بہ تازہ دئے غم کھانے کو	یہ ہوئی جلوہ گہ حسن میں دعوت تیری
ولولے ہو گئے گلدستہ ء طاق نسیاں	اڑ گئی حرف غلط بن کے مسرت تیری
آہ بگڑا تو نہ بننا تھا مقدر نہ بنا	آہ پلٹی تو نہ سیدھی ہوئی قسمت تیری
راحت دل کو نہ ملنا تھا ذریعہ نہ ملا	نہ نکلتی تھی نہ نکلی کوئی حسرت تیری
ہو کے افسردہ شگفتہ نہ ہوا دل تیرا	ہو کے پژمردہ کھلی پھر نہ طبیعت تیری
خشک ہو کر نہ ہوا نخل تمنا سر سبز	پانی دیتی رہی گو چشم محبت تیری
اشک خوں بن کے جلا قافلہ ء عیش و نشاط	رہ گئی خاک اڑاتی ہوئی حسرت تیری
ہوتی آئی ہے قرابت کی بڑی قدر مگر	نام کو بھی نہ ہوئی قدر قرابت تیری
جو یگانے تھے وہ کچھ ایسے بنے بیگانے	آہ جیسے کبھی دیکھی نہ ہو صورت تیری
درہم داغ محبت کی ہوئی کچھ بھی نہ قدر	یوسفستاں میں نہ کام آئی یہ دولت تیری
توڑنے والوں نے پیمان وفا توڑ دیا	اور منہ تکتی ہوئی رہ گئی حسرت تیری
کھا کے یہ چوٹ ہوا شیشہ ء دل چکنا چور	اشک بن بن کے بہی گرمی ء الفت تیری
دل کسی کا نہ پسیجا، نہ پسیجا، افسوس	گو بھڑکتی ہی رہی آتش فرقت تیری
کوششیں ہو گئیں برباد، امنگیں پامال	مل گئی خاک میں سب مہر و محبت تیری
آخر کار انہیں اتنا بھی تعلق نہ رہا	کہ رہے یا نہ رہے جان سلامت تیری
تجھ سے جس امر کا اقرار تھا، انکار ہوا	آہ یہ شومی و محرومی ء قسمت تیری

حرف انکار کا سننا تھا کہ جی چھوٹ گیا	اڑ گئے ہوش ہوا ہو گئی رنگت تیری
ہو گئے جمع خیالات پریشاں دل میں	بن گئی خواب فراموش سکینت تیری
بڑھتے بڑھتے یہ بڑھی شدت ایذائے فراق	کہ نہ قابو میں رہا دل نہ طبیعت تیری
دن خموشی میں بسر ہونے لگا مشکل سے	رات کٹنے لگی رو رو کے بدقت تیری
جب ہوئی صبح تو آغوش میں تھا روز فراق	اور تھی شام کے پیچھے شب فرقت تیری
شب فرقت جو ٹلی ہجر کا دن تھا موجود	دن جو گذرا تو پھر آئی شب فرقت تیری
آہ یہ سلسلہ ء کشمکش لیل و نہار	آہ پیہم بہ اذیت، یہ اذیت تیری
تاب ضبط ستم حوصلہ فرسا کب تک	چھپ سکی تیرے چھپائے نہ مصیبت تیری
دل کا جو حال تھا چہرے سے عیاں ہونے لگا	آئینہ بن گئی اتری ہوئی صورت تیری
جان لینے کو یہ آلام ہی کیا کم تھے مگر	لے چلی ان سے بھی آگے تجھے قسمت تیری
بخت واژوں نے وہ سامان کیا پیش نگاہ	متحمل نہ ہوئی جس کی طبیعت تیری
دل بنا گردش اوہام سے فانوس خیال	رنگ پر رنگ بدلنے لگی نیت تیری
سوز رنج و تعب عشق نے بھڑکائی اک آگ	بن گئی شعلہ ء جوالہ طبیعت تیری
غم سے دل خون ہوا، خون رگوں میں کھولا	کھولتے خون سے گرما گئی غیرت تیری
رنگ پر آ گئی خوں گرمی ء سودائے دماغ	گھٹ گئی تاب ستم بڑھ گئی وحشت تیری
نہ رہا ضبط غم و درد کا یارا نہ رہا	چھوڑ دی صبر و تحمل نے رفاقت تیری
واہ رے درد کہ شرمندہ ء درماں نہ رہا	واہ رے عزم کہ بدلی نہ طبیعت تیری
بن گیا حسن وفا جرعہ ء صہبائے فنا	دم بہ خود ہو گئی منہ دیکھ کے حسرت تیری
ایک رنگ آنے لگا چہرے پہ اک جانے لگا	ہو گئی کشمکش کرب سے یہ گت تیری
سینہ چھلنی، جگر و دل ہوئے ٹکڑے ٹکڑے	نہ رہی حد تصور میں اذیت تیری
نہ لیا ہائے طبیعت نے سنبھالا نہ لیا	تھک گئی، تھک گئی، شل ہو گئی قوت تیری
پڑ گئی حسرت و ارماں میں بلا کی ہلچل	سحر حشر بنی شام مصیبت تیری
آرزوؤں میں ہوا شور قیامت برپا	بے کسی لوٹ گئی دیکھ کے حالت تیری
اف وہ رہ رہ کے سر خاک تڑپنا تیرا	سانس اکھڑی ہوئی بگڑی ہوئی رنگت تیری

کچھ تماشا تو نہ تھا خاک پہ غلطاں ہونا　　اک طرف ہوگئی منہ ڈھانپ کے طاقت تیری
پتلیاں پھر گئیں پتھرا گئیں آنکھیں افسوس　　آخر ان سے بھی نہ دیکھی گئی حالت تیری
موت کے دن تھے کہاں اے مرے مرنے والے　　بھیس بدلے ہوئی تھی موت کا غیرت تیری
شہد سے بھی کہیں شیریں ہے محبت لیکن　　بن گئی زہر ترے حق میں محبت تیری
آہ چھلکا ہے عجب رنگ سے پیانہ ء عمر　　آہ آئی ہے عجب حال میں ساعت تیری
وہ سر شام' وہ تاریکی ء شب کا آغاز　　اف وہ تنہائی و مایوسی و حسرت تیری
اُف وہ طغیان ہجوم غم و حرماں اُف اُف　　اُف وہ نرغے میں پریشان طبیعت تیری
اُف وہ ماحول اداس' اُف وہ پراگندہ حواس　　آہ وہ عالم یاس' اُف وہ اذیت تیری
اُف وہ بے تابی ء دل اُف وہ پریشانی ء دل　　اُف وہ نکلی ہوئی قابو سے طبیعت تیری
دیکھتے دیکھتے وہ خون تمنا ہونا　　وہ نگاہوں سے ٹپکتی ہوئی حسرت تیری
کوئی مونس سر بالیں' نہ کوئی محرم راز　　کس مپرسی کی وہ حالت' وہ مصیبت تیری
ہر رگ و پے میں کشاکش' جگر و دل مجروح　　سانس کی آمد و شد سے وہ اذیت تیری
آہ وہ پیاس' وہ کانٹوں سے بھری خشک زباں　　حلق سوکھا ہوا' بے تاب طبیعت تیری
آہ وہ تاب شکن کشمکش قالب و روح　　ضعف بڑھتا ہوا' گھٹتی ہوئی طاقت تیری
آمد آمد وہ قضا کی' وہ بھیانک منظر　　وہ سسکتی ہوئی لاش اور وہ رحلت تیری
شہد کیسا کہ میسر نہ ہوا قطرہ ء آب　　دل کے ٹکڑے کئے دیتی ہے صعوبت تیری
آہ یہ حسرت دیدار و امید دیدار　　کہ کھلی رہ گئیں آنکھیں دم رحلت تیری
دار فانی میں بقا کس کو ہے انا للہ۔　　کل ہماری ہے اگر آج تھی ساعت تیری
اس تصور سے تڑپ اٹھتی ہے بیساختہ روح　　کوئی خدمت نہ ہوئی حسب ضرورت تیری
تیرے ماں باپ' بہن بھائی جو تجھ پر تھے فدا　　کر سکے کوئی اعانت نہ حفاظت تیری
اسی تقریب میں شامل تھے وہ برگشتہ نصیب　　جان سی چیز گئی جس کی بدولت تیری
وہ ابھی حال طبیعت سے بھی واقف نہ ہوئے　　اور ادھر چھوڑ گئی تجھ کو طبیعت تیری
دیر لگتی جو ذرا بھی تو وہ ہوتے آگاہ　　باعث بے خبری بن گئی عجلت تیری
بات اتنی ہی تو تھی دیر کا موقع کیا تھا　　آ گیا پیک اجل' ہو گئی رحلت تیری

دم بہ دم رنگ بدلتا ہے زمانہ کیا کیا　　ابھی کیا تھی' ابھی کیا ہو گئی حالت تیری
وہ ابھی چھوڑ گئے تھے تجھے چلتا پھرتا　　اور ابھی آکے جو دیکھی تو یہ صورت تیری
پیش دروازہ ترا جسم پڑا ہے بے روح　　گود میں سر کو لئے بیٹھی ہے حسرت تیری
آہ بیتی ہے جو ان پر وہی جانیں اس کو　　آہ ماں باپ کا دل اور یہ حالت تیری
میں تو میں ہوں مرے خامے کا جگر بھی ہے دو نیم　　کون حال ان کا لکھے کون حکایت تیری
تاب تفصیل کہاں مجھ میں خلاصہ یہ ہے　　زندہ در گور انھیں کر گئی رحلت تیری
نہ تو نالے کی کوئی نے ہے نہ فریاد کی لے　　ہے اسی ذیل میں یہ ساری حکایت تیری
لے گیا دل میں گل داغ محبت کیا کیا　　تو لحد میں ترے سینے میں ہے جنت تیری
چمن عشق میں تو ایک نرالا گل تھا　　تیز تر ہو گئی مرجھانے سے نکہت تیری
بیٹھنا تھا ترے دل کا کہ اُٹھا پردہ ء راز　　تیرا چھپنا' تھا کہ ظاہر ہوئی حالت تیری
سن لیا سب نے لب گور سے افسانہ ء عشق　　بن گئی آئینہ ء حسن حکایت تیری
حسن سلمٰی بھی سر منظر عام آ ہی گیا　　لائی جلوت میں اسے کھینچ کے خلوت تیری
ہر طرف ذکر ہے اس کا بھی ترے ذکر کے ساتھ　　جلوہ ء حسن بہ آغوش ہے شہرت تیری
نہ کہیں قصہ ء فرہاد نہ افسانہ ء قیس　　اب ہے دنیا کی زباں اور حکایت تیری
یوں تو ہونے کو ہزاروں ہیں محبت والے　　سچ تو یہ ہے کہ محبت تھی محبت تیری
"کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق"　　اب تیرا دور ہے اب آئی ہے نوبت تیری
تو تو خاموش ہے لیکن تری باتیں گھر گھر　　جا بہ جا تجھ کو لئے پھرتی ہے شہرت تیری
جان دی اور غم رشک گوارا نہ کیا　　بوسے لیتی ہے تری قبر کے غیرت تیری
چھوڑ کر اس کو کہاں جائے' کدھر جائے غریب　　تیری تربت کو لئے بیٹھی ہے حسرت تیری
دل پکڑ لیتے ہیں جب دیکھتے ہیں اہل نظر　　ایک عبرت کا مرقع ہے کہ تربت تیری
تیری غیرت پہ نثار او مرے غیرت والے　　لے گئی ملک عدم کو تجھے غیرت تیری
جس کو پالا تھا کلیجے سے لگا کر تو نے　　ڈھونڈتی پھرتی ہے تجھ کو وہ محبت تیری
کل بنی بیٹھی تھی جو زینت کاشانہ ء دل　　آج سر پیٹتی پھرتی ہے وہ الفت تیری
نبرے حالات جو سنتا ہے وہ سر دھنتا ہے　　ڈال دیتی ہے مصیبت میں مصیبت تیری

دل سے آ ہی نہ سکی آرزوئے دل لب تک   بن گئی حلق کا دربان متانت تیری
جل بجھے سوز دروں سے جگر و دل دونوں   اُف نہ کی تو نے یہ خودداری و ہمت تیری
مر مٹا راز محبت مگر افشا نہ کیا   میرے جاں باز یہ غیرت یہ مروت تیری
جان پر بیت گئی وا لب شکوہ نہ ہوا   دیکھ لی دیکھنے والوں نے شرافت تیری
دل اسے دیکھ کے ہو جاتے ہیں دنیا سے اداس   ڈھیر ہے تیری تمناؤں کا تربت تیری
اب ترا دل ہے' نہ وہ ولولہ ء دل ہے' نہ تو   رہ گئی صرف حکایت ہی حکایت تیری
قول مشہور جو تھا شادی و غم ہیں توام   شرح تازہ ہے اسی کی یہ حکایت تیری

اُس طرف طنطنہ و شوکت و فر سر بہ فلک   اِس طرف خاک بسر خدمت و منت تیری
اُس طرف گلشن عیش اور ہوا خواہ اُس کے   اِس طرف عزم ترا اور طبیعت تیری
اس طرف تیغ بکف حوصلہ ء جور و جفا   اِس طرف خون میں ڈوبی ہوئی حسرت تیری
اُس طرف سلسلہ ء مشق ستم روز افزوں   اِس طرف سینہ سپر خوئے اطاعت تیری
اُس طرف محفل شادی کے مسلسل ساماں   اِس طرف رنج و پریشانی و زحمت تیری
اُس طرف زیرِ لب امواج تبسم رقصاں   اِس طرف اشک فشاں چشم محبت تیری
اُس طرف زینت و زیبائش سقف و در و بام   اِس طرف رنج سے بگڑی ہوئی حالت تیری
اُس طرف فرط مسرت سے شگفتہ چہرے   اِس طرف جوش میں آئی ہوئی وحشت تیری
اُس طرف زینت ساماں طرب روح افزا   اِس طرف زیست سے بیزار طبیعت تیری
اُس طرف اور ہی دھن اور ہی رنگ اور ہی ڈھنگ   اِس طرف اور ہی شکل اور ہی صورت تیری
اُس طرف شام کو یہ دھوم کہ ہے کل رخصت   اِس طرف آہ اُسی رات میں رحلت تیری
اُس طرف شاہد مقصود سے دل دست بغل   اِس طرف لاش سے لپٹی ہوئی غیرت تیری
اُس طرف شان جہیز اس طرف آن تجہیز   اِس طرف اور' اُدھر اور' حکایت تیری
اُس طرف گھی کے چراغوں کا چمکنا سر بزم   اِس طرف زیرِ زمیں چاند سی صورت تیری
اُس طرف زیور و ساماں کی نمائش بہ نشاط   اِس طرف تجھ کو سمیٹے ہوئے غربت تیری
اِس طرف تار کفن بھی ابھی میلا نہ ہوا   اُدھر افسوس لٹا دی گئی دولت تیری

پیش آیا وہی لکھا تھا جو پیشانی میں   کام آئی کوئی خدمت نہ اطاعت تیری
کھا گیا غم تجھے جس کا وہ رہے شاد سدا   اُس سے ممکن ہی نہ تھی کوئی اعانت تیری
اب وہ پہنا کرے جامہ جو ہو بیدار نصیب   سو گئی چادر غم اوڑھ کے قسمت تیری
غلبہ ء درد میں بے ساختہ آہیں تھیں یہ چند   اور آخر میں ہے تجھ سے یہ شکایت تیری
کیا سمجھ کر مرے نادان لٹا دی تو نے   جان تو ایک امانت تھی' نہ دولت تیری
التجا ہے کہ خداوند تعالیٰ بخشے   یہ خطا تیری ہوئی جس سے ہلاکت تیری
نوحہ گر بھی ترا غم خوار بھی ہوں میں مختار   باوجود اس کے کہ دیکھی نہیں صورت تیری



نثری مضامین

(۱) قادیانی شاعری کا مدلّل جواب

(۲) تعلیم الاسلام کالج ربوہ کا کانووکیشن ایڈریس

ایک ادبی تحقیق

”قادیانی شاعری“

نمبر ۱

رسالہ ”پیام مشرق“ کا جواب

(از جناب ابن علی الترمذی)

مندرجہ بالا عنوان سے ”پیام مشرق“ لاہور ماہ اپریل ۶۱ء میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں جماعت احمدیہ کے بعض شعراء پر اعتراضات کئے گئے ہیں کہ انہوں نے اپنی نظموں میں غلط الفاظ اور غلط ترکیبیں استعمال کی ہیں۔ معترض صاحب نے اسی مضمون میں ظاہر کیا ہے کہ انہوں نے ”قادیانی شعراء“ کے ترقی کرنے یا نہ کرنے کی حالت معلوم کرنے کے خیال سے ”الفرقان“ ماہ مارچ کی نظموں کو دیکھا۔ اول تو معترض صاحب کو قادیانی شعراء سے متعلق اس جانچ پڑتال سے جتنا تعلق ہو سکتا ہے وہ بالکل ظاہر ہے لیکن جب ان کے قلم سے یہ الفاظ نکل ہی گئے تھے تو چاہئے تھا وہ ان کے مطابق صرف انہیں شعراء سے متعلق اظہار خیال کرتے جن کا کلام مارچ کے ”الفرقان“ میں شائع ہوا تھا، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ در حقیقت ان کا مقصود جس پر اعتراض کرنا تھا مضمون کی ابتداء اسی پر اعتراض کرنے سے کی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

”سالک مرحوم کا یہ قول بہت مشہور ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں میں متواتر دو سطریں ایسی نہیں نکالی جاسکتیں جن میں زبان کی کوئی غلطی نہ ہو۔ ہمیں اس قول کی نسبت کے متعلق اگرچہ شبہ ہے ممکن ہے غلط طور پر سالک مرحوم کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔ اور اس

قول میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں بھی شاید مبالغہ ہو"۔

جس قول کو سالک مرحوم کا مشہور قول بتایا گیا ہے اس سے بڑھ کر اور کون سی دلیل کی ضرورت ہو سکتی ہے کہ خود معترض صاحب کو بھی اس کی صحت کا اعتبار نہیں جس قول کی صحت کا ذرا بھی یقین ہو' اس کے لئے کوئی معمولی علم و فہم رکھنے والا بھی اتنی بے اعتباری ظاہر کر سکتا ہے جتنی جناب معترض صاحب نے ظاہر کی ہے! آپ نے بڑے طمطراق سے جس قول کو مولانا سالک مرحوم کا بہت مشہور قول قرار دے کر پیش کیا ہے اسی بہت مشہور قول سے متعلق آپ خود یہ ارشادات فرماتے ہیں (۱) ہمیں اس قول کی نسبت کے متعلق اگرچہ شبہ ہے (۲) ممکن ہے کہ غلط طور پر سالک مرحوم کی طرف منسوب کیا گیا ہو (۳) اس قول میں جو کچھ کہا گیا ہے شاید اس میں بھی مبالغہ ہو گا۔ ان تینوں بیانوں کی موجودگی میں بھی قول مذکورہ کو بہت معتبر قول قرار دے کر پیش کرنے کا موقع باقی رہتا ہے؟ مگر معترض صاحب ہیں کہ اس کو بہت مشہور قول قرار دینے کے بعد تین قول اس کے برخلاف لکھ دینے میں بھی کسی تامل کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ آپ کو اس قول کے سالک مرحوم کی طرف منسوب کئے جانے کا یقین نہیں ہے بلکہ آپ کے نزدیک ممکن ہے کہ منسوب کرنے والوں نے غلط طور پر اسے سالک مرحوم کی طرف منسوب کر دیا ہو۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ آپ نفس قول کی واقعیت پر بھی یقین نہیں رکھتے اور صفائی کے ساتھ معترف ہیں کہ اس قول میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں بھی شاید مبالغہ ہو۔ کیا جس قول سے متعلق خود اس کے پیش کرنے والے کی بے اعتباری کا یہ عالم ہو' اسے پیش کرنا کسی لحاظ سے بھی مناسب سمجھا جا سکتا ہے؟ مناسب سمجھا جانا تو کیا اس کا تو ذکر بھی برخلاف تعلیم اسلام تھا۔ اسلام ان خبروں کو جن کی صحت پر یقین کامل حاصل نہ ہو آگے بڑھانے کی قطعاً" ممانعت کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **کفی بالمرء کذبا" ان یحدث بکل ما سمع** کہ ہر سنی سنائی بات کو بیان کرنے والا جھوٹا ہوتا

ہے۔ پس معترض کے انداز بیان سے ہی اس کا غلط ہونا ثابت ہے۔

معترض صاحب نے اپنے مضمون کی بنیاد دو شخصوں کے اقوال پر رکھی ہے اور وہ دونوں فوت شدہ ہیں۔ اول مولانا سالک مرحوم جن کی طرف منسوب کئے ہوئے قول کی حقیقت کھل چکی ہے۔ دوسرے مولانا ظفر علی خاں مرحوم۔ چنانچہ معترض صاحب فرماتے ہیں:۔

"اس میں بھی شک نہیں کہ مرزا صاحب کے کلام میں زبان و بیان کی بے شمار غلطیاں موجود ہیں اور ان غلطیوں میں "کہ تا" کی وہ غلطی تو شاہکار درجہ رکھتی ہے جسے مولانا ظفر علی خاں نے حیات جاوید بخشی ہے۔

اک برہنہ سے نہ یہ ہو گا کہ تا باندھے ازار

"یہ 'کہ تا' ہے شاہکار شاعران قادیاں" (پیام مشرق) ... حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود (---) کے کلام و بیان پر اعتراض کے جواب میں موقع کے لحاظ سے صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ جس طرح سیدنا حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے منکروں میں سے ایسے لوگ بھی نکلے ہیں جو باوجود سخت مخالفت کے یہ گواہی دینے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت اعلیٰ درجے کے فصیح اللسان اور عذب البیان ہیں۔ اور یہ سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ آج تک جاری ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔ بالکل یہی معاملہ آپ کے غلام خاص سیدنا حضرت مسیح موعود (---) کے ساتھ بھی پیش آیا کہ باوجود انتہائی مخالفتوں کے ملک کے نہایت چیدہ و برگزیدہ اہل قلم ابتداء ہی سے اس امر کی گواہی دیتے آئے ہیں کہ تحریر و تقریر دونوں کے لحاظ سے آپ ایک نہایت ممتاز اور عظیم الشان انسان ہیں۔ اور تمام بلندیء ہند میں کوئی بھی آپ کے برابر لکھنے والا موجود نہیں۔ اور ان گواہیوں کا سلسلہ بھی ختم نہیں ہوا۔ برابر جاری ہے۔

مذاہب کے ایک نہایت عظیم الشان جلسہ سے بھی جو دسمبر ۱۸۹۶ء کی آخری تاریخوں میں

بمقام لاہور منعقد ہوا تھا آپ کے "سلطان القلم" ہونے کا بہت بڑا ثبوت ملتا ہے۔ اس زمانے کے تمام اخبار اس کے ذکر سے بھرے پڑے ہیں اور بہتوں کو اس امر کا اقرار کرنا پڑا ہے کہ آپ ہی کا مضمون تمام مضامین پر غالب رہا۔۔۔۔ اور اسی سے دین کا بول بالا ہوا۔ علاوہ اس کے آپ کی تحریروں کے پسندیدہ اور دلپسند اور دلپذیر ہونے کا یہ عالم رہا ہے کہ باوجود اختلاف عقائد کئی ماہناموں میں آپ کا نام ظاہر کئے بغیر آپ کی کتابوں کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں اور ایسی مثالیں دو چار نہیں بلکہ بہت ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت اقدس کی ایک نظم جس کا مطلع یہ ہے۔

"جان و دلم فدائے جمال محمد است
خاکم نثار کوچہ ء آل محمد است"

پوری کی پوری بے کم و کاست کسی نے نواب میر محبوب علی خان والی ء دکن کے نام سے شائع کردی تھی۔ اس سے پہلے بھی ایسا ہوا تھا اور اس کے بعد بھی ہوا ہے۔ حال کی دو تازہ مثالیں یہ ہیں:۔

(۱) کسی صاحب نے جن کا تخلص "ندیم" ہے حضرت اقدس کی ایک نظم "اک نہ اک دن پیش ہوگا تو فنا کے سامنے" ۔۔۔ دو ایک جگہ لفظی تصرف کے ساتھ ہفت روزہ "تنظیم اہل حدیث" میں اپنے نام سے بلا تکلف چھپوا دی ہے۔

(۲) دوسری مثال "پاکستان صادقیہ مشن سیالکوٹ" کے "سید المتکلمین جناب ابو البیان مولانا سید ظہور الحسن شاہ صاحب بریلوی، حال بھوانہ، ضلع جھنگ" کے ایک تازہ ٹریکٹ کی ہے جس کا اہم ترین حصہ "حقیقت اسلام" حضرت مسیح موعود (۔۔۔) کی معرکتہ الارا تصنیف "آئینہ کمالات اسلام" (صفحہ ۵۹، ۱۱۲، ۱۱۳۔۔۔) اور "براہین احمدیہ حصہ پنجم" (صفحہ ۵۷۔۔۔) سے لیا گیا ہے اور ربط کلام کے لئے جو اشعار پیش کئے گئے ہیں وہ بھی حضرت اقدس ہی

کے ہیں!!

رہا مولانا ظفر علی خاں کا مصرع جس میں انہوں نے "کہ تا" کو قادیانی شعراء" کا شاہکار قرار دیا ہے تو معترض صاحب نے نہ تو یہ بتایا کہ ان کے مولانا نے اسے کس لحاظ سے "قادیانیوں کا شاہکار" قرار دیا تھا اور نہ یہ ظاہر کیا ہے کہ خود ان کے نزدیک "کہ تا" کی غلطی شاہکار ہونے کا درجہ کس وجہ سے رکھتی ہے۔ لیکن چونکہ انہوں نے مولانا ظفر علی خاں کا شاہکار والا مصرع لکھنے کے بعد حضرت اقدس (۔۔۔) کا یہ شعر نقل کیا ہے۔

پھر دوبارا ہے اتارا تو نے آدم کو یہاں — تا وہ نخل راستی اس ملک میں لائے ثمار

اور اس شعر کے لفظ "تا" پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ یہ لکھا ہے کہ یہ شعر بھی چونکہ "کہ تا" باندھے ازاروالی نظم کا ہے اور اس میں "کہ تا" کی بجائے "تا" موجود ہے۔

معترض صاحب کی اس طرز سے پایا جاتا ہے کہ آپ لفظ "تا" کو صحیح سمجھتے ہیں اور "کہ تا" کو غلط اور آپ کے نزدیک چونکہ ساری دنیا "تا" لکھا کرتی ہے جو صحیح ہے اور برخلاف اس کے قادیان والے "کہ تا" لکھا کرتے ہیں جو غلط ہی نہیں بلکہ غلطیوں کا شاہکار ہے اس لئے یہ شاہکار صرف قادیان والوں کا ہے، دوسروں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

یہ امور جو معترض صاحب کی تحریر اور انداز تحریر سے ظاہر ہوتے ہیں ہمارے نزدیک قطعاً درست نہیں کیونکہ شعرائے ایران نے صرف "تا" بھی استعمال کیا ہے اور "تاکہ" بھی اور "کہ تا" بھی۔ اور ان کے تتبع میں شعرائے ہندوستان نے بھی۔ چونکہ اعتراض صرف "کہ تا" لکھے جانے پر ہے اس لئے صرف اسی کی مثالیں شعرائے ایران و ہندوستان کے کلام سے پیش کی جاتی ہیں۔ اور یہ مثالیں صرف اس امر کے ثبوت میں ہیں کہ "تا" اور "تاکہ" کی طرح "کہ تا" بھی بالکل صحیح لفظ ہے۔ زمانہ ء قدیم سے اس کا استعمال چلا آتا ہے اور اس زمانہ میں بھی اسے استعمال کیا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی

بخاک پائے صبوحی کشاں کہ تا من مست
بکوئے میکدہ استادہ ام بدربانی

بیاد طرہ ء دلبند خویش خیرے کن
کہ تا خداش نگہ دارد از پریشانی

اے کہ عمرے شد کہ تا بیمارم از مژگان تو
کونگاہے کن کہ پیش چشم شہلا میرمت

بس نکتہ غیر حسن بباید کہ تا کسے
مقبول طبع مردم صاحب نظر شود

شراب تلخ می خواہم کہ مرد افگن بود زورش
کہ تا یکدم بیاسایم ز دنیاؤ شر و شورش

دریغ و درد کہ تا ایں زماں ندانستم
کہ کیمیائے سعادت رفیق بود رفیق

(صفحہ ۲۷۵)

سحر چو بلبل بیدل شدم دمے در باغ
کہ تا چو بلبل بیدل کنم علاج دماغ

(صفحہ ۲۷۲)

بہ خندہ گفت کہ حافظ غلام طبع تو ام
بہ بیں کہ تا بچہ حدم ہمی کند تحمیق

(صفحہ ۲۷۵)

بہ نے پرستی ازاں نقش خود بر آب زدم
کہ تا خراب کنم نقش خود پرستیدن

(صفحہ ۱۵۰)

کہ تا وجد را کار سازی کنم
برقص آیم و خرقہ بازی کنم

(صفحہ ۳۴۲)

بیا ساقی آں آب آتش خواص
بمن دہ کہ تا یابم از غم خلاص

(صفحہ ۳۴۴)

بمن دہ کہ تا کردم از عیب پاک
خرامم بہ عشرت سرا زیں سفاک

(صفحہ ۳۴۸)

بدہ ساقیا مے کہ تا دم زنیم
قلم بر سر ہر دو عالم زنیم

(صفحہ ۳۵۰)

رفیقاں قدر یک دیگر بدانند
کہ تا در وادی ء ہجراں نمانند

(صفحہ ۳۵۶)

("دیوان حافظ" مطبوعہ مطبع خورشید - بمبئی)

علی محمد القدسی الحسینی الشیرازی

(مرتب و کاتب دیوان حافظ)

ہمی بچشم رواں بیں در آں کہ تا بینی
یکے گلستاں بہتر ز روضہ ء رضواں

(صفحہ ۲۱)

برو بدست کن آں گوہر درخشاں را
کہ تا بدست کنی خاتم سلیمانی

(دیوان حافظ صفحہ ۴۸۹)

حضرت مولانا نظامی گنجوی

درنگ از بہر آں افتادہ در راہ
کہ تا فارغ شود از شغلہا شاہ
مرا ایں رہ نمونی بخت فرمود
کہ تا شہ باشد از ایں بندہ خوشنود

(تنقید شعر العجم صفحہ ۳۲۵ و ۳۲۶- ایڈیشن ۱۹۴۲ء- پروفیسر حافظ محمود شیرانی)

شیخ عطار

کہ تا ایں بندہ ہم پے بر پے شاں
بیاید بار بر درگاہ سلطاں

(صفحہ ۳۶۰)

کہ باید صد جہود بس پریشاں
کہ تا خواہند از من جزیہ ایشاں

(صفحہ ۳۶۵)

چو داس ماہ نو از بہر آں ہمی آید
کہ تا چو خوشہ سر خلق می زند زقفا

(تنقید شعر العجم صفحہ ۳۷۹)

فردوسی طوسی

ازاں گفتم ایں بیت ہائے بلند
کہ تا شاہ گیرد ازیں کار پند

(تنقید شعر العجم صفحہ ۱۱۵)

کمال

زجور یکدو نامعلوم ایبک شد دو سال افزوں
کہ تا من زارتقاع آں نکر دم تر دہانے را

(صفحہ ۵۳۹)

زخاک پالیش تاجے بساز و برسر نہ
کہ تا زخیل ملک گرد خود حشر یابی

(تنقید شعر العجم صفحہ ۳۰۹)

حضرت مولانا روم

نفس می خواہد کہ تا ویراں کنند
خلق را گمراہ و سرگرداں کنند
طالب علم ست بہر خاص و عام
نے کہ تا یابد ازیں عالم خلاص
(صفحہ ۱۵۴)

طالب دل شو کہ تا باشی چو مل
تا شوی شاداں و خنداں ہمچو گل
(صفحہ ۱۶۵)

کشت ایشاں را کہ تا ترسیم ازاو
در خود ایں برعکس کردی وائے تو
(مثنوی مولانا روم دفتر دوم صفحہ ۱۶۸)

حضرت حافظ احمد حسین احمد

سالہا رفت کہ تا ایں دل مشتاق مرا
آرزوئے کہ نظر بر رخ نیکوئے تو بود
(صفحہ ۱۶۸)

میزند زخمے بدل گاہے کہ تا آہے کنم
گاہ مرہم می نہد تا زخم گیرد اندمال
(صفحہ ۵۸)

رشک حسنت کہ تا باز نہ بیند رخ غیر
دیدہ ء جان مرا باز نمط دوختہ ء
(صفحہ ۸۰)

بیا ساقی بدہ جام طربناک
کہ تا جاں بر جہد زیں کوزہ ء خاک
(صفحہ ۱۵۴)

مئے الفت مرا ساقی چناں داد
کہ تا من شیشہ ء توبہ شکستم
(صفحہ ۱۴۹)

نے بدل صبرے کہ تا گیرد قرار
نے توانائی کہ آرد وصل یار
(کلیات احمد صفحہ ۳۱۹)

نامہ ء غالب بنام حضرت غمگین

"یزداں را سپاس گزارم وبدیں ذوق خود را در بازم کہ مرا بہ گوشہ ء خاطر کسے جائے دادہ است کہ تا کام و زباں را بہ ہفتاد آب نہ شویم نامش نہ توانم برد"

(مجموعہ ء مکاتیب غالب و غمگین، ۱۳۵۷ھ قلمی مکتوب ۸ بحوالہ "معارف" نمبر ۵، ج ۸۷۔

جواب حضرت غمگین

"و عمر فرموده بودند که تا ایں مرد دانا (علی) در شما است ہیچ مسئلہ از ما نمی پرسید۔"

(بحوالہ "معارف" نمبر ۵ ج ۸۷۔ صفحہ ۳۹۱)

میر

مرا ہاتھ ہو چاک کا دستیار
کہ تا جیب و دامن ہوں قرب و جوار

("انتخاب کلام میر" - ڈاکٹر مولوی عبدالحق - ایڈیشن ۱۹۵۰ء) صفحہ ۲۴۲

سودا

ہوں میں وہ وحشیء رم خوردہ کہ تا دشت عدم
پات کھڑکے ہے تو مانند صدا جاتا ہوں

صفحہ ۳۴

اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار
پیسے اسے لگاؤ کہ تا ہووے یہ رواں

("انتخاب دیوان سودا" - ڈاکٹر وحید قریشی ۱۹۵۷ء) صفحہ ۱۲۸

غالب

آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے کہ تا
تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرت دیدار ہے

("دیوان غالب صفحہ ۲۳ ستمبر ۱۹۴۹ء - مطبوعہ حمایت اسلام لاہور)

لسان العصر اکبر الہ آبادی

برآر از دل یکے دست دعا در حضرت باری
کہ تا بخشد دلت را امتیاز حق و باطل ہا

(کلیات اکبر - ج ۲، صفحہ ۱۶۷)

جوش

ندیم جوش کو لے چل کسی بیاباں میں
کہ تا سکوت کے خرمن سے چن سکے آواز

(ہفت روزہ "لیل و نہار" لاہور - ۶ جولائی ۱۹۵۸ء - صفحہ ۱۱)

یہ مصرع بھی زباں زد خاص و عام ہے کہ۔

یار غالب شو کہ تا غالب شوی

تلاش کی جائے تو ہزاروں جگہ "کہ تا" کا استعمال مل سکتا ہے۔ منصف مزاج اور حق پسند دیکھ سکتا ہے کہ اسے "شعرائے قادیان کا شاہکار" کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے؟۔

"قادیانی شاعری"

نمبر۲

رسالہ "پیام مشرق" کے اعتراضوں کا جواب

(از حضرت ابن علی الترمذی)

طالب حق جناب ابوحماد صاحب رشید نے "پیام مشرق" لاہور مجریہ ماہ اپریل ۱۹۶۱ء میں "قادیانی شاعری" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا تھا جس کے ابتدائی حصہ سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ کے نزدیک فارسی کے الفاظ "تا" اور "کہ تا" میں سے صرف "تا" لکھنا صحیح ہے اور "کہ تا" لکھنا قطعاً" غلط۔ آپ نے یہ بتانے کی تو کوئی ضرورت نہیں سمجھی تھی کہ "کہ تا" کو مسلم اساتذہ میں سے کس نے اور کب غلط اور ناقابل استعمال قرار دیا ہے یا آپ خود اسے کن دلائل کی بناء پر غلط اور ناقابل استعمال قرار دے رہے ہیں۔ ہاں آپ نے اسکے غلط اور ناقابل استعمال ہونے کی تائید میں اپنے پیشوا و رہنما مولانا ظفر علی خاں مرحوم کا یہ مصرع پیش کر دیا تھا کہ۔

یہ "کہ تا" ہے شاہکار شاعران قادیاں

ظاہر ہے کہ اس مصرع کا "کہ تا" کے غلط اور ناقابل استعمال ہونے کے ثبوت سے تو کچھ بھی تعلق نہیں تھا۔ یہ دو امر البتہ ظاہر ہوتے تھے' اول یہ کہ اس معاملے میں طالب حق جناب ابوحماد صاحب رشید کی حیثیت صرف روایتی کاتب جیسی ہے اصل چیز تو آپ کے مولانا ہی ہیں۔ انھیں نے "کہ تا" کے غلط ہونے کا اظہار کیا۔ انھیں نے اسے اسکے استعمال کرنے والوں کی غلطیوں کا شاہکار قرار دیا اور انھیں نے اس کے استعمال کا قادیان اور صرف قادیان سے مخصوص ہونا ظاہر کر کے یہ یقین دلانا چاہا کہ قادیان ہی میں اس کا استعمال شروع ہوا اور

قادیان ہی تک محدود رہا۔ قادیان کے سوا اس کا استعمال کبھی اور کہیں نہیں کیا گیا۔

ہم نے اس خیال کا بے بنیاد ہونا ظاہر کرنے کے لئے ایک مضمون لکھا جس کی پہلی قسط "الفرقان" اگست ۱۹۶۱ء میں شائع ہو چکی ہے۔

جناب ابوحماد صاحب رشید نے اپنے مضمون میں اس امر کا ذرا بھی خیال نہیں کیا تھا کہ مولانا ظفر علی خان دنیا چھوڑ چکے ہیں۔ ان کی آڑ لے کر دوسروں کی تذلیل و تحقیر مناسب نہیں ہے۔ اور انہوں نے اپنے مولانا کی آڑ لے کر ایسے لوگوں کو جی کھول کر تمسخر و استہزا کا نشانہ بنایا اور ان کے خلاف آوازے کسے اور پھبتیاں اڑائیں جنھوں نے آپ کے خلاف کبھی ایک لفظ بھی نہیں لکھا تھا۔ نہ وہ آپ سے واقف تھے اور نہ آپ ان سے۔ مگر ایسی حالت میں کہ ابوحماد صاحب رشید کے مولانا نہ اب کسی کی سن سکتے ہیں اور نہ اپنی سنا سکتے ہیں' ہمیں یہ گوارا نہ ہوا کہ ان سے متعلق ایک لفظ بھی لکھا جائے۔ چنانچہ ہم نے اس معاملے میں ان کا ذکر درمیان میں لائے بغیر ایسے حوالہ جات پیش کر دینے پر بس کیا جن میں "کہ تا" استعمال کیا گیا ہے۔ اور چونکہ جس زبان کے کسی لفظ کی صحت میں کلام ہو اس کی صحت ثابت کرنے کے لئے اسی زبان کے مسلم و مستند اساتذہ کا کلام پیش کیا جانا ضروری ہوتا ہے اس لے ہم نے "کہ تا" کا استعمال دکھانے کے لئے سخن وران فارس کے کلام کو مقدم کیا ہے اور پہلے اٹھائیس حوالے انھیں کے کلام سے پیش کئے ہیں۔ پھر فارسی گو شعرائے ہند کے کلام فارسی و اردو سے چودہ حوالے نقل کئے ہیں۔

اگرچہ شعراء میں کسی لفظ کا استعمال دکھانے کے لئے چند مستند شعراء کے کلام سے پانچ حوالے پیش کر دینا کافی ہوتا ہے لیکن ہم نے بوجوہ چودہ مسلم شعراء کے کلام سے تینتالیس حوالے پیش کر دینے پر بھی یہ سلسلہ ختم نہیں کر دیا۔ اکیاون حوالے اس قسط میں بھی پیش کئے جائیں گے۔ اس مضمون میں مذکورہ بالا حوالوں کے بعد طالب حق ابوحماد صاحب رشید کی اس

مایہ ء ناز عبارت پر نظر کی جائے گی جو انھوں نے نہایت متکبرانہ انداز میں دوسروں پر اعتراضات کی بارش سے پہلے رقم فرمائی ہے۔ پھر ان کے اعتراضات کی حقیقت ظاہر کی جائے گی۔ وباللہ التوفیق۔

حوالہ جات

ملک الکلام اوحد الدین علی الانوری الخاورانی

(تنقید شعرالعجم شائع کردہ انجمن ترقی اردو)

مالش آں بس کہ تا بہ حشر بماند
بے گنہ مست شربت تشویز

(صفحہ ۲۰۸)

مدتے شد کہ تا بداں امید
چشم دارد براہ و گوش بدر

(صفحہ ۲۳۱)

بندہ سالیست کہ تا در کیف دولت تو
غم ایام نہ خورد است چہ اکثر چہ اقل

(صفحہ ۲۳۲)

للہ الحمد کہ تا حشر نمی باید بست
در قطار عس نیز نہ ناقہ نہ جمل

(صفحہ ۲۳۲)

آں کہ تا آب سبو پیوستہ از ما خواستہ است
گر بجوئی تا بہ مغز استخوانش نان ماست

(صفحہ ۲۸۴)

حضرت مولانا نظامی گنجوی رحمتہ اللہ علیہ

(از تنقید شعرالعجم)

ربائندہ چرخ آں چنانش ربود
کہ گفتی کہ تا بود ہرگز نہ بود

(صفحہ ۳۲۰)

نہادند سرہا کہ تا زندہ ایم
بدیں عہدو پیماں سرا فگندہ ایم

(صفحہ ۳۴۴)

سخن تا توانی بازرم گوئے
کہ تا مستمع گردد آزرم جوئے

(صفحہ ۳۴۴)

(از سکندر نامہ بری، مطبوعہ مطبع نول کشور۔ لکھنؤ)

ستانی زباں از رقیباں راز
کہ تا راز سلطاں نگویند باز

(صفحہ ۵)

توئی آں کہ تا من منم بامنے
و زیں در مبادم تہی دامنے

(صفحہ ۸)

چراغے کہ تا او نیفروخت نور
ز چشم جہاں روشنی بود دور

(صفحہ ۱۴)

وگرنہ بایزد کہ تا بودہ ام
بہ مئے دامن لب نیالودہ ام

(صفحہ ۳۲)

مگر مار برگنج ازیں جانشست
کہ تا رایگاں گنج آید بدست

(صفحہ ۳۴)

بیا ساقی آں ارغوانی شراب
بمن دہ کہ تا مست گردم خراب

(صفحہ ۴۳)

دگر رومی رفت چوں تند باد
کہ تا چشم برہم نہد سر نہاد

(صفحہ ۱۰۳)

مگر شاہ ازاں داد چوگاں بمن
کہ تا زو کشم ملک بر خویشتن

(صفحہ ۱۳۶)

خر از زین زر بہ کہ پالاں کشد
کہ تا رخت خر بندہ آساں کشد

(صفحہ ۱۴۳)

بسارود کز زخمہ گردن شکست
کہ تا زخمہ ء رودے آرد بدست

(صفحہ ۱۴۶)

کہ تا دور او بود در گرم و سرد
کس از پیشہ ء خویشتن بر نخورد

(صفحہ ۲۲۱)

شکیبائی آورد روزے سہ چار
کہ تا بشگفد غنچہ ء نوبہار

(صفحہ ۲۳۴)

کہ تا روئے مہ روئے دارا نژاد
بہ بینم کز دیدہ فرخندہ باد

(صفحہ ۲۳۵)

کہ تا روشنک راچو روشن چراغ
بیارند باباغ پیرا بباغ

(صفحہ ۲۴۰)

بہ ارشاہ را جائے باشد بلند
کہ تا دیدہا زو شود بہرہ مند

(صفحہ ۲۵۱)

ملک زادگاں را بر افروز چہر
کہ تا بر تو فیروز گردد سپہر

(صفحہ ۲۵۷)

بخونریزی ء شہریاراں مکوش
کہ تا فتنہ را خوں نیاری بجوش

(صفحہ ۲۵۷)

جوابم بفرمائے گفتن براز
کہ تا رہ نوردم سوئے خانہ باز

(صفحہ ۲۸۱)

بتو نقش تو زاں نمودم نخست
کہ تا نقش من بر تو گردد درست

(صفحہ ۲۸۲)

حضرت شیخ فریدالدین عطار علیہ الرحمتہ

(منطق الطیر، مطبوعہ کواپریٹو کیپیٹل پرنٹنگ پریس لاہور)

سر بریدندش کہ تا بشتہ بود
از چہ پیوستہ رحم برستہ بود

(صفحہ ۳۰)

خضر مرغانم ازانم سبز پوش
بو کہ تا نم کرد آب خضر نوش

(صفحہ ۵۵)

ایں بداں گفتم کہ تا ہربے فروغ
کم زند در عشق مالاف و دروغ

(صفحہ ۱۳۸)

دیگرے گفتش کہ تا من زندہ ام
عشق او را لائق و زیبندہ ام

(صفحہ ۲۱۸)

زاں کہ تا باجان و بادل ہمبری
مشرکی وز مشر کاں غافل تری

(صفحہ ۲۸۳)

دریں اندیشہ بودم گاہ و بیگاہ
کہ تا خود چوں کنند از غیبم آگاہ

(تنقید شعر العجم۔ صفحہ ۴۰۹)

ز بعد ایں کتب خواں سہ کتب را
کہ تا گردد وجودت خود مصفا

(صفحہ ۴۴۳)

نظر کردم بس آں گہ سوئے بالا
کہ تا بینم مبارک روئے ہیلا

(صفحہ ۴۷۸)

من از فتویٰ چناں کردم ابا او
کہ تا کوتہ شود ایں گفت ویں گو

(صفحہ ۴۸۲)

(نوٹ : یہ چاروں شعر ایسی کتابوں کے ہیں جو حضرت شیخ عطار کی طرف منسوب چلی آتی ہیں مگر در حقیقت ان کی تصانیف نہیں۔ چوں کہ ہمارا مقصود "کہ تا" کام عام استعمال دکھانا ہے اس لئے ہم نے یہ اشعار بھی لے لئے ہیں۔)

حضرت شاہ حافظ احمد حسین خان احمد

(کلیات احمد مطبوعہ مطبع نظامی بدایوں)

عشق پیدا کن کہ تا بارت دہند
در حریم بارگاہ دلربا

(صفحہ ۱۳)

کنند عشاق را زیں عشق فانی
کہ تا ہستی نہ ہمتائے تو باشد

(صفحہ ۱۱۹)

بروں از خویش رفتم آں چناں از جوش آں بادہ
کہ تا علمم نماندہ از خود و از کفر و از ایماں

(صفحہ ۱۸۶)

نے بدل صبرے کہ تا گیرد قرار
نے توانائی کہ آرد وصل یار

(صفحہ ۳۱۹)

حضرت مولانا امجد الدین خوافی

(خارستان مطبوعہ نو لکشور لکھنؤ۔)

من ندانم کہ تا چرا خواجہ
باغم مرگ شاد میگذرد

(صفحہ ۱۶)

مراد خویش تو ایثار نا مرادی کن
کہ تا مراد دو عالم میسرت باشد

(صفحہ ۲۷)

روشن نمی شود ز رہ حکمتت کہ تا
چندیں تفاوت از چہ فتادست در تبار

(صفحہ ۲۳)

ز شہوت قدم بر ہوا نہ کہ تا
نہی از کرامت قدم در ہوا

(صفحہ ۹۰)

بگنج فقر نہادند گنج معنی را
کہ تا نیابد رہ سوئے گنج بیگانہ

(صفحہ ۱۳۲)

در آنجا بہ شحنہ کہ تا مہر من
طلب دارد از تو بہ رجم چماق

(صفحہ ۱۲۹)

بہ آشکار و نہاں خون کس نباید ریخت
کہ تا یقیں نکند آشکار و پنہاں را

(صفحہ ۱۵۴)

مکن ہر گز بجائے بد نکوئی
کہ تا مردم نگویند یار توئی

(صفحہ ۱۵۸)

یہ اشعار لکھوانے کے دوران میں مختلف بحروں کے دو مصرعے جن میں "کہ تا" استعمال کیا گیا ہے وہ بھی لکھوا دئے ہیں مگر اس وقت ان سے تعلق رکھنے والے مصرعے اور ان کے مصنف کا نام یاد نہیں۔ یہ ناظرین کا ہم پر قرضہ ہے جو انشاء اللہ آئندہ ادا ہو جائے گا وہ دونوں مصرعے یہ ہیں:۔

؎ کہ تا روز محشر شوی رستگار

؎ قصہ کوتہ کن کہ تا یابی قرار

ان حوالوں سے جو "کہ تا" کا استعمال دکھانے کے لئے اگست ۱۹۶۱ء کے الفرقان میں پیش کئے جا چکے ہیں اور جو اس قسط میں پیش کئے گئے ہیں ظاہر ہے کہ الفاظ "کہ تا" کا استعمال اہل قادیان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سخنوران ایران میں اس کا استعمال قدیم سے چلا آتا ہے۔ ہمارے پیش کئے ہوئے حوالوں میں سب سے پرانا حوالہ یہ شعر ہے۔؎

ازاں گفتم ایں بیت ہائے بلند

کہ تا شاہ گیرد ازیں کار پند

یہ شعر سلطان محمود غزنوی نور اللہ مرقدہ کی اس ہجو کا ہے جو فردوسی کی طرف سے منسوب چلی آتی ہے اور اسی کے نام سے بار بار شائع بھی ہو چکی ہے۔ اس لئے ہم نے بھی اگست کے الفرقان میں یہ شعر فردوسی ہی کے نام سے درج کیا ہے۔ یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اس ہجو میں فردوسی کے اشعار بھی شامل ہیں جو شاہ نامہ سے بھی لئے گئے ہیں اور فردوسی کی دوسری تصنیف سے بھی۔ مگر زیادہ تر اشعار الحاقی ہیں جو سلطان محمود غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کو بدنام کرنے کے لئے آنجناب کے مذہبی و سیاسی مخالفوں نے شامل کئے ہیں۔ ممکن ہے کہ ہجو مذکورہ میں جس طرح اور بعض شعر فردوسی کے ہیں یہ شعر بھی فردوسی ہی کا ہو اور قرینہ اور انداز سے بھی یہی پایا جاتا ہے لیکن اگر فردوسی کا نہ بھی ہو تو بھی کچھ مضائقہ نہیں اور اس سے ہمارے مقصد پر کوئی زد نہیں آتی کیونکہ ہم بلا تخصیص شعرائے ایران میں "کہ تا" کا

استعمال دکھانا چاہتے ہیں، کسی خاص شاعر کی تصنیف میں نہیں۔

فردوسی چوتھی صدی ہجری کا شاعر ہے اور ہجو مذکورہ بھی اسی صدی میں تیار کی گئی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں "کہ تا" یقیناً استعمال کیا جاتا تھا۔ اگرچہ اس صدی کے اور شعراء اور اس سے پہلے گزری ہوئی صدیوں کے شعراء کا کلام ابھی ہمیں نہیں مل سکا ہے تاہم پورے وثوق سے یقین ہے کہ ان تمام صدیوں میں بھی "کہ تا" ضرور استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ کیونکہ جب چوتھی صدی میں اس کا استعمال موجود ہے اور اس کے بعد کی صدیوں میں اس کے استعمال کی بڑی کثرت پائی جاتی ہے، جیسا کہ حکیم انوری، مولانا نظامی اور شیخ عطار کے حوالوں سے ظاہر ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ چوتھی صدی سے پہلے کی صدیوں میں "کہ تا" کا استعمال نہ رہا ہو۔ الفاظ "کہ تا" چوتھی صدی ہجری میں تو وضع ہوئے نہیں جو ان کا استعمال بھی چوتھی صدی سے سمجھا جائے۔ بلکہ یہ الفاظ تو اسی طرح قدیم سے چلے آتے ہیں جس طرح "تا" اور "کہ تا" اور ان دونوں کا استعمال قدیم سے چلا آتا ہے۔ پس "کہ تا" کے استعمال کو بھی قدیمی مانے بغیر چارہ نہیں۔ اور چونکہ فارسی شعراء میں یہ استعمال عام ہو رہا ہے اس لئے ان کے تتبع اور خاص کر حضرت عارف رومی اور حضرت شیخ سعدی کے زیر اثر کہ ان حضرات کے ہاں بھی "کہ تا" بکثرت موجود ہے، ہندوستان کے فارسی و اردو گو شعراء بھی ابتداء ہی سے اسے استعمال کرتے آئے ہیں اور موجودہ دور بھی اس کے استعمال سے خالی نہیں جیسا کہ ہم اپنے پہلے پیش کئے ہوئے حوالوں میں دکھا چکے ہیں۔ حضرت عارف رومی کے حوالے تو پہلے بھی پیش کئے جا چکے ہیں اور آئندہ زیادہ پیش کئے جائیں گے اور انہیں کے ساتھ حضرت شیخ سعدی اور دوسرے نامور شعراء حبیب قاآنی وغیرہ کے مزید حوالے بھی پیش کئے جائیں گے۔ انشاء اللہ۔

"قادیانی شاعری"

نمبر ۳

رسالہ "پیام مشرق" کے اعتراضوں کا جواب

(از حضرت ابن علی الترمذی)

------سلسلہ کے لئے الفرقان دسمبر ۱۹۶۱ء ملاحظہ فرمائیں------

ناظرین الفرقان کو معلوم ہے کہ جناب ابو حماد صاحب رشید نے جو اپنے آپ کو طالب حق بھی لکھا کرتے ہیں اپریل ۱۹۶۱ء کے "پیام مشرق" میں فارسی کے دو کثیر الاستعمال "تا" اور "کہ تا" میں سے "کہ تا" کو غلط اور اس کے استعمال کو اس آن بان سے ناجائز قرار دیا تھا کہ گویا آپ فارسی زبان کے بہت بلند پایہ ماہر ہیں۔ اس کے لفظ لفظ کی کیفیت آپ کی نظر میں ہے۔ اگلے پچھلے تمام شعرائے ہند و ایران کے کلام سے بخوبی واقف ہیں۔ اور فن شعر و محاسن و معائب سخن سے کماحقہ آگاہ۔

بحالیکہ حقیقت اس کے بالکل خلاف تھی فارسی زبان کا ماہر اور فن شعر میں کامل اور تمام شعرائے ہند و ایران کے کلام پر حاوی اور سخن فہمی میں یکتائے روزگار ہونا تو بہت دور کی باتیں ہیں، آپ سے متعلق تو یہ خیال کرنا بھی مشکل ہے کہ فارسی کی ابتدائی درسی کتابوں میں سے گلستان پڑھ لینے کی سعادت بھی حاصل ہو سکی ہو۔ اگر اس کی نوبت آگئی ہوتی تو آپ "کہ تا" کو غلط کہنے اور اس کے استعمال کو ناجائز قرار دینے کی جسارت کبھی نہ کرتے۔ کیونکہ اس کتاب کی نثر و نظم دونوں میں "کہ تا" کا استعمال موجود ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"پادشاہ را باید کہ تا حدے خشم بر دشمناں نہ راند۔ کہ دوستاں را اعتماد نہ ماند۔"

(گلستاں صفحہ ۲۲۵۔ مطبوعہ گلاب سنگھ۔ لکھنؤ)

قطعہ

تواں شناخت بیک روز در شمائل مرد
کہ تا کجاش رسیدست پائگاہ علوم
ولے زباطنش ایمن مباش و غرہ مشو
کہ خبث نفس نہ گردد بسالہا معلوم

(گلستاں، صفحہ ۲۳۱۔ مطبوعہ گلاب سنگھ۔ لکھنؤ)

گلستاں تو ایک ایسی کتاب ہے جس کے بہت سے برجستہ فقرے اور کار آمد مقولے اطفال دبستاں کو دوران تعلیم ہی میں یاد ہو جاتے اور پھر عمر بھر وقت ضرورت زبان پر آتے رہتے ہیں اور اس کی فردوں، بیتوں، شعروں اور قطعات و رباعیات کا بھی یہی حال ہے بلکہ یہ چیزیں نظم ہونے کی وجہ سے نثر کے فقروں اور مقولوں کے مقابلہ میں جلد اور زیادہ یاد ہو جاتی ہیں مگر اس کا کیا علاج کہ طالب حق ابو حماد صاحب رشید کی نظر تو گلستاں پر بھی نہ ہو اور وہ فارسی کے الفاظ کو غلط یا صحیح قرار دینے بیٹھ جائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کا "کہ تا" کو غلط قرار دیکر اس کے استعمال کرنے والوں کے خلاف تمسخر و استہزا محض ناواقفی کی وجہ سے ہے۔ سخن وران فارس کے کلام سے واقف ہونا تو کیا معنی آپ تو خیر سے شعرائے ہند کے کلام سے بھی واقف نہیں۔ ہم نے یہی حقیقت ظاہر کرنے کے لئے اگست ۱۹۶۱ء کے الفرقان میں اٹھائیس حوالے مشہور و نامور شعرائے ایران مثلاً" فردوسی طوسی، انوری خاورانی، نظامی گنجوی، شیخ عطار، مولانا روم اور حافظ شیرازی وغیرہم کے کلام سے اور چودہ حوالے فارسی گو شعرائے ہند کے کلام فارسی و اردو میں سے

پیش کئے اور اکیاون حوالے دسمبر ۱۹۶۱ء کے الفرقان میں اور ان تیرانوے (۹۳) حوالوں کے بعد چورانوے حوالے اس ماہ کے الفرقان میں پیش کرتے ہیں اور آئندہ بھی انشاء اللہ پیش کریں گے۔

حکیم ابو القاسم المنصور الفردوسی

(شاہ نامہ جلد اول)

کہ تا ہر کس اندیشہ ء خویش را
بہ بیند بداند کم و بیش را

(صفحہ ۲۷)

بدو گفت بنگر کہ تا آرزوئے
چہ خواہی بخواہ از من اے نیک خوئے

(صفحہ ۳۹)

سروشے بدآں آمدہ از بہشت
کہ تا باز گوید بد و خوب و زشت

(صفحہ ۴۶)

کہ تا اژدہا را بروں آورید
بہ بندد کندے چناں چوں سزید

(صفحہ ۵۶)

کہ تا زندہ ام جرمہ جفت من است
رخم چرخ گرداں نہفت من است

(صفحہ ۸۳)

بداں پروراندم ایں تار را
کہ تا دست گیری کند یار را

(صفحہ ۸۷)

برفتند و بروند رنج دراز
کہ تا باستارہ چہ یابند راز

(صفحہ ۱۰۱)

بخواند آں زماں زال را شہریار
کہ تا زو سخنہا کند استوار

(صفحہ ۱۰۱)

نخست آں کہ تا شاہ زابلستاں
شود جفت با ماہ کابلستاں

(صفحہ ۱۰۴)

کہ تا شاہ مژگاں بہم بر نہاد
زسام نریماں ہمی کرد یاد

(صفحہ ۱۱۴)

چنیں گفت قارن کہ تا زادہ ام
تن پر ہنر مرگ را دادہ ام

(صفحہ ۱۱۸)

چنیں گفت با مہتراں زال زر
کہ تا من بہ بستم بمردی کمر

(صفحہ ۱۲۸)

بہر سو کہ تا زاں شدی جنگ جوئے
رواں گشتی از خوں دراں جنگ جوئے

(صفحہ ۱۳۱)

کہ تا برکشم تیغ تیز از میاں
کنم رستخیزی بتورانیاں

(صفحہ ۱۳۵)

کہ تا بنگر و کاں چہ مروست خود
ابا روز بہر چہ کروست بد

(صفحہ ۱۵۰)

کہ تا رفت خورشید رخشاں در آب
در آمد شب تیرہ گوں درشتاب

(صفحہ ۱۶۹)

پر اندیشہ شد جان آں پادشا
کہ تا چوں شود بے پر اندر ہوا

(صفحہ ۱۷۳)

دگر گفت ازاں رفت بر آسماں
کہ تا جنگ سازد بہ تیر و کماں

(صفحہ ۱۷۴)

نگہ کن کہ تا چند گونہ بلا
بہ پیش آمد و یافتی زورہا

(صفحہ ۱۷۴)

کہ تا ماہ و خورشید را بنگرد
ستارہ ہمی یک بیک بشمرد

(صفحہ ۱۷۴)

ز لشکر بیامد ہشیورا بیست
کہ تا اندر آورد گہ کار چیست

(صفحہ ۲۰۶)

بفرمود رستم کہ تا پیشکار
یکے جامہ آرد برش پر نگار

(صفحہ ۲۰۹)

کہ تا او نہ گردد بہ بالائے حسن
نیاید بدیگر کسے رائے من

(صفحہ ۲۱۸)

کہ تا من ترا دیدہ ام مردہ ام
خروشاں و جوشاں و آزردہ ام

(صفحہ ۲۱۸)

یکے دشت با دیدگاں پر ز خوں
کہ تا او کہ آید ز آتش بروں

(صفحہ ۲۲۲)

سپاسے نہادی ازیں برسرم
کہ تا زندہ ام حق آں سپرم

صفحہ ۲۴۱

کہ تا تو برفتی نیم شادماں
از اندیشہ بیغم نیم یک زماں

صفحہ ۲۴۷

یزداں کہ تا در جہاں زندہ ام
بدرد سیاوش دل آگندہ ام

صفحہ ۲۶۷

کہ تا من شوم کشتہ اندر شکم
کہ او را رہائی مبادا زغم

صفحہ ۲۸۹

خروشاں و جوشاں بداں دیدگاہ
کہ تا گرد بیژن بر آمد زراہ

صفحہ ۳۱۷

یکے کار کردی کہ تا جاوداں
بگویند گرداں و ہم موبداں

صفحہ ۳۱۷

گر ایدوں کہ تا زانہ باز آورم
دیا سرگوشش بکاز آورم

صفحہ ۳۲۷

یہ اشعار آبدار ایران کے شہرہ آفاق سخنور حکیم فردوسی طوسی کے ہیں جو اپنے باکمال و عظیم المرتبت معاصرین فرخی، عنصری، عسجدی وغیرہم کے حلقہ میں بھی خاص امتیازی شان رکھتا تھا اور بعد کو آنے والے بڑے بڑے اہل کمال بھی اس کو ایک ماہر فن استاد جانتے اور

اُس کی سیفِ زبان کا لوہا مانتے رہے ہیں۔ چنانچہ اسدی طوسی نے جو نہایت بلند پایہ شاعر ہے فردوسی کی برتری کا اس طرح اقرار کیا ہے۔

بہ شہنامہ فردوسیء نغز گوئے
چو از پیش گویندگاں برد گوئے

اور انوری خاورانی نے جس کا فضل و کمال محتاج بیاں نہیں اس کے قدموں پر یہ جواہر عقیدت نثار کئے ہیں۔

آفریں بر روان فردوسی
آں ہمایوں نہال فرخندہ
او نہ استاد بود و ما شاگرد
او خداوند بود و ما بندہ

اور مولانا نظامی گنجوی اس نیازمندی سے اس کے مدح سرا ہیں۔

سخن گوئے پیشینہ دانائے طوس
کہ آراست روئے سخن چوں عروس
نگر آں کہ دانائے پیشینہ گفت
کہ بر در نشاید دو سوراخ سفت
چنیں زد مثل شاہ گویندگاں
کہ یابندگانند جویندگاں

اور حضرت شیخ سعدی شیرازی اس کی سخن آرائی کا اقرار ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

چہ خوش گفت فردوسیء پاک زاد
کہ رحمت برآں تربت پاک باد

اگر "کہ تا" غلط اور اس کا استعمال ناجائز ہوتا تو کیا فردوسی سا سخن ور یکتا جو خدائے سخن

مانا گیا ہے اس کثرت سے "کہ تا" کا استعمال کر سکتا تھا؟ اور کیا انوری و نظامی و سعدی جو کمال سخن کی انتہائی بلندی تک پہنچے ہوئے سمجھے جاتے ہیں فردوسی کی تصنیف میں "کہ تا" کی ایسی بھرمار دیکھ کر اس کی گرفت سے باز رہ سکتے تھے۔ لیکن یہی نہیں کہ حضرات موصوفین میں سے کسی نے اس کی گرفت نہیں کی بلکہ سب نے اس کے سامنے سر تسلیم جھکایا اور خراج عقیدت پیش کیا ہے اور ان کے لئے "کہ تا" کے استعمال پر فردوسی کی گرفت کرنے کا موقعہ ہی کہاں تھا کہ انہوں نے تو خود بھی کثرت سے "کہ تا" استعمال کیا ہے جیسا کہ اس مضمون کی پہلی دو قسطوں سے ظاہر ہو چکا ہے اور اس قسط سے بھی ظاہر ہو گا۔

حضرت مولانا نظامی گنجوی

(سکندر نامہ بری)

کہ تا جاں بہم آشنائی دہد
بر آزرم خسرو و گوائی دہد

صفحہ ۲۸۴

ولے بود سرپوش بالائے شاں
کہ تا سر نوشابہ ماند نہاں

صفحہ ۲۸۸

برانم کہ تا جملہ ء مرز بوم
بگردم پس آنگہ شوم سوئے روم

صفحہ ۳۰۴

بہ بینم کہ تا عزم چوں آیدم
زمانہ کجا رہنموں آیدم

صفحہ ۳۰۵

کہ تا ہر کہ او باشد ایزد پرست
ازاں نامہا گنجے آورد بدست

صفحہ ۳۰۹

ہمہ شب دریں فکر و اندیشہ بود
کہ تا چوں تواند در دژ کشود

صفحہ ۳۲۲

سپہ راند از آنجا بتخت سریر
کہ تا بیند آں تخت راتخت گیر

صفحہ ۳۲۳

دگر نغز گوئی زباں برکشاد
کہ تا چند کیخسرو و کیقباد

صفحہ ۳۲۸

نظر خواست از وے در آئین جام
کہ تا راز او باز جوید تمام

صفحہ ۳۳۳

نگہبان دژ رنج بسیار کرد
کہ تا شاہ راسوئے آں غار کرد

صفحہ ۳۳۴

کہ تا شاہ بر حل و عقد یکہ داشت
نیابت گر خویشتن برگماشت

صفحہ ۳۴۰

بمن وہ کہ تا زو دوائے کنم
مس خویش را کیمیائے کنم

صفحہ ۳۴۹

نہاں رفت و جاسوس را باز جست
کہ تا حال او باز گوید درست

صفحہ ۳۷۰

نہادند سرہا کہ تا زندہ ایم
بدیں عہد و پیماں سر افگندہ ایم

صفحہ ۴۴۰

کہ تا چوں شہ آید بفرخندگی
بگوید کہ ہاں چشمہ ء زندگی

صفحہ ۵۲۶

بپیچید در آب فیروزہ رنگ
کہ تا ماہی ء رفتہ آرد بچنگ

صفحہ ۵۲۷

حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ

(بوستان)

کہ تا بر فلک ماہ و خورشید ہست
دریں دفترت ذکر جاوید ہست

صفحہ ۱۴

کہ تا ہست حاتم در ایام من
نخواہد بہ نیکی شدن نام من

صفحہ ۱۱۱

بہ حقش کہ تا حق جمالم نمود
دگر ہرچہ دیدم خیالم نمود

صفحہ ۱۳۴

بگفتا نہ آخر دہاں تر کنم
کہ تا جان شیرینش در سر کنم

صفحہ ۱۳۷

کہ تا باخودی در خودت راہ نیست
وزیں نکتہ جز بے خود آگاہ نیست

صفحہ ۱۵۲

قلم سر سلطاں چہ نیکو نہفت
کہ تا کار و بر سر نبودش نگفت

صفحہ ۲۳۴

بر پنبہ آتش نشاید فروخت
کہ تا چشم برہم زنی خانہ سوخت

صفحہ ۲۵۱

کہ تا چند ازیں جاہ گردن کشی
خوشی را بود در قفا نا خوشی

صفحہ ۲۸۹

فارسی زبان پر عربی کا اثر تو تیسری صدی ہجری ہی میں شروع ہو گیا تھا جیسا کہ رودکی اور اس کے معاصرین شہید بلخی' خواجہ مرادی' فرالادی' خسروانی' طیاں مرغزی' ابو شکور بلخی اور دقیقی طوسی وغیرہم کے کلام سے ظاہر ہے۔ لیکن ایک تو یہ اثر بہت آہستگی سے تھا دوسرے غزل' قطعہ اور قصیدہ تک محدود تھا۔ کیونکہ تینوں اصناف میں ایک انداز کے بہت سے قافیوں کی ضرورت پیش آتی ہے اور جتنے اشعار ہوں اتنے ہی قافیے لائے جاتے ہیں مگر مثنوی کی یہ حالت نہیں۔ اس کے تمام قافیے ایک انداز کے نہیں ہوتے۔ ایک شعر کے دونوں قافیے تو ایک انداز کے ہوتے ہیں اور دوسرے شعر کے قافیے پہلے شعر کے خلاف دوسرے انداز کے۔ یہی وجہ تھی کہ مذکورہ بالا اصناف سخن میں تو عربی کے الفاظ داخل ہوئے ہیں لیکن مثنوی محفوظ رہی اور حکیم فردوسی طوسی کے زمانے تک مثنوی کی زبان خالص فارسی تھی' اور اگر کسی مثنوی میں عربی کے الفاظ شامل بھی کئے گئے تھے تو بہت کم۔ غلبہ فارسی زبان ہی کا تھا لیکن حکیم فردوسی جو خدائے سخن بھی مانا گیا ہے اور مولانا نظامی کے درمیانی زمانے میں جس کا دامن دو سو سال کی لمبی مدت کو اپنے سائے میں لئے ہوئے ہے کثرت سے ایسی جلیل القدر و عظیم الشان ہستیاں ظہور میں آئی ہیں جن کے علم و فضل اور کمالات گوناگوں کے سامنے کمال شاعری ایک ادنیٰ سی چیز ہے۔

"صاحبان فکر و نظر آپ کے ہر قول و فعل میں تعلیم الاسلام کالج کی تصویر دیکھنا چاہیں گے"

"آپ کا کام اکناف عالم میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی عظمت کا پرچم لہرانا ہے"

اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے بڑی فتوحات مقدر کی ہیں۔ اٹھیں اور اپنے فرائض ادا کرنے میں مشغول ہو جائیں۔"

تعلیم الاسلام کالج کے فارغ التحصیل طلباء سے حضرت سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کا پراثر خطاب

ربوہ...... مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۲۴ء کو تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے جلسہ تقسیم اسناد میں حضرت مسیح موعود (---------) کے قدیمی اور مخلص رفیق سلسلہ عالیہ احمدیہ کے جید و تبحر عالم حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری نے کالج کے فارغ التحصیل طلباء کو جس پر مغز اور پراثر خطبہ سے نوازا تھا۔ اس کا مکمل متن ذیل میں ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔(ادارہ)

معظمی و محترمی حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب و عزیزان گرامی قدر

فارسی زبان پر عربی کا اثر تو تیسری صدی ہجری ہی میں شروع ہو گیا تھا جیسا کہ رودکی اور اس کے معاصرین شہید بلخی، خواجہ مرادی، فرالادی، خسروانی، طیاں مرغزی، ابو شکور بلخی اور دقیقی طوسی وغیرہم کے کلام سے ظاہر ہے۔ لیکن ایک تو یہ اثر بہت آہستگی سے تھا دوسرے غزل، قطعہ اور قصیدہ تک محدود تھا۔ کیونکہ تینوں اصناف میں ایک انداز کے بہت سے قافیوں کی ضرورت پیش آتی ہے اور جتنے اشعار ہوں اتنے ہی قافیے لائے جاتے ہیں مگر مثنوی کی یہ حالت نہیں۔ اس کے تمام قافیے ایک انداز کے نہیں ہوتے۔ ایک شعر کے دونوں قافیے تو ایک انداز کے ہوتے ہیں اور دوسرے شعر کے قافیے پہلے شعر کے خلاف دوسرے انداز کے۔ یہی وجہ تھی کہ مذکورہ بالا اصناف سخن میں تو عربی کے الفاظ داخل ہوئے ہیں لیکن مثنوی محفوظ رہی اور حکیم فردوسی طوسی کے زمانے تک مثنوی کی زبان خالص فارسی تھی، اور اگر کسی مثنوی میں عربی کے الفاظ شامل بھی کئے گئے تھے تو بہت کم۔ غلبہ فارسی زبان ہی کا تھا لیکن حکیم فردوسی جو خدائے سخن بھی مانا گیا ہے اور مولانا نظامی کے درمیانی زمانے میں جس کا دامن دو سو سال کی لمبی مدت کو اپنے سائے میں لئے ہوئے ہے کثرت سے ایسی جلیل القدر و عظیم الشان ہستیاں ظہور میں آئی ہیں جن کے علم و فضل اور کمالات گوناگوں کے سامنے کمال شاعری ایک ادنیٰ سی چیز ہے۔

"صاحبان فکر و نظر آپ کے ہر قول و فعل میں تعلیم الاسلام کالج کی تصویر دیکھنا چاہیں گے"

"آپ کا کام اکناف عالم میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی عظمت کا پرچم لہرانا ہے"

اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے بڑی فتوحات مقدر کی ہیں۔ اٹھیں اور اپنے فرائض ادا کرنے میں مشغول ہو جائیں۔"

تعلیم الاسلام کالج کے فارغ التحصیل طلباء سے حضرت سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کا پر اثر خطاب

ربوہ...... مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۲۴ء کو تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے جلسہ تقسیم اسناد میں حضرت مسیح موعود (---------) کے قدیمی اور مخلص رفیق سلسلہ عالیہ احمدیہ کے جید و تبحر عالم حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری نے کالج کے فارغ التحصیل طلباء کو جس پر مغز اور پر اثر خطبہ سے نوازا تھا۔ اس کا مکمل متن ذیل میں ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

معظمی و محترمی حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب و عزیزان گرامی قدر

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

الحمدللہ کہ آپ نے تعلیم الاسلام کالج کی تقریبات تقسیم اسناد پر اس خاکسار کو یاد فرمایا۔ جزاکم اللہ تعالی احسن الجزاء

افسوس کہ میں خرابیٔ صحت اور شدت ضعف کی وجہ سے جسمانی شمولیت سے معذور ہوں۔ اور بہ نیت امتثال امران الفاظ کے ذریعے سے جو خود لکھے ہوئے نہیں بلکہ لکھوائے ہوئے ہیں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں وباللہ التوفیق

تعلیم اسلام کالج میرے پیارے آقاومولی جری اللہ فی حلل الانبیاء حضرت مسیح موعود (ـــــ) کا لگایا ہوا پودا ہے۔ اور جو عزیزان باتمیز یہاں سے فارغ التحصیل ہوکر جارہے ہیں وہ اس کے پھل ہیں۔ آپ جانتے ہیں ہیں کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ لیکن عمدہ سے عمدہ درختوں میں آنے والے پھل بھی تو کچھ ایسے ہوتے ہیں جنہیں کیڑا کھا جاتا ہے' کچھ ایسے جو پرندوں اور حشرات الارض کے کام آتے ہیں' کچھ ایسے جنہیں موسمی حادثات پختگی سے پہلے ہی شاخوں سے جدا کردیتے ہیں' اور کچھ ایسے جو مراد تک پہنچ کر خلق اللہ کو محظوظ و مسرور کرنے اور طرح طرح سے فائدے پہنچاتے ہیں۔ اس لئے آپ کا یہاں سے کامیاب ہوکر جانا جہاں ہم سب کے اور خود آپ کے لئے طمانیت و بشاشت کا باعث ہے وہاں فکر و تردد کا موجب بھی۔ اس لئے کہ اب آپ ہمیشہ تعلیم الاسلام کالج کے فرزندوں کی حیثیت سے دیکھے جائیں گے آپ کی تمام حرکات و سکنات اور آپ کا ہر قول و فعل ایک آئینہ ہوگا۔ جس میں صاحبان فکرونظر تعلیم الاسلام کالج کی تصویر دیکھنا چاہیں گے۔ وہ آپ کی گفتاروکردار اور آپکی روحانی صحت وتوانائی سے اس شجر کی حالت وکیفیت کا اندازہ لگائیں گے۔ جس کے آپ ثمر ہیں۔ آپ کے کاندھوں پر بہت بڑا بوجھ اور ایک عظیم ذمہ داری آگئی ہے۔ جب تک آپ کالج

میں تھے آپ کے مربی و شفیق اساتذہ آپ کی رہنمائی کیلئے موجود تھے۔ جو آپ کی غلطی پر گرفت کرنے اور آپ کی کمزوری پر حوصلہ دلانے اور اور آپ کی راہیں متعین کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ و کوشاں رہتے تھے۔ لیکن اب آپ ذہنی اور اخلاقی بلوغت حاصل کرچکے ہیں اور یہاں سے جارہے ہیں آپ کو خود ہی اپنا مربی واتالیق بننا ہوگا۔ اب آپ کو اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کی یاد دہانی نہیں کرائی جائے گی۔ آپ خود ہی انہیں یاد رکھیں گے اور ان کے مطابق گامزن ہوں گے۔ بظاہر تو یہ راہ بڑی پیچ دار ہے اور آپ کا منزل مقصود تک پہنچنا نہایت دشوار لیکن اگر آپ نے وہ سبق جو اس عظیم ادارہ میں پڑھا ہے اچھی طرح یاد رکھا اور اس کے مطابق عمل کرنے کا تہیہ کرلیا۔ تو انشاء اللہ تعالے آپ کو تسلی و اطمینان اور اعتماد سے میدان عمل میں گرم گرفتار ہو جانا کوئی مشکل امر نہ معلوم ہوگا۔ اور آپ ضرور منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے۔

یاد رکھئے جس عظیم الشان مرد خدا نے میرے ماں باپ اس پر قربان' اس ادارے کی ابتدا فرمائی تھی۔ وہ اسکول یا کالج جاری کرنے کے لئے تشریف نہیں لایا تھا۔ یہ کام تو اور بہت سے ادارے بھی انجام دے رہے تھے' اور دے رہے ہیں۔ تعلیم اسلام کالج یا اسکول کے اجراء سے سیدنا حضرت مسیح موعود کا یہ مقصد تھا۔ کہ ہمارے نوجوان زندگی کے تمام تقاضوں سے صحیح معنوں میں عہدہ برآ ہونے کے قابل ہوجائیں۔ اور دین کی جنگ میں جدید سامان حرب سے مسلح ہوکر شمولیت اختیار کرسکیں۔ اس کالج کا مقصد آپ کو گریجویٹ بنانے کے ساتھ ساتھ بہتر انسان بنانا بھی ہے۔ محض علم نہ صرف بے کار ہے بلکہ بعض اوقات خطرناک بھی' دنیا سائنسی ترقی کے منہ زور گھوڑے پر سوار بڑی فطنت و مباورت سے اپنے مذعومہ مقاصد کی طرف بڑھتی چلی جارہی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص یورپ یا امریکہ تو کیا

چاند اور مریخ تک بھی چکر لگا آئے تو اس سے وہ بہتر انسان نہیں بن سکتا۔ اس لئے یونیورسٹی کے نصاب پر جسے آپ نے ختم کرکے کامیابی حاصل کرلی ہے۔ بس کرنا کافی نہیں ہے بلکہ آپ کا اس نصاب میں بھی پاس ہونا ضروری ہے۔ جسے اللہ تعالی نے آپ اور ہم سب کے مقرر فرمایا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

یعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم

یہ ایسا نصاب ہے۔ جس پر زندگی کی آخری سانس تک عمل کرنا ضروری ہے۔ یہ علم وحکمت اور طریق تزکیہ سکھلانے والا نصاب ان کا مجوزہ وخودساختہ نہیں۔ بلکہ اس قوی اور قادر اور علیم وخبیر کا نازل فرمایا ہوا ہے۔ جس کے قبضہ قدرت سے کوئی شے باہر اور جس کی نظر سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ اور اس نصاب کے رموزواسرار بتانے اور سمجھانے والے رحیم وکریم استاذ سیدنا وشفیق حضرت سید المرسلین و خاتم النبین صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور حضور نے اس نصاب کے تمام رموزواسرار براہ راست عزاسمہ وجل شانہ سے حاصل کئے ہیں جو ہر علم وحکمت اور نیکی کا پہلا اور آخری سرچشمہ ہے۔

اے عزیزان ہمایوں خصال! علم تو آپ نے سیکھا۔ اور اللہ تعالی کے فضل سے خوب سیکھا اور کامیابیاں بھی حاصل کیں'۔ اور خوب حاصل کیں مقابلے کے میدانوں میں ممتاز و سرفراز رہے۔ اور خوب ممتاز و سرفراز رہے۔ لیکن یاد رکھیں کہ آپ کا علم اور آپ کی کامیابیاں آپ کو نیکی طہارت' تزکیہ نفس اور تعلق باللہ کے مبارک پیغام بھی دے رہی ہیں۔ آپ صرف گریجویٹ ہی نہیں۔ بلکہ بفضلہ تعالی تعلیم الاسلام کالج کے گریجویٹ ہیں۔ آپ پر فرض عائد کیا گیا ہے کہ آپ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے۔ آپ دنیا کو فتح کریں (اور انشاء اللہ ضرور فتح کریں گے۔) لیکن اپنی خاطر نہیں بلکہ اپنے پیارے دین کی خاطر۔ آپ چاند کیا تمام نظام

شمسی کی سیر کر آئیں لیکن اپنی خاطر اور اپنی عظمت ظاہر کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ اپنے خالق و مالک اللہ تعالہ عزاسمہ وجل شانہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے۔ اور پھر اپنے ہادی پاک صاحب لولاک سیدنا حضرت احمد مجتبی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے۔ آپ علم و حکمت سیکھیں لیکن تقوی و طہارت کے حصول و قیام کی کوشش کے ساتھ۔ آپ ہر حال میں دین کے جیتے جاگتے چلتے پھرتے نمونے نظر آئیں۔ آپ کا ہر قول و فعل' آپ کی تمام حرکات و سکنات' آپ کی دوستیاں' اور آپ کی مجلسیں' آپ کے کھیل اور آپ کے مقابلے' آپ کی کار گزاریاں اور آپ کی کامیابیاں' دین کی خاطر اور دین کی روح کے مطابق ہوں۔ آپ کا کام ساری دنیا کو دین کی آغوش میں لانا ہے۔ آپ کا کام اکناف عالم میں سیدنا حضرت محمد رسول اللہ کی عظمت کا پرچم لہرانا ہے۔ آپ کا کام دین کی اس آخری جنگ میں ایک فریس' جری' سربکف' اور جاں باز مرد میدان کا کردار دکھانا ہے۔ آپ کا ہر کام بہت بڑا ہے۔ اور نتیجہ تک پہنچنے کا فاصلہ بہت لمبا ہے۔ چلنے سے پہلے اپنے نفسوں کا محاسبہ کرلیں۔ کہیں بیمار پھل کی طرح کوئی کیڑا تو موجود نہیں ہے۔ جو اندر ہی اندر نقصان پہچانے کا موجب ہو۔ کبر و غرور' خودپسندی' خودنمائی' طمع و حرص' بدظنی وعیب چینی' اور بخل واسراف بڑے زہریلے کیڑے ہیں۔ اور کچل کر نیست ونابود کردینے کے لائق۔ آپ علم حاصل کریں اور اس پر عمل کرنے میں پوری کوشش سے کام لیں۔ آپ اپنے کالج کے شعار "علم و عمل" کو ہمیشہ یاد رکھیں۔ اپنے استادوں کی عزت کریں کہ دین اس کی بڑی تاکید کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر استاد ازل سے اپنا تعلق استوار کرنے کی کوشش کریں جس کے بغیر تمام کامیابیاں بے فائدہ ہیں اور ساری سرفرازیاں بے کار۔ قران کریم کو اپنا لائحہ عمل بنائیں اور اس کے ہر حکم پر سر تسلیم جھکائیں اور اس کی لائی ہوئی تعلیم

پر اچھی طرح قائم ہو جائیں۔ عشق رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی روح کی غزا بنائیں یہاں تک کہ آپ کے ہر قول وفعل سے انوار عشق رسولؐ ظاہر ہو جائیں آپ دوسروں کو دین کی عظمت ہرگز نہیں منوا سکتے۔ تاوقتیکہ اس کی عظمت خود آپ کے دل میں راسخ نہ ہو چکی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے بڑی فتوحات مقدر کی ہیں۔ اگر آپ اپنے فرائض ادا کرتے رہے تو آپ کا خالق و مالک راضی ہوجائے گا۔ آپ کو حیات جاوید عطا فرمادے گا اور آپ کا نام رہتی دنیا تک عزت و احترام سے لیا جائے گا۔ آپ آج اپنے دلوں میں عہد کرلیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو امانت ہمارے سپرد فرمائی ہے اس کے ادا کرنے کا حق ادا کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور اس کے فضل و کرم اور رحمت و نصرت کا سایہ آپ کے سروں پر قائم رہے۔ آپ کو قوموں کی اصلاح کا مہتم بالشان کام سپرد کیا جانے والا ہے۔ اس لئے پہلے آپ اپنی اصلاح کریں۔ آپ اچھے سائنسدان، اچھے فلسفی، اچھے ادیب اور اچھے کھیلنے والے (کھلاڑی) ہونے کے ساتھ اچھے انسان بلکہ نمونے کے انسان بننے کی کوشش کریں۔ آج دنیا کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ کا وجود بہت قیمتی ہے۔ آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ آپ کے سپرد وہ کام کیا گیا ہے جو مدتہامدت سے کسی کے سپرد نہیں کیا گیا تھا اور زمانہ سالہا سال سے جس کا متقاضی تھا۔ اگر آپ کے ہاتھ سے وہ کام انجام پاگیا تو کون ہے جو آپ کی کامیابی پر خوش نہ ہوگا۔ اور کس کے دل سے آپ کے لئے دعا نہ نکلے گی آپ کی عالی ہمتی پر قومیں رشک کریں گی اور آپ نہایت عزت و محبت سے یاد کیے جائیں گے ہم نہیں ہوں گے لیکن اگر ہماری روحیں آپ کی کامیابیوں سے واقف ہوسکیں گی تو بڑی راحت پائیں گی اور مرحبا اور صل علیٰ کے پھول برسائیں گی آپ اٹھیں اور اپنے فرائض ادا کرنے میں مشغول ہو جائیں کہ وقت بہت قیمتی

ہے اور تھوڑا راہ منزل بڑی کٹھن ہے اور نہایت دراز منزل دور ہے اور بہت دور۔

اور اب میں کالج کے واجب الاحترام اساتذہ اور معظمی و محترمی حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں اس تعلیمی سال کے خوبی و خوش اسلوبی اور کامیابی سے ختم ہونے پر گوناگوں دعاؤں کے جھرمٹ میں ہدیۂ مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ یہ سال بیش از بیش کامیابیوں کا سال تھا۔ تعلیمی و تنظیمی لحاظ سے بھی اور کھیل کے لحاظ سے بھی۔ جہاں اور کالجوں میں افراتفری۔ہنگامہ آرائی۔پریشان خاطری اور انتہا پسندی کی کھلے بندوں نمائش کی گئی وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تعلیم الاسلام کالج کے محترم اساتذہ اور عزیز طلباء نے صحیح دینی تعلیم کا نمونہ دکھایا اور حسب سابق فساد فی الارض اور اسی قسم کے دوسرے تمام غیر دینی طریق کار سے عملاً نفرت و حقارت کا اظہار کر دیا! فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزا۔ اور یہ نتیجہ ہے تعلیم الاسلام کالج سے وابستگی و شیفتگی کا۔ چوں کہ پچھلا تجربہ بتارہا ہے کہ آنے والے دنوں میں بھی خطرات پیش آنے کا احتمال ہے اس لئے عزیز طلباء اور محترم اساتذہ کو بہت ہوشیار اور خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔ تعلیم الاسلام کالج کے طلباء جب تک تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کا اہم کام تحصیل علم اور واقفیت دین ہے۔ سیاست ان کے لئے سم قاتل۔ تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد ضرورت اور تقاضائے وقت سے جائز سیاسی یا مفید غیر سیاسی مشاغل میں حصہ لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

تعلیم الاسلام کالج کی جو تعلیمی و تنظیمی ترقیاں ہم سب کے لئے موجب مسرت و بشاشت ہوئی ہیں ان میں سے ایک ہمارے عزیز القدر طلباء کے کھیل کی ترقی بھی ہے۔ کیوں کہ اس سال انہوں نے اکثر کھیلوں میں کوئی نہ کوئی پوزیشن ضرور حاصل

کی ہے' الحمدللہ کھیل نہ صرف صحت جسمانی کے لئے ایک ضروری وظیفے کا حکم رکھتے ہیں بلکہ ذہنی و اخلاقی صحت کے بھی معاون و مددگار بنتے ہیں۔ اور بیرونی دنیا سے بے تکلف اور خوشگوار تعلقات کے قیام کا باعث اور تربیت کے لئے نئی نئی راہیں کھل جانے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے کھیلنا بھی ایک نیکی ہے بشرطیکہ نیت بھی نیک ہو۔ میں بڑی مسرت سے تمام کھیلنے والوں (کھلاڑیوں) کو مبارکباد کہتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی تعلیم الاسلام کالج کا پرچم ہر مقابلے اور ہر میدان میں بلند و بالا رکھے اور فاستبقوا الخیرات کی روح ہمیشہ آپ میں زندہ و قائم رہے۔ میں محترم اساتذہ کے لئے بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی انہیں اپنے خاص فضل و رحمت سے نوازے اور اپنی خاص تائید سے تمام فرائض کو صحیح معنوں میں انجام دینے کی توفیق بخشے۔ میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر جانے والے طلباء اور موجودہ سابقہ طلباء اور آنے والے طلباء کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی انہیں حسنات دارین سے سرفراز فرمائے اور دین و دنیا میں سرخروئی بخشے اور حقیقی معنوں میں تعلیم الاسلام کالج کا مثالی طالبعلم بنائے۔ انہیں ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے اور ان تمام وعدوں کا جو دین کی نشائۃ ثانیہ کے بارے میں ہیں وارث بنائے۔ آمین یا ارحم الراحمین آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔